فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابو الحسنات علی محمد صاحب سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

اہل علم سے پوچھو، اگر تم نہیں جانتے۔ القرآن

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد ۱۲

کتاب العلم

(ترتیب)

ابو الحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ، خانیوال

(ناشر)

مکتبہ سعیدیہ خانیوال ملتان پاکستان

فون ۳۱۷

نام کتاب ________ فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۲
نام مرتب ________ ابو الحسنات علی محمد سعیدی
کتابت ________ محمد نذیر منیر (کیلانی)
طباعت ________ حفیظ پریس کبیر والا ضلع ملتان
تاریخ اشاعت ________ ماہ محرم ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء
تعداد ________ ایک ہزار / ۱۰۰۰
ناشر ________ مکتبہ سعیدیہ خانیوال
قیمت ________ ۳۵ روپے
پتہ ________ مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان
فون ________ ۳۱۷

مأخذ فتاوی علمائے حدیث کتاب العلم جلد ۱۲

فتاوی نذیریہ	دہلی
فتاوی ستاریہ	کراچی
جمع القرآن والحدیث ،	مولانا ابو القاسم محمد خان بنارس رح
تحریک وہابی پر ایک نظر ،	مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رح
عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان ،	علامہ شمس الحق رح
اخبار اہل حدیث	دہلی
اخبار اہل حدیث گزٹ	دہلی
اخبار تنظیم اہل حدیث	لاہور
اخبار الاسلام	گوجرانوالہ
اخبار اہل حدیث	امرت سر
اخبار الاعتصام	لاہور
اخبار اہل حدیث	سوہدرہ
اخبار الارشاد	کراچی
ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل	سید نواب صدیق خاں بھوپال رح

مفتیان فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۲

۱ مولانا ابوالقاسم بنارسیؒ
۲ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ
۳ مولانا عبدالوکیل کراچی
۴ پیرزادہ اشفاق ضیاء
۵ قاری عبدالرشید عبیدالرحمٰن فاروقی
۶ مولانا عبدالجید سوہدرویؒ
۷ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی گوجرانوالہ
۸ مولانا محمد اشرف سندو بکوی قصور۔
۹ مولانا عبدالسلام بستوی دہلویؒ
نواب صدیق حسن خاں بھوپال رح
۱۰ حافظ محمد اسحٰق صاحب حمانی دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور
۱۱ حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ۔
۱۲ مولانا عبدالستار امیر جماعت غرباء کراچیؒ
۱۳ مولانا ابوسعید محمد شرف الدین محدث دہلویؒ
۱۴ مولانا ابوالبرکات احمد مدرس مدرسہ محمدیہ جی۔ ٹی۔ روڈ گوجرانوالہ۔
۱۵ حافظ عبداللہ روپڑی رح
۱۶ مولانا عبدالواحد غزنوی رح
۱۷ حافظ عبدالقادر روپڑی رح
۱۸ عبیدالرحمٰن فاروقی

فہرست مضامین فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۲

جس میں سلسلہ وہابیت اور اس کے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات اور مسئلہ قبجات کی بابت فتاویٰ درج ہیں۔

مصنفہ

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری (مولوی فاضل)

ناظم اعلیٰ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس دہلی

تحریک وہابیت

مصنف:
مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب
امرتسری (مولوی فاضل)

برادران! آج ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ کل اسلامی دنیا میں وہابی تحریک پر گفتگو ہو رہی ہے، ہر فریق اپنے خیال کی تائید اور مخالف کی تردید کر رہا ہے جس سے خلیج مخالفت وسیع بلکہ وسیع تر ہوتی جا رہی ہے جو اسلامی اغراض کے لئے مہلک اور غیر اسلامی تحریک کے لئے مفید ہے، اس لئے میں آج اس تحریک کے متعلق ایسی طرز سے چند سطور پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جس سے انشاء اللہ مخالفت بند نہ ہو گی تو کم ضرور ہو جائے گی۔

بھائیو! واقعات کو ٹھنڈے دل سے دیکھنے اور ان پر غور کرنے سے بسا اوقات مخالفت پیدا ہی نہیں ہوتی، اور اگر ہوتی ہے تو دیرپا نہیں ہوتی، آج جو اختلاف رونما ہو رہا ہے یہ سب کچھ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت اور انکی تحریک پر مبنی ہے، شیخ موصوف کی شخصیت میں جو اختلاف ہے وہی اس اختلاف کی بنا ہے اس لئے پہلے ہم اس اختلاف کا ذکر کرتے ہیں، پھر اس میں فیصلہ کی صورت بتا کر اصل مسئلہ کی مشکلات کا حل بتا دیں گے،

شیخ موصوف کے حق میں جو اختلاف ہے، وہ درج ذیل ہے،

علماء اہل سنت کے دو گروہ ہمارے سامنے ہیں، ایک علماء حدیث، دوم علماء فقہ یعنی حنفیہ کرام، گروہ حنفیہ دو بڑے حصوں میں منقسم ہے ایک وہ گروہ جن کو اصطلاحاً دیوبندی کہا جاتا ہے دوسرے کو بریلوی، ان میں جو اختلاف مسائل ہے اس کے ذکر کی یہاں جگہ نہیں، ہاں ظاہری علامت ممیزہ ان میں یہ ہے کہ دیوبندی گروہ علم فقہ اور اس کے لوازم کے علاوہ علم حدیث و تفسیر میں توغل رکھتا ہے، اسی لئے انہوں نے حنفی مذہب کو جو رسوم ملکی سے آلودہ ہو رہا تھا رسوم شرکیہ بدعیہ سے نتھار کر خالص حنفی مذہب کی شکل میں دکھانے کی کوشش کی، یعنی دیوبندی چونکہ،

حنفی مقلد ہیں، اس لئے وہ مذہب حنفی وہی پیش کرتے ہیں، جو مذہب فقہ حنفیہ میں ملتا ہے، نہ وہ جس میں رسوم ملکی اور آبائی داخل کی گئی ہیں۔

شیخ محمد عبدالوہاب نجدی کے حق میں علماء حدیث تو بالاتفاق حسن ظن رکھتے ہیں اور انکو موحد متبع سنت جانتے ہیں، حنفیہ کرام میں سے دیوبندی گروہ بھی شیخ ممدوح کے مداح ہیں چنانچہ اس گروہ کے سرگروہ حضرت سید الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں اُن کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب اُنکا حنبلی تھا، البتہ اُن کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور اُن کے مقتدی اچھے ہیں،

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص۸)

اس کے مقابلہ میں بریلوی گروہ البتہ بدگمان ہی نہیں بلکہ سخت سے سخت ترین شیخ موصوف کے حق میں بدگو ہیں۔

نتیجہ صاف ہے کہ علمائے سنت میں سے ڈیڑھ گروہ شیخ مذکور کے حق میں حسن ظن ہے اور نصف گروہ بدظن بلکہ بدگو، جسکو دوسرے لفظوں میں یہ سمجھنا چاہئیے کہ امت مسلمہ میں سے علمائے سنت سے اکثر علماء شیخ موصوف کو ممدوح جانتے ہیں اور نصف گروہ انکو مذموم کہتے ہیں، باقی ناظرین کی رائے پر ہم چھوڑتے ہیں۔

بیرونی شہادت اس اندرونی شہادت کے بعد ہم ایک غیر جانبدار شہادت پیش کرتے ہیں جس کو کسی قسم کا کسی فریق سے خاص تعلق نہیں اور وہ دونوں گروہوں سے بالکل غیر جانبدار ہے اس لئے اُس کی شہادت خاص وزن رکھتی ہے،

ڈاکٹر لوتھر امریکہ میں ایک بڑے ماہر سیاسیات اور مورخ آج بھی زندہ ہیں، انہوں نے اسلام کی تاریخ کو بڑی محنت سے مطالعہ کیا اور اسلام کی ترقی اور تنزل کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ... (LAM) یعنی جدید دنیائے اسلام

اس کتاب کا ترجمہ محمد جمیل الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر بدایونی نے کیا ہے[1] فاضل مصنف نے اس کتاب میں بہت سے مفید معلومات جمع کئے ہیں چونکہ اس کتاب کا نام ہی بتا رہا ہے کہ جدید اسلامی تحریک چل گئی ہے جو اسلامی دنیا

[1] مصریوں نے عربی میں کر کے چھاپ دیا ہے جو ہندوستان میں آچکا ہے ۱۲

باقی آئندہ

میں کام کر رہی ہے کہیں مراقش میں تو کہیں ترکی میں، کہیں مصر میں تو کہیں افغانستان اور ہندوستان وغیرہ، اس لئے مصنف کا فرض تھا کہ وہ اس جدید اسلامی تحریک کی ابتدا بتاتا کہ کس شخص سے اور کہاں سے شروع ہوئی ہے، چنانچہ اس بارے میں فاضل مصنف کے الفاظ یہ ہیں۔

"اٹھارہویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے ضعف کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، صحیح قوت کے کسی جگہ بھی آثار نہیں پائے جاتے تھے، ہر جگہ جمود و تنزل نمایاں تھے، آداب و اخلاق قابل نفرت تھے، عربی تہذیب کے آخری آثار مفقود ہو کر ایک قلیل تعداد وحشیانہ عشرت میں اور عوام وحشیانہ مذلت میں زندگی بسر کرتے تھے، تعلیم مردہ ہوگئی تھی، اور چند درسگاہیں جو ہولناک زوال میں باقی تھیں، وہ افلاس و غفلت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں سلطنتیں مطلق العنان تھیں اور ان میں بدنظمی و خونریزی کا دور تھا جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے سلطان ترکی یا ہند کے شاہان مغلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے، اگرچہ صوبجات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم اور استحصال بالجبر پر مبنی تھیں قائم کرنے کے ہمیشہ کوشاں تھے، اسی طرح امراء متواتر سرکش مقامی رئیسوں اور قطاع الطریق کی جماعتوں کے خلاف جو ملک کو آزار پہنچاتے تھے برسرپیکار رہتے تھے، اس منحوس طرز حکومت میں رعایا لوٹ مار و ظلم و پامالی سے نالاں تھی، دیہاتی اور شہریوں میں محنت کے محرکات مفقود ہوگئے تھے لہٰذا تجارت اور زراعت دونوں اس قدر کم ہوگئی تھیں، کہ محض سد رمق کے حصول کے لئے کی جاتی تھیں مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا، تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا، مسجدیں ویران و سنسان پڑی تھیں، عوام جہال ان سے بھاگتے تھے، اور تعویذ گنڈے اور مالائیں پھنس کر گندے فقراء اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے، اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے، اور ان کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ ان جہال کا خیال تھا کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اس کی طاعات بلاواسطہ نہیں ادا کر سکتے ہیں، قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا،

تھا، بلکہ اُس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، افیون و شراب خوری عام ہو رہی تھی زناکاری کا زور تھا، اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کیے جاتے تھے یہاں تک کہ مقامات مقدسہ یعنی مکہ اور مدینہ افعال قبیحہ کے قعر ذلت بن گئے تھے اور حج جس کو رسول اللہ نے فرائض میں تعلیم کیا تھا بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا، فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی، اور محض بے روح رسمیات اور تنبذل توہمات کے سوا کچھ نہ رہا تھا، اگر محمد (صلعم) پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیروان کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے، اس جہالت کے زمانہ میں وسیع عربی ریگستان یعنی مہد اسلام سے مومنین کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دینے والی صدا پیدا ہوئی، اس مخلص مصلح یعنی محمد عبدالوہاب نے ایسا نور ہدایت روشن کیا جو اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں پھیل گیا، اور اسلام کو خواب غفلت سے بیدار کر کے قرون اولیٰ کے جوش کو تازہ کر دیا، مسلمانوں کی اہم نشاۃ (نئی پیدائش) کا یہیں سے آغاز ہو گیا ××× اس دیرینہ تر اور برتر عہد کی فضا میں عبدالوہاب کی صدا پیدا ہوئی، ابتدا ہی سے اُن کو مطالعہ کتب اور مذہب کا شوق تھا، اور بہت جلد اُن کے علم اور تقدس کی شہرت ہو گئی، عنفوان شباب ہی میں وہ حج بیت اللہ کو گئے انہوں نے مدینہ میں بھی تحصیل علم کرنیکے بعد ایران تک سفر کیا اور بالآخر نجد واپس آئے، واپسی پر اپنے مشاہدات کے لحاظ سے اُن کے دل میں غیظ و غضب پیدا ہوا اور انہوں نے بے لوث اصلاح کی تبلیغ کا مصمم ارادہ کر لیا۔ سالہا سال تک وہ اطراف عرب میں گھومتے رہے، اور بالآخر، انہوں نے قبیلہ سعود کے شیخ محمد کو جو نجد میں سب سے بڑے سردار تھے اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اسی سے عبدالوہاب کو اخلاقی اقتدار اور مادی تقویت حاصل ہو گئی، اور انہوں نے اس زرین موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ بتدریج صحرائی عربوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرح سیاسی اور مذہبی اتحاد قائم ہو گیا، در حقیقت عبدالوہاب پہلے خلفاء حضرت ابوبکر صدیق رض و عمر رض کے سچے پیرو تھے ۱۷۶۵ء میں جب وہ مرے تو سعود اُن کے قابل جانشین ہوئے جدید وہابی سلطنت قریب

قریب مکہ کی خلافت کا نمونہ تھی، اگرچہ سعود کی فوجی طاقت زیادہ تھی لیکن اُنہوں نے اپنے آپ کو رائے عامہ کا پابند سمجھا اور اپنی رعایا کی جائز آزادی میں کبھی مداخلت نہ کی طرز حکومت اگرچہ سخت لیکن عادلانہ اور اچھا تھا، وہابی قضاۃ لائق اور ایماندار تھے امن عامہ ایسے کامل طور سے قائم کیا گیا تھا، کہ رہزنی کا سد باب ہو گیا تھا تعلیم سرگرمی سے پھیلائی جاتی تھی، ہر نخلستان میں مدرسے تھے، اور بدوی قبائل میں معلم بھیجے جاتے تھے " " تحریکات اخوان دس سال ہوئے وسط عربستان یعنی نجد میں مجہول طور سے شروع ہوئی یہ براہ راست وہابیت کی شاخ ہے جس سے یہ کسی اصول میں مختلف نہیں ہے تحریک اخوان کی ترقی ایسی سرعت سے ہوئی کہ آج کل وہ نجد پر حاوی ہے اور اس کا سرگروہ صحرائے عرب کا سب سے زبردست شیخ بن سعود ہے، جو اس سعود کی اولاد میں ہے جو سو سال ہوئے وہابی تحریک کا سرگروہ تھا، اخوان کا مذہبی جوش غیر معمولی بنایا جاتا ہے اور اس کا مکمل نظام عمل وہی قدیم وہابی خواب یعنی کل دنیا کے مسلمانوں کو خالص مذہب اسلام میں لانا ہے" (صفحات ۲۴، ۴۴، ۴۵، ۱۰۸)۔

برادران اسلام! یہ غیر جانبدار شہادت کس قابل ہے اس کا اندازہ اس مصنف کی شخصیت سے ہو سکتا ہے، نہ یہ شیعہ ہے نہ سنی، نہ حنفی ہے نہ وہابی، بلکہ ایک دور دراز ملک کا ماہر سیاست اور مورخ ہے جس نے اپنی عمر کا بہت حصہ اسلامی تاریخ پر صرف کیا ہے،

دوسرا غیر جانبدار گواہ گزشتہ ایام میں انگریزی گورنمنٹ کی طرف سے بغرض تحقیق اسباب بغاوت ایک کمیشن مقرر ہوئی تھی جس کا نام تھا رولٹ کمیٹی، اس کمیٹی کی رپورٹ کتاب کی صورت میں شائع ہوئی تھی، جس کا نام ہے "رولٹ کمیٹی کی تحقیقات" اس رپورٹ میں شیخ محمد عبدالوہاب اور وہابیوں کی بابت بھی چند الفاظ لکھے ہیں جو یہ ہیں:۔

"وہابی سنی مسلمانوں کا ایک ترقی یافتہ فرقہ ہے، یہ لوگ عبدالوہاب کے قائم شدہ اصول کے پیرو ہیں، عبدالوہاب اٹھارہویں صدی میں ایک عرب مصلح تھا، ص ۲ اردو۔

تیسرا غیر جانبدار گواہ

مسٹر بلنٹ انگریز سیاست داں ہے، جو بعض سیاسی اغراض کیلئے ۱۸۸۸ء میں نجد گیا تھا، وہاں کے چشم دید حالات مسٹر موصوف لکھتا ہے،

"میں نے دنیا کے اکثر شہروں کی سیر کی ہے، مگر جو چیز باوجود تلاش و جستجوئے بسیار کے مجھے مشرق و مغرب کے ان تمام بلاد میں حاصل نہ ہوئی وہ نجد کے گلی کوچوں میں خود بخود مل گئی، اس کے تین بڑے عنوان ہیں جن کا ذکر ہم یورپ کے رہنے والے نہایت، فخر و مباہات سے کیا کرتے ہیں، مگر وہ محض الفاظ ہی ہوتے ہیں، جو کبھی شرمندۂ معنے نہیں ہوتے، لیکن بلاد نجد میں میں نے ان کو حقائق ثابت پایا۔ حریت مساوات اور اخوت،

"فرانس کے تمام در و دیوار پر جلی حروف میں تم ان الفاظ کو لکھا پاؤ گے مگر یہاں نجد میں عملاً ہر شخص ان سے بہرہ اندوز سعادت ہوتا ہے یہی وہ سرزمین ہے جہاں نہ محصول اور لگان نے لوگوں کو تباہ و برباد کر رکھا ہے نہ جبری فوجی، خدمت ہے لوگ ہر قسم کے جبر و اکراہ سے پورے طور پر آزاد ہیں، رائے عامہ اس جگہ کا قانون ہے اس جگہ اگر کوئی دستور العمل ہے تو صرف یہ کہ ہر شخص ذمہ دار اور مسئول ہے اس لئے وہ اپنی عزت و خودداری کو اپنے ہر قول و فعل میں پیش نظر رکھتا ہے،

"یورپ میں تخیل پسند ارباب سیاست نے اس قسم کی حکومت کا نقشہ دینی کتابوں میں کھینچا ہے مگر نجد کے صحرا میں ہم نے اس کو حقیقت کا لباس پہنے ہوئے دیکھا یہاں کے رہنے والے مفلس ہیں، مگر قناعت پسند، جب کبھی ان سے پوچھا جاتا تو وہ یہ جواب دیتے، خدا کا شکر ہے کہ ہم دوسروں کی طرح حرص اور جوع الارض میں مبتلا نہیں ہمارے اطمینان کے لئے کافی ہے کہ اس جگہ ہمارے اپنی حکومت ہے، (صفحہ ۵۹ و ۵۸ سیکرٹ ہسٹری آف دی انگلش اوکوپیشن اوف ایجپٹ)

اِن زبردست غیر مسلم غیر جانبدار شہادتوں کے بعد کسی شہادت کی ضرورت نہ تھی تاہم مذہبی طبقے کے لئے جیسی ایک شہادت مولانا گنگوھی مرحوم کی پہلے درج ہو چکی ہے دوسری

شہادت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کی باقی ہے، آپ نے ایک ٹریکٹ شائع کیا ہے جس کا نام ہے نادان وہابی اُس میں وہابیوں کے متعلق بہت سی باتیں مخالف بھی لکھی ہیں، قطع نظر بیرونی ثبوت کے خود اندرونی ثبوت ہے کہ آپ وہابی نہیں، چنانچہ آپ نے اپنی وہابیوں کے متعلق بہت لفظوں میں یُوں کردی ہے،

" مجھے صفائی سے لکھ دینا چاہئے کہ میں وہابی تحریک اور نجدی عقائد کا پُورا مخالف ہوں میں وہابی نہیں ہوں۔ نہ وہابیت کی مذکورہ شاخوں سے کسی قسم کا تعلق رکھتا ہوں، بلکہ میں اپنے بزرگوں کے تمام عقائد اور اصول مسلمات کو دل وجان سے مانتا ہوں، اور میں قبور اور مزارات کا پختہ بنانا ضروری سمجھتا ہوں (صفحہ ۸، ۹)

ایسا اسلامی مذہبی طبقے کا ذمہ دار اور مخالف گواہ بھی تحریک وہابیت کی نسبت یوں گویا ہے۔

" نجدیوں کے عقائد ہندوستانیوں سے پوشیدہ نہیں ہیں، کیونکہ یہاں بھی بہت سے وہابی موجود ہیں۔ اور دن بدن بڑھتے جاتے ہیں، اگر تعصب نہ کیا جائے اور محققانہ نظر سے دیکھا جائے تو وہابی تحریک اصول کے لحاظ سے کوئی بُری تحریک نہیں ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے اندر ایک نئی زندگی اور نیا جوش پیدا کرنے والی چیز ہے، کیونکہ وہابی اُن تمام باتوں سے احتیاط کرنی چاہتے ہیں، جو مسلمانوں میں تمادی ایام کے سبب بعض اقوام کے ذاتی رسم ورواج اور بعض ملکوں کے خاص حالات کی آمیزش سے پیدا ہو گئے ہیں، وہ اپنے ہر دینی اور دنیاوی کام میں قرآن اور حدیث سے سند لینی چاہتے ہیں، اور وہ نماز روزے اور تمام فرائض اسلام کی اس طرح پابندی کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، جس طرح رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام پابندی کرتے تھے، وہابیوں کے اندر غیر مسلم اقوام کے خلاف ایک انقلابی لہر پائی جاتی ہے یہاں تک کہ آج کل کے زمانہ میں اکثر یورپین مورخوں نے لکھا ہے کہ تجدید اسلام کی جس قدر تحریکیں دُنیا میں نمودار ہوتی ہیں ان سب کی جڑ بنیاد وہابیت ہوتی ہے اور میں نے جب ان یورپین لوگوں کی کتابوں کے ترجمے پڑھے اور دلائل اور وجوہات

اور قرآن پر غور کیا۔ تو مجھ کو بھی یورپین مورخوں کے اس دعوے میں صداقت نظر آئی"، صـ۳ (رسالہ نادان وہابی)۔

ناظرین! ان اسلامی اور غیر اسلامی پانچ شہادتوں سے جو امر ثابت ہوتا ہے، وہ آپ پر مخفی نہیں، ہماری خیال میں ان شہادتوں کی بنا پر وہابی کہہ سکتے ہیں، ؎

لے اُڑی طرز فغان بلبل نالاں ہم سے!
گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہم سے!

ان شہادات کے بعد شیخ محمد عبدالوہاب نجدی اور تحریک وہابیت کے متعلق فیصلہ ناظرین کی رائے پر ہم چھوڑتے ہیں۔

آج اختلاف کا سبب

چند روز کا ذکر ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں (سابق شریف) حسین اور اُس کے بیٹوں کی حکومت تھی جس سے نہ صرف حجاز اور عرب ہی نالاں تھے بلکہ دنیائے اسلام ساری اُن سے بیزار تھی، مذہبی حیثیت سے قطع نظر، انتظامی اور عدلی حیثیت سے بھی سب روتے تھے، آخر اسلامی دُنیا کی آہ و بکا کام آئی اور مالک الملک نے نجدیوں کو حرم شریف کی جاروب کشی سپرد کی۔ یہ نجدی کون ہیں؟ اُسی شیخ محمد عبدالوہاب کے اتباع، چنانچہ قادیاں کا اخبار الفضل باوجود مخالف ہونیکے ایک نظم میں یوں اعتراف کرتا ہے: ؎

بدعتوں کا زور تھا مکہ میں آخر نجد سے
یادگارِ دودۂ عبدالوہاب آہی گیا۔

۲۵ اگست ۲۵ء

اِس نجدی گروہ نے داخل مکہ ہوتے ہی جو کام سب سے پہلے کیا وہ قبروں پر سے قبے (گنبد) اتارنا تھا، جس جس مشہور قبر پر کوئی قبہ بنا تھا اُس کو خلافِ سُنّت ہونے کی وجہ سے انہوں نے گرا کر محض قبر کو چھوڑ دیا اور جو مصنوعی مزارات بنے تھے اُن کو بھی بے نام ونشان کر دیا، بس یہ ہے بنائے اختلاف، اس سے ہندوستانی مسلمانوں کے ایک طبقے میں ایک ہیجان پیدا ہوا۔ ادھر اُدھر اخباروں اشتہاروں اور رسالوں میں مضامین تردیدی تائیدی نکلنے شروع ہوئے۔

یہ اختلاف اپنی حد سے بڑھ کر مخالفت اور شقاق تک بلکہ معادات (عداوت) تک پہونچ گیا۔
جس پر مسلمانوں کے حال پر رونا آتا ہے اور بے ساختہ بر منہ سے نکلتا ہے ؎

فَلْیَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِیًا[1]

نتیجہ یہ ہوا مخالفانِ نجد یہ نے خدا جانے کس حوصلے سے جلسوں میں ایسی تجویز بھی پاس کی جو بحیثیت مسلمان ہونے کے ان کو زیبا نہ تھی، مثلاً انگریزی حکومت سے درخواست کی گئی کہ مداخلت کر کے نجدیوں کو مکہ معظمہ سے نکال دے جس پر یہ شعر بالکل چسپاں ہوتا ہے ؎

ہم نہ پہونچیں اپنے مطلب کو نہ پہونچیں پر خدا
یہ نہ شنوائے کہ مطلب غیر کا پورا ہوا

اس لئے جس طرح ہم نے شیخ محمد نجدی کی شخصیت کے متعلق شہادات معتبرہ کے بعد فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑا ہے، اسی طرح مسئلہ ہدم قبجات کی بابت بھی شہادات شرعیہ سامنے رکھ کر فیصلہ ناظرین با تمکین کے سپرد کرینگے

قبروں پر قبوں کے متعلق فیصلہ کن صورت

علماء حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق ایک مسلمہ اصول ہے کہ مسئلہ وہی صحیح ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہو۔ دلیل اس کی معلوم نہو تو بھی واجب العمل ہے، دلیل معلوم ہو تو نورٌ علیٰ نور۔ اصول فقہ کی مستند اور مسلم کتاب توضیح میں حنفی مقلد کا طریق استدلال یوں لکھا ہے۔

اَمَّا الْمُقَلِّدُ فَالدَّلِيْلُ عِنْدَهٗ قَوْلُ الْمُجْتَهِدِ فَالْمُقَلِّدُ يَقُوْلُ هٰذَا الْحُكْمُ ثَابِتٌ عِنْدِیْ لِاَنَّهٗ اَدّٰی اِلَيْهِ رَأْیُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ۔ وَكُلُّ مَا اَدّٰی اِلَيْهِ رَأْیُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ فَهُوَ وَاقِعٌ عِنْدِیْ (توضیح مطبوعہ ہند صہ۱۲ مطبوعہ مصر صہ۲۱)

یعنی حنفی مقلد کی طرز استدلال یوں ہے کہ وہ کہے کہ فلاں مسئلہ میرے نزدیک اس لئے صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے، جو امام نے فرمایا بس وہی میرے نزدیک

---

[1] جو شخص رونا چاہئے وہ اسلام پر روئے!

صحیح ہے،،

اِس اصول کو سامنے رکھ کر برادران حنفیہ امام اعظم ابو حنیفہ کا فتوی اس بارے میں سنیں، صاحب ردّ المختار لکھتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ یُکْرَہُ اَنْ یُبْنٰی عَلَیْہِ (ای القبر) بِنَاءٌ مِنْ بَیْتٍ اَوْ قُبَّۃٍ اَوْ نَحْوِ ذٰلِکَ لِمَا رَوٰی جَابِرٌ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ تَجْصِیْصِ الْقُبُوْرِ وَاَنْ یُکْتَبَ عَلَیْھَا وَاَنْ یُبْنٰی عَلَیْہِ۔ مسلم (شامی مطبوعہ مصر جلد اول ص۶۲۷ باب صلوٰۃ الجنائز)۔

یعنی امام ابو حنیفہ مکروہ جانتے تھے، قبر پر کسی قسم کا مکان یا قبہ بنانا۔ کیونکہ جابر رض نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے قبروں کو چونہ سے پختہ بنانے اور اُن پر کچھ لکھنے اور عمارت بنانے سے۔

اسی روائیت کی بنا پر امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

رَاَیْتُ الْاَئِمَّۃَ بِمَکَّۃَ یَاْمُرُوْنَ بِھَدْمِ مَا یُبْنٰی (نووی شرح مسلم جلد اول ص۳۱۲)

یعنی امام شافعی کہتے ہیں میں نے مکہ شریف میں دیکھا ہے کہ قبروں پر جو کچھ بنایا جاتا تھا ائمہ یعنی حکام اُس کے گرانیکا حکم دیتے تھے،

حدیث میں جو لفظ آیا ہے جو قبر بلند ہو اُسے گرادو یہ اس فعل کی تائید کرتا ہے مقلدین خصوصاً حنفیہ کرام میں امام ابو حنیفہ کے قول کی تردید کی نہ شکث ہے نہ اُس کی تائید کی حاجت، کیونکہ وہ اُن کے نزدیک ایک حجت شرعیہ ہے جس سے انحراف کرنے اور تردید کرنے والوں کے حق میں ایک شعر پڑھا جاتا ہے، جو عموماً پختہ مقلدین، غیر مقلدین کو سنا کر پڑھا کرتے ہیں آج ہم ان کو سناتے ہیں وہ یہ ہے ؎

فَلَعْنَۃُ رَبِّنَا اَعْدَادَ رَمْلٍ
عَلٰی مَنْ رَدَّ قَوْلَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ

یعنی جو امام ابو حنیفہ کا قول رد کرے اُس پر ریگ کے ذروں جتنی لعنتیں ہوں۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک حنفی مقلد قبوں کے مسئلے میں امام اعظم کا فتوےٰ ہوتے ہوئے

کسی ایسے عہدے کی طرف تاکے یا انتظار کرے مثل مشہور ہے ؎

اَلصَّبَاحُ یُغْنِیْ عَنِ الْمِصْبَاحِ

صبح کی روشنی میں چراغ کا کیا کام

حنفی اصول کے مطابق تو یہی خیال ہو سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے فتوائے کا کوئی حنفی رد نہیں کرسکتا۔ لیکن امرتسر میں حنفی عالم ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا، اس عالم نے ایک رسالہ شائع کیا ہے جس کا نام "انا الذی الریف الملز" اس میں سوال وجواب کی صورت میں مضمون لکھا ہے جن میں سے ایک سوال مع جواب درج ذیل ہے،

سوال:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ قبر پر چونہ نہ لگایا جائے، اور مٹی سے لیپائی بھی نہ کی جائے، اور اس پر کوئی بنیاد بھی کھڑی نہ کی جائے،

اس سوال کا جواب فاضل مصنف نے جو دیا ہے، وہ قابل توجہ اہل انصاف ہے فرماتے ہیں

جواب۔ آپ (امام صاحب) کا یہ کہنا بالکل احادیث کے مطابق ہے اور اصلی حکم یہی ہے، اور آپ چونکہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے اس لئے آپ کی روایات اصلی احکام پر مشتمل ہیں، کہ جن کو اسلام میں عزیمت کہتے ہیں، مگر دوسری قسم کے مسائل بھی ہیں کہ جن میں ضرورت زمانہ اور تبدیل حالات کے مدنظر رکھ کر حکم دیا جاتا ہے اس قسم کے احکام رخصت کہلاتے ہیں، دیکھئے وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے اور عزیمت، موزہ پہننا اور اسپر وضو میں بجائے مسح کرنا رخصت ہے، مسلم کو غیر مسلم سلطنت کے ماتحت رہنا رخصت ہے اور وہاں سے ہجرت کرنا عزیمت ہے امامت یا تعلیم دینیات کی ملازمت پر تنخواہ حاصل کرنا۔ رخصت ہے اور بغیر تنخواہ یہ کام کرنا عزیمت ہے، غرضکہ قبر کو بالکل سادگی میں رکھنا عزیمت ہے اور اس پر گنبد وغیرہ بنانا رخصت ہے خود ابوحنیفہ کا مقبرہ بغداد میں موجود ہے، اور دوسری صدی ہجری میں آپ کے مقبرہ پر گنبد بنوایا گیا، اس وقت آپ کے سینکڑوں شاگرد موجود تھے، کسی نے آواز نہیں اٹھائی کہ آپ اس کو ناجائز کہتے تھے، کیوں بنایا جاتا ہے اصل بات یہ تھی کہ آپ کی قبر پر لوگ کثرت سے زیارت کے لئے حاضر ہوتے تھے اس لئے

لوگوں کے آرام کے لئے اور قبر کی حفاظت کے لئے یہ سب کچھ سلف صالحین کے فتوے کے مطابق روا رکھا گیا تھا" (ازالۃ الریب والمین ص۳۷-۳۸)

جواب الجواب قابل مصنف نے اس جواب میں ایک اصولی مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے جو علم اصول میں مذکور ہے آپ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب سے جو روایت پختہ قبر اور قبے بنانے کے منع کی آئی ہے، وہ بجائے خود صحیح ہے، مگر عزیمت ہے اور قبہ بنانا رخصت ہے،

اس لئے عزیمت اور رخصت کی اصطلاح اور حکم ہم کتب اصول فقہ سے دکھا کر فاضل مصنف کی غلطی پر اطلاع دیتے ہیں۔

علماء اصول نے احکام کی دو قسمیں کی ہیں ایک عزیمت دوسری رخصت عزیمت جس کا دوسرا نام ضروری ہے وہ حکم ہے جس کا سبب موجود ہو اور حکم بحال ہو۔ جیسے اقرار توحید اور ماہ صیام میں روزہ کا رکھنا وغیرہ اس کے خلاف رخصت ہے یعنی وہ حکم جس کا سبب موجود ہو، اور بوجہ کسی عارضے کے وجوب ملتوی ہو۔ جیسے مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر زبان پر جاری کر کے بچ جانا اور سفر میں روزہ نہ رکھنا، ان دونوں قسموں کی بابت علماء اصول کا فیصلہ ہے۔

حُکْمُہٗ اِنَّ الْاَخْذَ بِالْعَزِیْمَۃِ اَوْلٰی

(نور الانوار ص۱۷۱)

یعنی جس جگہ کسی عزیمت کے مقابلہ میں رخصت آئی ہو۔ اُس جگہ بھی عزیمت (جانب وجوب) پر عمل کرنا بہتر ہے۔

یہ تو ہے علماء اصول کا فیصلہ، عزیمت اور رخصت کی بابت جس کا نتیجہ صاف یہ ہے کہ قبہ بنانا اگر رخصت بھی ہو۔ تاہم نہ بنانا بہتر ہے، پھر خفگی کیا!۔

اصل جواب مگر اصل بات یہ ہے کہ جس طرح عزیمت کا ثبوت شرع سے ہوتا ہے رخصت کا ثبوت بھی شرع ہی سے ہے۔ یعنی شریعت ہی بتائے کہ یہ ضروری کام فلاں وقت تمہاری حق میں ملتوی ہے ورنہ اس طرح تو ضروری سے ضروری حکم پر بھی یہ حجت ہو

[1] کون سلف صالحین، صحابہ یا تابعین؟ (   )

سکتی ہے، کہ اس کے لئے رخصت بھی ہے، مثلاً نماز۔ زکوٰۃ وغیرہ افعال ضروریہ کی بابت بھی رخصت کی بیج نکالی جا سکتی ہے، جو الحاد کا دروازہ کھولتی ہے۔

چونکہ رخصت کے مدعی کے ذمہ رخصت کا ثبوت دینا ضروری ہے، مصنف موصوف نے بھی اس فرض کو خود محسوس کیا ہے اس لئے اس فرض سے سبکدوش ہونے کی راہ آپ نے وہ اختیار کی جو حقیقتہً اس فرض کی ادائیگی کی راہ نہیں ہے، کیونکہ آپ کا فرض تھا کہ شرع شریف میں قبر پختہ اور قبہ بنانے کی رخصت دکھاتے، کسی آیت یا حدیث سے نہیں تو امام ابوحنیفہ کے قول ہی سے دکھلاتے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا ہاں جو دکھایا وہ ناظرین نے دیکھا کہ خود امام ابوحنیفہ کا مقبرہ جو بنا ہے تو ثابت ہوا کہ اس کی رخصت ہے، انہی معنے ہیں کسی مشہور ریاضی دان کا قول کہ

چاول سفید ہیں۔ لہٰذا زمین گول ہے۔

اے جناب کیا امام ابوحنیفہ سے سالہا سال بعد کا فعل ادلہ شرعیہ میں کوئی دلیل ہے، یہ کہنا کہ امام صاحب کے شاگرد موجود تھے، اُنہوں نے منع نہیں کیا، خود ثبوت طلب ہے بتایا جائے کہ کون کون شاگرد تھا، اور اُس نے خوشی سے خاموشی کی۔

ایک سوال ایسے رخصتی اصحاب سے ہم ایک سوال کرتے ہیں، کیا آپ لوگ جو مقلد ہیں آپ صرف امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں یا اس تقلید میں کسی اور کی بھی شرکت ہے، حالانکہ مقلد کا یہ اصول ہے ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

ناظرین اہل بدعت سری مصنف کا جواب تو آپ لوگوں نے سن لیا۔ اب سنئے علماء عدول اور مقبول حنفیہ کرام کیا فرماتے ہیں۔

فتاوی علماء حنفیہ کرام بابت حرمت قبجات

سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب مرحوم گنگوھی سے سوال ہوا جو مع جواب درج ذیل ہے:۔

منقول از فتاوائے رشیدیہ جلد اوّل صفحہ نمبر ۹۴

معہ

تصدیق علمائے دیوبند، سہارنپور - میرٹھ، دہلی وغیرہ

سوال: قبور کا پختہ بنانا اور ان پر عمارات و قبہ و روشنی و فرش و فروش وغیرہ جو کچھ کر لوگ کرتے ہیں قابل بیان نہیں، حالانکہ امور مذکورہ کے منع شدید میں احادیث صحیحہ وارد ہیں، اور فاعلین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی لعنت فرمائی ہے مگر پھر لوگ تکذیب احادیث کر کے اپنے فعل کی حجت پر قبور انبیاء علیہم السلام بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اولیاء کرام صحابہ و ائمہ مجتہدین کو پیش کرتے ہیں اور متبع احادیث و سنت کو منکر انبیاء و اولیاء کہتے ہیں۔ اور درپے ایذارسانی ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حرمین اور عرب میں جاکر خلاف شرع ان کو نہیں کہتے یا قرآن و حدیث وہاں پر نہیں ہے لہذا عرض ہے کہ عرب و حرمین میں اگر علماء امور مذکورہ کا منع ہونا بیان نہ کریں تو بیرکیا حجت کا جواز ہو سکتا ہے،

جواب: ہر گاہ کہ احادیث میں ممانعت ان امور کی وارد ہیں، پھر کسی کے فعل سے وہ جائز نہیں ہو سکتے، اور اعتبار قرآن و حدیث و قول مجتہدین کا ہے، نہ افعال خلاف شرع کا، اگر عرب میں اور حرمین میں امور غیر مشروعہ خلاف کتاب و سنت رائج ہو گئے، تو جواز ان کا نہیں ہو سکتا اور جو وہاں ان بدعات کو کوئی منع نہ کر سکے تو یہ حجت جواز کی نہیں ہو سکتی اس پر سکوت کی کوئی وجہ نہیں کتاب و سنت سے رد کرنا چاہئے فقط بندہ رشید احمد گنگوھی۔

تصدیق بر فتوی ہذا از علماء دیوبند اور سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم

الجواب صحیح عزیز الرحمن مفتی دار العلوم دیوبند۔

عتیق الرحمن عثمانی معین الافتاء بدار العلوم دیوبند۔ سراج احمد مدرس دار العلوم دیوبند۔ مسعود احمد دار العلوم دیوبند اعزاز علی مدرس دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور عنایت الٰہی مہتمم مدرسہ مظاہر علوم۔ الجواب صحیح خلیل احمد (مدرس اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) الجواب صحیح منہار احمد عفا عنہ گنگوھی مدرسہ مظاہر علوم الجواب صحیح بندہ عبد الرحمن غفرلہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم

الجواب صحیح منظور احمد عفا عنہ۔

تصدیق علماء حنفیہ شہر میرٹھ

الجواب صواب وضدہ خطاء۔ کفایت اللہ گنگوہی غفرلہ مدرسہ اسلامیہ عرب میرٹھ۔ الجواب صحیح وخلافہ غلط فاحش لا یصغیٰ الیہ لانہ خلاف کتاب اللہ وسنت رسولہ وانکار ذا بجاشا نعا للکثرۃ الجہل ابونصر حبیب اللہ مدرس مدرسہ دار العلوم جامع مسجد شہر میرٹھ، حشمت علی عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم جامع مسجد شہر میرٹھ ہٰذا ہو الحق والحق احق ان یتبع محمد مبارک حسین مدرس اوّل مدرسہ دار العلوم شہر میرٹھ جامع مسجد الجواب صحیح السید احمد عفا عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم جامع مسجد میرٹھ، اظہر الدین مدرس دار العلوم میرٹھ جامع مسجد۔

از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

تصحیح مسئلہ ہٰذا عَنْ جَابِرٍ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهِ. عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ يُكْرَهُ اَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ بِنَاءٌ مِّنْ بَيْتٍ اَوْ قُبَّةٍ اَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ لِمَا رُوِيَ جَابِرٌ۔ ان روایاتِ حدیثیہ وفقہیہ اور خود صاحب مذہب سے اس بنار کی کراہت ومخالفت ثابت ہوتے ہے، محمد اشرف علی تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (از فتاویٰ امدادیہ جلد دوم ص ۱۵۶)

(حافظ) عبد الرحمٰن مدرس اعلیٰ مدرسہ عربیہ امروہہ۔

علماء حنفیہ دہلی کی تصدیق قبریں پختہ بنانا اور قبروں پر قبے بنانا وغیرہ سب منکرات شرعیہ میں داخل ہیں۔ محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، وحید حیدر حسین ایضاً۔ ابو عامر عبد الحکیم صدیقی دہلی دفتر جمعیۃ العلماء، نور الحسن عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی، صحیح الجواب محمد اسحٰق عفے عنہ ولائیت احمد عفے عنہ مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی۔

(ماخوذ از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲ ستمبر ۲۵ء ص ۶)

مختصر بات یہ ہے کہ قبروں کا پختہ بنانا اور اُن پر قبے تعمیر کرنا خلاف قرآن، حدیث اور خلاف مذہب حنفی اور مخالف فتوائے علماء کرام ہے اور بظاہر ہے کہ جو کام ناجائز ہے، اُسکا جاری رکھنا بھی ناجائز ہے، جیسے نماز بے وضو پڑھنا،

ناجائز ہے اُسی طرح شروع کر کے اُسے جاری رکھنا بھی ناجائز ہے۔

نتیجہ صاف ہے کہ قبروں پر قبے اگر بنائے گئے ہیں تو با اختیار شخص اُنکو گرا دے تو حرج نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں ہے،

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ۔

یعنی جو کوئی ناجائز کام دیکھے، اگر اُس کو اختیار اور طاقت ہے، تو اُسے ہاتھ سے بدلے (یہ درجہ ذی اختیار اشخاص کا ہے جن کے ایسا کرنے پر فتنہ فساد نہ ہو) اور اگر ہاتھ کی طاقت نہیں تو زبان سے منع کر کے روکے (یہ درجہ عالم علماء و واعظین کا ہے) اور اگر کسی کے جبر و ظلم کے دباؤ میں زبان سے بھی نہیں روک سکتا تو دل ہی دل میں اس کو برا جانے (یہ سب سے آخری درجہ ہے) اِس کے بعد ایمان کی حیثیت سے کوئی درجہ نہیں۔

افواج نجدیہ نے جو مکہ معظمہ میں قبروں اور مزارات پر سے قبے گرائے تو اسی حدیث کے ماتحت گرائے ہوں گے، جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا لْجَزَاءِ

اُن کو کہا گیا کہ تمہارے ایسا کرنے پر ہندوستانی مسلمان خفا ہوں گے تو اُنہوں نے کہا ہمیں اس کام میں خدا کی رضا منظور ہے سچ ہے ؎

ہو گا کیا دشمن اگر سارا جہاں ہو جائے گا
جب کہ وہ با مہر ہم پر مہرباں ہو جائے گا

نجد کے لئے دُعا نہ کرنا

آج کل اِس بات کا بہت چرچہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نجد کے لئے دعا نہ فرمائی تھی، اِس سے ثابت ہوا کہ نجد کا ملک اور نجدی بہت خراب ہیں، بعض احباب کی رائے ہے کہ اِس رسالہ میں اس حدیث کی تشریح بھی کر دی جائے۔
اخبار اہلحدیث میں اس سوال کے جواب میں کئی دفعہ مضمون نکلے ہیں سب سے آخری مضمون مولانا محمد شرف الدین صاحب معلم حدیث دہلی کا ہے ہمارے خیال میں

وہی کافی ہے، لہذا اسی کو نقل کر دینے پر کفایت کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے۔

آج کل ہندوستان میں عموماً سلطان عبد العزیز ابن سعود خلد اللہ ملکہ کا چرچا ہے، باخبر اہل اسلام تو ان سے بہت خوش ہیں، اور جو حاجی اس سال آئے ہیں وہ بھی ان کی اتباع سنت کے باعث ان کے بہت مداح ہیں، مگر محبان قبجات بہت نالاں ہیں کہ قبے توڑ دیئے طرح طرح کے الزام ان پر لگائے جا رہے ہیں کہ الامان الامان، بعض لوگ ایک حدیث سے لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں، بادہو کر کہہ رہے ہیں کہ یہ لوگ نجدی ہیں، اور حدیث میں آیا ہے، کہ نجد میں شیطانی گروہ ہوگا لہذا یہ وہی لوگ ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ مطبع ہاشمی قدیم صفحہ ۱۰۵۱ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفِتْنَةُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پاس کھڑے ہو کر مشرق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ فتنہ یہیں سے ظاہر ہوگا جہاں سے شیطانی گروہ ظاہر ہوگا۔

یہ بھی دوسری حدیث میں اسی باب میں ہے کہ آپ نے شام اور یمن کے لئے برکت کی دعا فرمائی تو لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے نجد کے لئے بھی دعا فرمائیے۔ آپ نے پھر شام اور یمن کے لئے برکت کی دعا کی تو لوگوں نے پھر وہی عرض کی کہ ہمارے نجد کے لئے بھی دعا کیجئے، تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ وہاں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے اور قرن الشیطان یعنی شیطانی گروہ ظاہر ہوگا،

سو اس کا مطلب بالکل صاف ہے، کہ آپ نے مدینہ منورہ میں منبر کے پاس مشرق کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ فتنہ وہاں سے ظاہر ہوگا۔ اور مدینہ والوں کا نجد مشرق بادیہ عراق ہے، اور نجد بلند زمین کو کہتے ہیں اور ان فتنوں سے مراد واقعہ جمل اور صفین اور ظہور خوارج ہے جو نجد عراق اور اس کے اطراف میں ہوا اور ایسے ہی خروج دجال اور یاجوج ماجوج بھی وہیں سے ہوگا، یہ مطلب مولانا احمد علی صاحب مرحوم حنفی سہارنپوری نے حاشیہ صحیح بخاری کے صفحہ ۱۰۵۱ جلد ۲ پر لکھا ہے، اور ایسے ہی فتح الباری و دیگر شروح وغیرہ میں ہے نیز صحیح مسلم جلد دوم صفحہ

؎ حاشیہ صحیح بخاری کی عبارت مع ترجمہ یہ ہے۔

وَالنَّجْدُ هُوَ مَا ارْتَفَعَ مِنَ الْأَرْضِ وَالْغَوْرُ	نجد اونچی زمین کو اور غور لپست زمین کو کہتے
١١ نْخَفَضَ مِنْهَا وَمَنْ كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ الطَّيِّبَةِ	ہیں جو مدینہ طیبہ میں رہتا ہو اس کا نجد

۴۳۹ میں ہے کہ سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اے عراق والو! تم چھوٹے چھوٹے گناہوں سے کیسے سوال کرتے ہو۔ اور بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہو، پھر اپنے باپ عبد اللہ بن عمر رض سے مذکورہ بالا حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا فتنہ اور شیطانی گروہ وہاں ظاہر ہوگا اور تم ایک دوسرے کی گردنیں مارتے ہو۔

اب تو واضح ہو گیا کہ جس نجد کو آپ نے کہا کہ وہاں شیطانی گروہ ہوگا، وہاں فتنے ہوں گے، وہ نجد عراق ہے اور بس۔

نیز کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۶ میں مذکورہ بالا حدیث یوں وارد ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینے کے صاع اور مد کے بارے میں برکت کی دعا کی اور پھر شام اور یمن کے لئے دعا برکت کی تو ایک شخص نے عرض کیا، حضور ہمارے عراق کے لئے بھی دعا فرمائیے، تو آپ نے فرمایا کہ وہاں تو شیطانی گروہ اور فتنوں کا ظہور ہوگا، اور ظلم مشرق میں ہے۔

صلے اللہ علی ساکنہا وسلم کان نجدًا بادیۃ العراق ونواحیہا وھی مشرق أھلہا ولعل المراد من الزلازل الاضطرابات التی بین الناس من البلایا لیناسب الفتن مع احتمال إرادۃ حقیقتہا قیل إن أھل المشرق کانوا حینئذٍ أھل کفر فأخبر أن الفتنۃ تکون من ناحیتہم کما ان وقعۃ الجمل وصفین وظھور الخوارج فی أرض نجد العراق وما والاھا کانت من المشرق وکذلک یکون خروج الدجال ویأجوج ومأجوج منہا رباب قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم الفتنۃ من قبل المشرق۔ حاشیہ جلد ۲ ص ۱۰۵۱ م

عراق کا علاقہ ہے اور وہ علاقہ ساکنان مدینہ کا مشرق ہے اور زلزلوں سے مراد شاید پریشانیاں اور مصیبتیں ہیں جو وہاں لوگوں پر آئیں اصلی زلزلے بھی مراد ہو سکتے ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس زمانہ میں اہل مشرق کافر تھے تو آنحضرت نے خبر دی کہ فتنہ اُن کی طرف سے ہوگا، جیسا کہ جنگ جمل اور جنگ صفین اور خارجیوں کا ظہور ارض نجد اور عراق اور اُسکے ارد گرد ہوا، یہ اطراف مدینہ سے مشرق میں ہیں اسی طرح دجال یاجوج ماجوج اسی نجد عراق سے نکلینگے،
(مؤلف)

لہ جس علاقہ میں بغداد ہے۔

اور مسند ابن عساکر کی حدیث میں یوں وارد ہے کہ کسی نے عرض کیا، کہ عراق میں ہمارا غلہ اور حاجت ہے اس کے لئے بھی دعا فرمائیے آپ نے سکوت کر کے فرمایا کہ وہاں تو شیطانی گروہ اور زلزلے اور فتنے ہونگے۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۶۳)

نیز حضرت عمرؓ نے عراق جانیکا قصد فرمایا تو کعب احبار نے کہا آپ وہاں مت جائیے اس میں تو نو حصے شر ہے (مصنف ابن ابی شیبہ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۶۴)

نیز ابن عساکر کی حدیث میں یوں وارد ہے کہ حضرت عمر کے عراق کے سفر کے قصد پر کعب احبار نے کہا، اے امیر المومنین! اللہ آپکو عراق سے محفوظ رکھے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا اس میں کیا خرابی ہے، کعب نے کہا اس میں نو حصے شر ہے اور کل سخت عیب اس میں ہیں اور نافرمان جن اور ہاروت اور ماروت اور شیطان نے وہاں انڈے بچے دے رکھے ہیں، انتہی (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۴۵)

بس اب تو مطلع بالکل صاف ہو گیا، کہ جائے فتن اور گروہ شیاطین نجد عراق ہے۔
اَللہ اعلم وعلمہ اتم۔

حیاتِ ثنائی

حضرت مولنا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے مجدد الدین محمد بین الاقوامی عالم گذرے ہیں۔ بریلوی مکتب فکر کے قاعد مولنا احمد رضا خاں لاہور شاہی مسجد میں تشریف لائے تو مولنا ثناء اللہ امرتسری بھی انکی ملاقات کیلئے لاہور تشریف لائے تو دوران گفتگو مولنا احمد رضا خاں نے فرمایا کہ مولنا آپ صرف جماعت اہلحدیث ہی کے قاعد نہیں ہیں بلکہ آپ تو عام مسلمانوں کے بین الاقوامی قاعد ہیں نور اللہ مرقدہ (سعیدی)

استفتاء

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حرف "ض" ضاد کا صحیح مخرج اور صفات ذاتیہ کیا ہیں، اگر حرف ضاد کو اپنے صحیح مخرج سے صفات ذاتیہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کی آواز سننے میں حرف ظاء کی آواز کے ساتھ مشابہ ہو گی یا حرف دال کی آواز کے ساتھ مشابہ ہو گی؟

ہمارے یہاں کے علمائے کرام اس مسئلہ میں دو فریق ہیں، ایک فریق مشابہ بصوت ظاء پڑھتے ہیں اور دوسرا فریق مشابہ بصوت دال پڑھتے پس ان دونوں فریق میں سے کن کا تلفظ صحیح اور حق ہے اور حضرات ائمہ قراۃ وائمہ فقہ و محدثین و مفسرین کے قول و تعامل اس مسئلہ میں کیا ہے نیز علمائے مکہ و مدینہ سے واقع ہوئے! بَيِّنُوا بِالدَّلَائِلِ تُوجَرُوا بِالْأَجْرِ الْجَزِيلِ۔

المستفتین

محمد عبد الغنی عفی عنہ — محمد قطب الدین غفر لہ — محمد عبد الرؤف غفر لہ

محمد عبد الخالق — محمد ایوب علی غفر لہ — محمد عبد الغفور غفر لہ

محمد عبد الغفار غفر لہ — محمد سکندر علی — محمد ظہیر علی

محمد عبد النور — محمد الطاف الرحمٰن

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ائمہ قراء کا مسلک: النشر فی القراءات العشر۔ الرعایۃ۔ جہد المقل جو کہ اس

فن قراءات کی نہایت ادنیٰ درجہ کی کتب ہیں ان سب نے متفقہ طور پر ہی "ض"، کو ظا کے مشابہ لکھا ہے جبکہ دال یا کسی اور حرف سے مشابہت بھی غلط ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چونکہ صحابہ میں کثرت خالص عرب کی تھی اسلئے وہ حرف ضاد کو پوری طرح ادا کرنے میں ماہر تھے بعد کے اوقات میں جوں جوں... اختلاط عجم بڑھتا چلا گیا توں توں عربی کا تلفظ اعتدال سے خراب ہوتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں مصری قراء کا تلفظ قابل اعتبار اور اطمینان نہیں ہے سوائے چند کے چونکہ اب عرب کے علاقوں میں عجمی لوگ ہی تدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے ہیں اس لئے وہاں کے غیر محقق مگر معروف قراء کا تلفظ قابل اعتماد نہیں۔

البتہ محققین قراء مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ کے فتاویٰ جولائی واگست کی اشاعتوں میں چھپ گئے ہیں زیر عنوان "علم تجوید وقراءات" جولائی کی اشاعت صفحہ ۲۳ سے مسئلہ ضاد کی بحث ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ فقط والسلام

اَلْعَبْدُ الذَّلِيْل رَاجِيْ عَفْوِ رَبِّ الْقَادِر عَبْدُ الرَّشِيْد عُبَيْدُ الرَّحْمٰن فَارُوْقِيْ
كَانَ اللّٰهُ لَهٗ خَادِمُ الْقُرْاٰن وَالتَّجْوِيْد۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

حرف "ض"، کے متعلق کہ اُسے "د"، کی طرح ظاہر کیا جائے یا "ظ"، کی طرح، اس کے متعلق جمعیت اہلحدیث کراچی کے مدرسہ "دار الحدیث رحمانیہ" کے استاذ قاری عبد الرشید عبید الرحمٰن صاحب فاروقی نے اوپر کافی واضح جواب لکھ دیا ہے، اس کے علاوہ اس کی مدلل تفصیل جمعیت اہل حدیث کے رسالہ "الارشاد جدید" جولائی ۱۹۶۲ء میں دیکھیں، علاوہ ازیں دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا اسحٰق نبٹیھوی نے اسی حرف "ض"، کو ظاہر کرنے کے متعلق ایک کتاب "الاقتصاد فی الضاد" میں بہت وضاحت سے لکھا ہے کہ اگر "ض"، کو اصلی مخرج اور آواز سے کوئی نہ نکال سکتا ہو تو "ظ"، کے مشابہ آواز میں نکالے "د"، کے مشابہ نکالنا غلط ہے، اسی طرح اسی کتاب میں شاہ رفیع الدین صاحب مرحوم کا فیصلہ بھی نقل کیا وہ بھی "ظ"، کے مشابہ آواز کہتے ہیں مثلاً وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ، ان

آیات میں ناضرہ اور ناظرہ کی آواز ایک جیسی "ظ" ہو تو کوئی حرج نہیں، قاری صاحب نے بھی اپنے جواب میں کئی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، اتنی کافی تفصیل کے بعد انصاف پسند شخص جھگڑا یا، اختلاف نہیں کرے گا بلکہ خاموشی یا اپنی اصلاح کرے گا، نیز اسی حرف کی دو آواز کیوں؟ مخرج وآواز ایک ہی ہوتی ہے عام گفتگو میں وضو۔ رمضان کا مہینہ بولتے وقت "ظ" کے مشابہ آواز ہوتی ہے جب شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ الخ آیت پڑھی جائے تو "د" کے مشابہ آواز، یہ فرق کیوں، کو دلیل چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب عبدالوکیل خطیب کراچی

الارشاد جدید کراچی ۱۲/۲۱ ش ۲۲ وعدد ۲۲

مطبوعہ فتاویٰ علماء حدیث کی فہرست

۱ کتاب الطہارت

۲ کتاب الصلوٰۃ

۳ کتاب الصلوٰۃ

۴ کتاب الصلوٰۃ

۵ کتاب الجنائز

۶ کتاب الصیام

۷ کتاب الزکوٰۃ

۸ کتاب الحج

۹ کتاب الایمان

۱۰ کتاب الایمان

۱۱ کتاب الاعتصام بالسنۃ واجتناب عن البدعۃ

۱۲ کتاب العلم

۱۳ کتاب الضحیۃ والعقیقۃ

علم تجوید و قراءت

طریقہ ادائیگیٔ حرکات

حرکات جمع ہے حرکت کی۔ عربی زبان میں زبر زیر پیش تین ہی حرکات ہیں وہ بھی صرف معروف طریقہ پر حالانکہ فارسی اور اسی قبیل کی دوسری زبانوں میں تین حرکات مذکورہ سے زائد حرکات مجہولہ بھی ہوتی ہیں مگر عربی میں خاص معروف ہی حرکت ہوتی ہے، تو پاکستان میں بہت سے حضرات جو قرآن کریم کی تعلیم میں مشغول ہیں چاہئے وہ مفسر ہوں یا مترجم علاوہ قراء کرام کے سب ہی تقریباً حرکات کو مجہول ہی پڑھتے ہیں چونکہ متحدہ ہندوستان میں پہلے فارسی دانوں اور ترکوں کی پٹھانوں کی حکومت رہی اور بعد میں ایک عرصہ سے لشکری زبان یعنی اردو کا رواج عام ہوگیا جو کہ مختلف زبانوں کا مجموعہ تھی اس طرح ہندوستان متحدہ میں عربی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اور بعض ممالک عجم (جہاں اب عربی بولی جاتی ہے اور عرب کہلاتے ہیں) وہاں بھی عجم کے اختلاط کی وجہ سے حرکات کی ادائیگی میں مجہولیت پائی جاتی ہے اور اس طرح سے یہ مجہول ادائیگی کا طریقہ عام ہوکر نہ صرف عوام میں بلکہ خواص اور اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگوں میں بھی پھیل گیا اور وہ غلطی اب جزو لاینفک ہوکر معروف ادائیگی کو بھی غلط سمجھا جانے لگا، اور یہ غلطی جو دراصل صحیح طریقہ ادائیگی تھا، مفقود ہوتا چلا گیا اور ہوتا چلا جا رہا ہے خصوصاً ان علاقوں میں جہاں علم کی قلت اور فقدان ہے، وہاں تو نہ صرف ان حرکات ہی کو بلکہ "ی و" ساکن کو بھی بہت ہی عجیب طرح سے ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان مدارس عربیہ میں یہ غلطی بہت پائی جاتی ہے جہاں اکثر کتب صرف نحو منطق فلسفہ وغیرہ فارسی زبان میں پڑھائی جاتی ہے۔

حرکت زبر زیر پیش جنہیں عربی میں بالترتیب فتح یا نصب، جر یا کسرہ، ضمہ یا رفع کہا جاتا ہے، ایک فتح آدھے الف کے برابر اور ایک کسرہ آدھی ی کے برابر اور ایک ضمہ آدھے

واؤ کے برابر ہوتا ہے بالفاظ دیگر دو زبر مساوی ہے ایک "الف" دو زیر مساوی ایک "ی" اور دو پیش مساوی ہے ایک واؤ" کے۔

طریقہ ادا

فتح کو جب کھینچا جائے تو الف بن جائے اسی طرح ضمہ اور کسرہ کھینچا جائے تو واؤ اور ی بن جائے، یعنی فتحہ کی ادائیگی میں انفتاح فم اور آواز میں بھی انفتاح رہے کسرہ ساتھ انخفاض فم اور صوت میں بھی اسی طرح ضمہ کے ساتھ انضمام فم اور صوت لازمی ہے، الف کی ادائیگی میں آواز میں ذرا بھی انضمام یا انخفاض ہو جائے تو اس فتحہ میں کسرہ یا ضمہ کی مشابہت پائی جاوے گی، جیسا کہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بعض حضرات الف کو جب حرف مرقق کے ساتھ آ جائے تو اس کی ترقیق میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ وہ الف مشابہ امالہ صغریٰ کے ہو جاتا ہے اور اس طرح امالہ صغریٰ اختلاس وغیرہ اور الف مرقق کا فرق مشکل ہو جاتا ہے الف کی ترقیق میں انفتاح فم اور صوت ہو تو الف بالکل ٹھیک اور صحیح طریقہ پر ادا ہو جائیگا اسی طرح الف مفخم کی ادائیگی میں ان حروف مفخمہ کو اور الف کو اتنا موٹا کیا جاتا ہے کہ جس سے حرف کی ادائیگی میں واؤ کی بو آجاتی ہے اور اکثر تو بچارے ہونٹوں سے کام لیتے ہیں اور پھر صفت استعلاء اور اطباق کا خیال رکھا ہی نہیں جاتا ہے اور ہر حرف مفخم کو یکساں موٹا پڑھتے ہیں ق ا خ غ را وغیرہ کو بھی اتنا ہی پُر کیا جاتا ہے جتنا طا ظا ص ض کو اس طرح حرف میں اپنی مقدار سے بڑھ کر موٹا پا آجاتا ہے جو حرف کی خوبصورتی کو بگاڑ دیتی ہے یعنی الف کی تفخیم میں ان حروف مفخمہ کی صفات کا خیال رکھ کر ادا کیا جائے تو الف پُر اور خوبصورت ادا ہو گا۔

کسرہ کی ادائیگی میں جب مجہول پڑھا جائے تو وہ سرے سے ہی غلط پڑھا گیا، جب صحیح انخفاض نہ ہو معمولی سی الف اور فتحہ کی بو آنی شروع ہو جاتی ہے اسی لئے ی باوجودیکہ مجہورہ ہے مگر پھر بھی اس کی آواز میں ذرا سی پستی ہوتی جب کہ سکون میں ہو۔

ضمہ کی ادائیگی میں ہونٹ کو گول کرنا چاہئے اسی طرح اسے مجہول پڑھنا تو اصل کے خلاف،

ہے اکثر مشاہدے میں آیا کہ بعض واؤ مدہ کی ادائیگی میں ہونٹوں کو بعد میں گول کرتے نہیں، اس طرح درمیان میں عجیب سی آواز داؤ پیدا ہوتی ہے جو صرف سماع پر ہی اور ادا پر موقوف ہے الفاظ میں نقشہ کھینچنا انتہائی مشکل ہے۔

چونکہ یہ تمام علم تجوید سماع اور ادا پر موقوف ہے اسی لیئے اس قسم کی ادائیگی تو استاد مشاق کے پڑھنے اور اس کے بعد سماع پر ہی موقوف ہے، اس لئے اس قسم کی ادائیگیوں کو بغیر کسی مشاق قاری مقری سے سنے سمجھ میں آنا بہت محال ہے۔

حروف مفخم کی تفخیم کے درجات۔

حروف مفخم کی تعداد کل دس ہے جن میں سے سات حروف کی تفخیم تو لازمی ہے اور تین حروف کی تفخیم عارضی ہے، یعنی سات حروف خص ضغط قظ میں مستقل تفخیم ہے جب کہ تین حروف اَلف لَام رَا میں عارضی تفخیم ہے اس طرح تفخیم کی ادائیگی دو طریق پر ہے۔

۱۔ حروف کی ذاتی تفخیم۔

۲۔ حروف کی حرکاتی تفخیم

ذاتی طور پر سب سے زیادہ موٹا لفظ اللہ کا لام پڑھا جائیگا جب کہ لام سے ماقبل حرف مفتوح یا مضموم ہو جیسے عَبۡدُاللہ اور لَعۡنَۃُ اللہ اور اگر مکسور ہو تو باریک پڑھا جائے گا، جیسے بِسۡمِ اللہ۔

لفظ اللہ کے لام کے سوا باقی تمام بروایت حفصؒ میں باریک ہی پڑھے جائیں گے باقی قواعد علم قرارات کے ضمن میں لکھے جائیں گے۔

اس مذکورہ لام کے علاوہ حروف میں سب سے زیادہ طا پُر پڑھی جائے گی اس کے بعد ظا ص ض چونکہ ان مذکورہ چار حروف میں تفخیم کی قوت صفت لازمہ متضادہ کے لحاظ سے زیادہ ہے اسی لئے یہ حروف ذاتی طور پر بقیہ سے زیادہ پڑھے جائیں گے ان چاروں حروف کے بعد سب سے زیادہ تفخیم ق کی ہے اور پھر غین اور خا کی سب سے کم تفخیم ذاتی طور "را" کی ہوگی الف تو جس حرف مفخم کے ساتھ آئے گا اسی طرح موٹا ہوگا۔

اسی طرح حرکات کی وجہ سے حروف مفخم کی تفخیم پانچ درجات پر موقوف ہے جس حرف

کے ساتھ الف ہو وہ سب سے زیادہ موٹا ہوگا جیسے قالوا قال۔ ظالم۔ اَفطَالَ وغیرہ یعنی اعلیٰ درجہ تفخیم اس کے بعد اس حرف کی تفخیم ہوگی جس پر زبر ہو جیسے ظَلَمُوا۔ اِنْطَلِقُوا وغیرہ، اس کے بعد اس حرف کی تفخیم ہوگی جس پر ضمہ ہو قُلُوبُهُم مَرَضٌ وغیرہ ان سے کم موٹا حرف جب پڑھا جائے گا جب کہ حرف کسرہ ہو جیسے مُتَّقِلِين، بِخِبْلُ وغیرہ اور سب سے کم درجہ کی تفخیم جب ہوگی جب کہ یہ حروف ساکن ہوں جیسے اَطْغَيْتُهُ، اُظْلُمُ وغیرہ۔

ان تفخیم درجات کا جب خیال رکھا جاتا ہے تو حروف اتنی مقدار اور درجات سے زائد مفخم ہو کر ماقبل مابعد کو مفخم کر دیتا ہے اور اسی حرف میں تفخیم بڑھ کر وہ واؤ کی آواز دینے لگ جاتا ہے اور خواہ مخواہ ایک حرف کی زیادہ ہو جاتی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے یا پھر اسی طرح اگر ترقیق میں مبالغہ سے کام لیا جائے تب تو حروف ہی بگڑ جاتے ہیں، اور امالے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں وہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

مندرجہ بالا کیفیات کا تعلق محض استاذ فن کے ادا پر موقوف ہے اب صفات عارضہ کا بیان شروع ہوتا ہے، جو کہ صرف امام ابوحفص سلمان بن مغیرۃ الاسدی کی روایت سے متعلق ہیں، یہ صفات صرف آٹھ حروف میں پائی جاتی ہیں جن کا مجموعہ اُوْ يُدِيْلَان ہے ان حروف کی صفت ادا نہ ہو تو صرف کراہت ہوتی ہے مگر بہت سے حضرات آج کل ان صفات میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ جہاں نون کا اخفاء ادا نہ ہوا در یا رے۔ الف کا مدلین فوراً فتویٰ جڑ دیتے ہیں کہ غلط پڑھ رہا ہے اور اگر صفات لازمہ میں کسی صفت کی ادائے گی نہ ہو تو اس کا علم ہی نہیں ہے۔

ہمزہ کا بیان

تمام قرآن مجید میں ہمزہ چار قسم پر ہے۔

۱:۔ ہمزہ محققہ

۲:۔ ہمزہ مسہلہ

۳:۔ ہمزہ مبدلہ ۴:۔ ہمزہ منقولہ۔

۱:۔ ہمزہ محققہ! وہ ہمزہ جو اپنے مخرج سے یعنی (اقصیٰ حلق) مع صفات لازمہ کے ادا کیا اور صفت شدت کا غلبہ رہے اس کو ہمزہ محققہ کہتے ہیں۔

۲:۔ ہمزہ مسہلہ! وہ ہمزہ جو الف اور ہمزہ کے درمیان والی آواز سے پڑھا جائے نہ ہی مکمل ہمزہ ہوا ور نہ مکمل الف ہو۔

۳:۔ ہمزہ مبدلہ! وہ ہمزہ جو بالکل الف سے بدل کر پڑھا جائے۔

۴:۔ ہمزہ منقولہ! وہ ہمزہ جسے نقل کر کے پڑھا جائے۔

تمام قرآن میں جہاں بھی دو متحرک ہمزے قطعی ایک کلمہ میں جمع ہوں اور کوئی سا ہمزہ بھی وصلی نہ ہو اور دونوں ہمزے خوب تحقیق سے پڑھے جاتے ہیں اور دونوں ہمزوں کو اپنے مخرج سے اور صفات کے ساتھ ادا کریں تو یہی ہمزہ محققہ ہوگا جیسے ءَاَنۡتُمۡ اَاِلٰهٌ جہاں دو ہمزے جمع ہوں اور دونوں قطعی ہوں تو تمام قرآن میں ایک جگہ چوبیسویں سپارے میں ایسی ہے کہ اس کلمہ کے دوسرے ہمزہ کو تسہیل سے پڑھتے ہیں ءَاَعۡجَمِیٌّ سورہ حٰم سجدہ رکوع ۵ آیت ۴۴ یعنی پہلے ہمزہ کو خوب تحقیق سے اور دوسرا ہمزہ بین بین پڑھا جائے گا، اس کو مشاق استاد سے خوب سیکھنا چاہیئے، طلبہ کو پڑھتے ہوئے سنا ہے کہ تمام ہمزوں میں اگر تحقیق نہ بھی رہی ہو تو خواہ مخواہ اس دوسرے ہمزہ کو تحقیق سے پڑھ دیتے ہیں اس طرح سے تسہیل تحقیق میں بدل جاتی ہے، اس لئے خوب احتیاط بلا جھجک ادا کرنا چاہیئے، اس کلمہ مندرجہ بالا کے لئے قرآن مجید میں اور چھ جگہ بھی تسہیل ہے، گو ان میں پہلا ہمزہ استفہام کا ہے دوسرا ہمزہ وصلی مفتوح ہے اس لئے وصلی کو حذف کرنے کے لئے قراء نے ان جگہوں پر ابدال کو اولیٰ لکھا ہے آٰلۡـٰٔنَ دو جگہ سورۃ یونس گیارہ سپارہ آیت ۵۱، آیت ۹۱ میں تسہیل ہے اور تمام قرآن میں ایک کلمہ ایسا ہے جہاں مدلازم کلمی مخفف ہے ءَآٰلذَّکَرَیۡنِ دو جگہ سورہ انعام آٹھواں پارہ آیت ۱۴۳۔ ۱۴۴ آٰللّٰهُ بھی دو جگہ ہے ایک سورۃ یونس سپارہ گیارہواں آیت ۵۹ دوسرا نمل سپارہ انیسواں آیت ۵۹ اگر ان کو تسہیل سے پڑھیں گے تو مد پیدا نہ ہوگی اور اگر ابدال سے، پڑھیں گے تو مدلازم کلمی مثقل پیدا ہو جائے گی، چونکہ آج کل مشہور ابدال کے ساتھ پڑھنا ہو چکا ہے، اس لئے ضروری ہے ان چھ ہمزوں کو بھی تسہیل سے پڑھا جائے کیونکہ قراء کرام

نے لکھا ہے کہ ایک روایت یا طریقہ .. عند القراء ثابت اور مشہور ہو اور عوام میں متروک ہو چکا ہو تو اس کو متروک مشہور قاعدہ کو پڑھنا لازم ہے تاکہ وہ روایت یا طریق بھی زندہ ہو جائے آج کل عموماً روایت امام حفص پڑھانے میں ان طرق کا خیال رکھا جاتا ہے جو علامہ شاطبیؒ سے متعلق ہے اس میں علامہ جزری رحمہ نے جو اختلاف طریق کیا ہے وہ خصوصاً فوت ہو چکا ہے اس لئے علامہ جزری رح یا علامہ شاطبی رح کے طرق کے اختلافات سے بھی تلامذہ کو واقف کرانا ضروری ہے۔

جب دو ہمزے جمع ہوں پہلا ہمزہ استفہام کا ہو دوسرا ہمزہ وصلی مفتوح نہ ہو تو دوسرا ہمزہ گرا دیا جاتا ہے اور صرف ہمزہ استفہام کو پڑھا جاتا ہے جیسے أَاِفْتَرٰى کو اَفْتَرٰى ءَاِستکبرت کو اَستکبرت وغیرہ۔

جب دو ہمزے جمع ہوئے ہوں پہلا ہمزہ متحرک دوسرا ساکن ہو تو دوسرے ہمزے کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے مطابق حرف سے بدل دیا جاتا ہے جیسے اأمنوا کو اٰمنوا إِئْمَانٌ کو إِيمَانٌ اُؤْتُمِنَ کو اُوْتُمِنَ۔

جہاں دو ہمزے جمع ہوں پہلا ہمزہ متحرک وصلی ہو دوسرا ہمزہ ساکن ہو تو جب کسی کلمہ سے پڑھیں گے تب پہلے ہمزہ وصلی تو درمیان کلام میں حذف ہو جائے گا، مگر دوسرا ہمزہ ساکن ماقبل کی حرکت سے نہ بدلا جائیگا جیسے الَّذِى اؤْتُمِنَ ۔ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي الْمَلِكُ ائْتُونِي، اب یہاں جب ہمزہ وصلی کو ثابت رکھیں گے تو ہمزہ ساکنہ تو ماقبل کی حرکت کے مطابق بدل دیں گے یعنی الَّذِى اؤْتُمِنَ کو جب سے الَّذِى سے نہ ملائیں تو اُؤْتُمِنَ کو اُوْتُمِنَ پہلا ہمزہ پڑھیں گے، ہمزہ کو واؤ سے بدل دیں گے،

تمام قرآن مجید میں لام تعریف کا ہمزہ وصل کی صورت میں حذف کیا جاتا ہے، اور اس ہمزہ کو درمیان میں ثابت رکھنا درست نہیں، مگر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ہاں بہت سے غیر قاری صاحبان اس ہمزہ کو بھی نہیں گراتے درمیان کلام میں۔

لام تعریف کا ہمزہ ابتدائے کلام میں ہمیشہ مفتوح پڑھا جائے گا، اسی طرح ہمزہ وصل جب فعل پر تو فعل کے تیسرے حرف کے حرکت کی موافقت میں پڑھیں گے مثلاً

اِسْتَعِبْ میں تیسرا حرف مکسور ہے اُجْتُثَّتْ میں تیسرا کلمہ ت مضموم ہے اور اس میں ہمزہ مکسور ہی ہوگا کیونکہ ان کا ضمہ عارضی ہے اصل میں ان پر کسرہ اور دیتی ہے۔ اس کا ہمزہ ہمیشہ مکسور ہوگا مثلاً اِبْنٌ اِنْتِقَامٌ وغیرہ۔

نون کا بیان

نون جب مشدد ہو تو اس میں غنہ ہوتا ہے، غنہ کے متعلق کافی بحث پچھلے شمارے میں کر چکا ہوں اب نون ساکن اور تنوین کا بیان شروع ہوتا ہے۔

تنوین دو زبر دو زیر دو پیش کی حرکات کو کہتے ہیں جس کی آواز نون ساکن کی طرح ہوتی ہے یہ حرکت صرف عربی زبان میں مستعمل ہے ہاں البتہ اردو زبان میں صرف انہی جگہوں پر تنوین کا استعمال ہوتا ہے جہاں کلمات کو عربی سے اردو میں ڈھالا گیا ہے جیسے نسلاً بعد نسل وغیرہ۔

جن حروف پر حرکت تنوین ہو اس حرف کو منون کہتے ہیں۔

تَنْوِیْن اور نُوْن سَاکِن کا فرق

تنوین	نون ساکن
۱:۔ اس کی کوئی خاص شکل نہیں ہے۔	۱:۔ نون ساکن کی مخصوص شکل ہے،
۲:۔ یہ درمیان کلام میں نہیں آسکتا ہے بلکہ کلمہ کے آخر میں ہی ہوتا ہے۔	۲:۔ یہ درمیان کلام اور آخر میں آتا ہے ہاں البتہ ابتدائے کلام میں ناممکن ہے۔
۳:۔ یہ کلمہ ہر وقف کی حالت میں گر جاتا ہے یا پھر بدل دیا جاتا ہے۔	۳:۔ یہ وصل و وقف میں ثابت رہتا ہے،

تنوین کی قسمیں

۱:۔ تمکن۔ ۲:۔ مقابلہ۔ ۳:۔ عوض
۴:۔ مناسبت۔ ۵:۔ ترنم

۱:۔ تمکن:۔ جو منصرف اسموں پر لفظاً یا تقدیراً آتی ہے ھُدًی وغیرہ۔

۲:۔ مقابلہ:۔ جو نون کے مقابلہ پر آوے مثلاً مُسْلِمَاتٍ یہ وغیرہ

۳:۔ عوض:۔ جو کسی کلمہ کے بدلہ میں آوے لَنَسْفَعًا۔

۴:۔ مناسبت:۔ جو کسی کی مناسبت میں ہوئے جیسے سَلٰسِلًا کی تنوین اَغْلٰلًا کی مناسبت سے ہے۔

۵:۔ ترنم:۔ وہ تنوین جو اشعار کے آخر میں ترنم کے لئے پڑھا جائے لَقَدْ اَصَابًا۔

تنوین اور نون ساکن کے چار حال ہیں

۱۔ اظہار۔ ۲۔ ادغام۔ ۳۔ اخفاء۔ ۴۔ اقلاب۔

قبل ازاں کہ نون ساکن یا تنوین کے حال پر بحث ہو ان اقسام کی ذات سے باخبر کرتا ہوں کہ اظہار سے مراد کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۱۔ **اظہار۔** حروف کو اپنے مخرج سے مع صفات کے ادا کرنا جس کی صوت واضح اور بین رہے۔

۲۔ **ادغام۔** ایک حرف ساکن یا متحرک کو دوسرے حرف میں اس طرح داخل کرنا کہ ان پر تشدید پیدا ہو جائے کہ دونوں حروف کی آواز ایک ہو جائے یا مدغم کی آواز کا کچھ حصہ باقی رہے یہ صرف ادغام ناقص میں ہوتا ہے۔

۳۔ **اخفاء۔** یہ حالت صرف تنوین اور نون ساکن کی ہے یعنی ان کی آواز کو ناک میں چھپایا جاتا ہے، تو یوں تعریف ہے اَلْاِخْفَاءُ حَالَةٌ بَيْنَ الْاِظْهَارِ وَالْاِدْغَامِ وہ حالت ہے جو اظہار اور ادغام کی درمیانی حالت ہو۔

۴۔ **اقلاب۔** ایک حرف کی جگہ دوسرا پڑھنا۔

الاظہار | جب حرف نون ساکن یا تنوین کے بعد حروف حلقی میں سے کوئی حرف آوے تو وہاں اظہار ہوگا جیسے عنہ۔ خاسر إذا حسد۔ أنعمت۔ أجر غير۔ عفو حليم۔ وغیرہ مگر یاد رہے اظہار ہونے کے باوجود بھی نون ساکن یا تنوین کی آواز ناک میں معمولی سی ضرور بالضرور جائیگی اگر اس آواز کو ناک نہ لے جایا گیا تو یقیناً نون ساکن یا تنوین اور حرف حلقی کے درمیان سکتہ پیدا ہو جائیگا۔ اس سکتہ سے بچانے کے لئے غنہ آنی کی ضرورت ہو گی۔

اظہار کی وجہ یہ ہے نون اور حلقی حروف میں کافی فاصلہ ہے نون میں متوسط اور مذلقہ کی صفت اور اس طرح اس کی ادائے گی میں زبان کی نوک اور کنارے کا تعلق جہاں سے حروف آسانی سے ادا ہو ہی جاتے ہیں جب کہ حلق سے ادائیگی بہت محال ہے تو اس لئے کہ کہیں ادغام نہ ہو جائیں ان پر اظہار کیا جاتا ہے جو کہ اصل ہے جب کہ ادغام اور اخفاء وغیرہ نقل کی چیز ہے۔

بعض نے الف کو حرف حلقی بن گنا ہے جیسا کہ امام فرا کا مذہب ہے اسی طرح سیبویہ اور شاطبیؒ نے حرف حلقی سات گنے ہیں الف چونکہ خود ساکن ہوتا ہے اس لئے اس کا بیان یہاں درست نہیں وہ تنوین یا نون ساکن کے بعد آ ہی نہیں سکتا ہے۔

اور بعض حرف حلقی کی تعداد سات بتلاتے ہیں مگر غ خ جب کہ تنوین یا نون ساکن کے بعد آویں تو وہاں بھی اخفا ہو کرتے ہیں اس کو امام یزید بن رومان نے اختیار کیا ہے انہوں نے لکھا ہے غ خ چونکہ "ق" کے مخرج کے قریب سے نکلتے ہیں چونکہ ق سے قبل کون پر غنہ ہوتا ہے اس لئے اس "ن ساکن" پر بھی ہوگا جو کہ غ خ کے قبل ہوگی، مگر ہم جمہور کے مذہب کے مطابق ڈاٹے رکھیں گے۔

الادغام

نون ساکن یا تنوین کے بعد حروف "یرملون" میں سے کوئی حرف آوے تو ادغام ہوتا ہے ہاں البتہ ان چھ حروف میں چار میں ادغام تام ہوگا، اور باقی میں ادغام ناقص ہوگا "ی و" میں ادغام ناقص ہوگا بلکہ بالغنہ ہوگا اسی طرح ل ر ن م میں ادغام تام ہوگا، ہاں فرق اتنا ہے ل ر میں ادغام بالغنہ اور بلاغنہ دونوں جائز ہے جب کہ "ن م" میں ادغام بالغنہ ہوگا۔ اور "ل ر" میں بلاغنہ ہوگا۔ آج کل یہی طریقہ رائج ہے۔

محققین نے لکھا ہے کہ "ل ر" سے ماقبل ن ساکن یا تنوین آئے اور وہ نون ساکن لکھی ہوئی ہو اور دوسرے حرف سے فصل میں ہو جیسے فَاِنْ لَّمْ غیر مرسوم اور موصول کی مثال ایسی ہے جیسے فَاِلَّمْ (بلا نون مرسوم) جو در حقیقت فَاِنْ لَّمْ ہے مگر ن لکھا ہوا نہیں ہے) تو اس میں ادغام بالغنہ بھی جائز ہے جب کہ مقطوع مرسوم ہو۔ "نون ساکن مرسوم مقطوع سے بعد ل ر آوے تو غنہ ہوتا ہے اور ادغام ناقص ہوگا۔ اس طریقہ سے تمام حروف یرملون میں سے چار میں (وی ل ر)، ادغام ناقص ہوگا اور "ن م" میں ادغام تام ہوگا۔ مثلاً مَنْ یَّقُوْلُ ـ مِنْ وَّالٍ ـ مِنْ رَّبِّهٖ مِنْ لَّدُنْهُ ـ مَنْ نَّشَآءُ ـ مِنْ مَّآءٍ بعض نے اختلاف کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ن م میں بھی ادغام ناقص ہوتا ہے چونکہ ن، م کے قبل تنوین یا نون ساکن ہے، مگر وہ یہ نہیں سوچتے کہ حروف یرملون میں سے ن م میں ادغام ہونا اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہاں جب ادغام ہو وہ ادغام ناقص ہی ہو بلکہ ن م میں تمام صفات یکساں نہیں دوسرے حروف کا اس کے مثل میں ادغام ہی تام ہوتا ہے اس لئے ن کا ادغام تو "تام" ہوگا اور م چونکہ تمام صفات میں اس کے ہم پلہ ہے اس

لئے اس میں بھی "ادغام تام" ہوگا۔

ادغام تام وہ ادغام ہوتا ہے کہ مدغم اس طرح مدغم فیہ میں داخل ہو جائے کہ مدغم کی کوئی آواز باقی نہ رہے بلکہ مدغم فیہ کی آواز واضح ہو اور اس پر تشدید پیدا ہو جائے مِن نّٰصِرِیْنَ،

ادغام ناقص جس میں مدغم کی آواز مکمل طور پر مدغم فیہ میں داخل نہ ہو جائے بلکہ کچھ اپنی آواز کا اثر باقی رہے جیسے مَنْ یُّؤْمِنُ ۔

تمام قرآن مجید میں اس یرملون کے قاعدے کے تحت چار الفاظ میں ادغام نہیں ہوتا ہے، بوجہ اس کہ اس ادغام کے لئے شرط ہے کہ حرف یرملون اور نون ساکن یا تنوین جدا جدا کلموں میں ہوں مگر یہاں ایک ہی کلمہ میں ہے ادغام کرنے سے مطلب یوں ہوتا ہے کہ حرف میں خفت پیدا کی جائے تو الفاظ کی ہیئت بالکل بگڑ جائیں گے اور دوسرے محققین اہل ادا نے اس میں اظہار کیا ہے وہ الفاظ یہ ہیں قِنْوَانٌ ۔ بُنْیَانٌ ۔ صِنْوَانٌ ۔ دُنْیَا سورہ قیامہ میں اظہار ہونا بوجہ سکتہ کے ہے۔

سورۃ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اور نٓ وَالْقَلَمِ میں بھی ہمارے ہاں اظہار سے پڑھنے کا طریقہ اب چونکہ ... یہ مشہور ہو چکا ہے، قریباً ادغام سے پڑھنے کا طریق معدوم ہو چکا ہے اس لئے اساتذہ کرام فن کو چاہیئے ادغام سے بھی پڑھایا کریں یہ ادغام اس طرح پر ہوگا، کہ اگر ہم حروف مقطعات کو جدا جدا کریں یا میں نُوْن د اس طریقہ سے ن ساکن کے بعد و متحرک آ رہا ہے اور اس میں ادغام لازم ہے،

الاخفاء تنوین یا نون ساکن کے بعد حروف اظہار یعنی حلقی حروف یرملون الف اور "با" نہ آویں تو بقیہ پندرہ حروف آویں تو اخفاء ہوتا ہے وہ حروف یہ ہیں ت، ث، ج، د ذ، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ف، ق، ک، یعنی ادائیگی میں نون ساکن یا تنوین کی آواز مکمل طور سے مخرج کی بجائے ناک سے ادا ہو۔

الاقلاب تنوین یا ساکن کے بعد حرف "با" آوے تو اس تنوین یا نون ساکن "میم" سے بدل کر پڑھتے ہیں اس طرح ادائیگی پہلے دونوں ہونٹ مل جائیں پھر غنہ ہو اور ان کے ہونٹ کھل جائیں، اور ہونٹ کو مضبوط نہ رکھنا چاہیئے اس حروف صاف واضح ادا ہوگا۔

اب مزید مثالیں لکھتا ہوں تاکہ ان چاروں حال کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔

اظہار

ہمزہ :- غاسِقٍ اِذَا وَقَبَ سُوْٓءَ اَوْ اَرَادَ مَنْ اَسْرَفَ - مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ

ھا :- شَیْءٍ ھَالِكٌ مِنْ ھَادٍ مِنْھُمْ -

ح :- نَارٌ حَامِیَةٌ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ تَنْحِتُوْنَ

ع :- مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ خَوْفٌ عَلَیْھِمْ مِنْ عِنْدِہٖ اَنْعَمْتَ

خ :- شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ کَاذِبَةٍ خَافِضَةٌ مِنْ خَیْرٍ مِنْ خِلَافٍ

غ :- اَجْرٌ غَیْرَ اِلٰہٍ غَیْرِیْ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ مِنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ -

اِدْغام

ی :- مَنْ یُّؤْمِنُ مَنْ یَّشْتَرِیْ یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ رَجُلٌ یَّسْعٰی

ر :- مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ مِنْ رِّجَالِکُمْ رَبَدًا اَدَابِیًا اَبَدًا رَضِیَ اللہُ

م :- مِنْ مُّعَمَّرٍ اَمْ لَمْ تَکُنْ مِّنَ الْوَاعِظِیْنَ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ھُدًی مِّنْ

ل :- مَنْ لَّا یُؤْمِنُ لَئِنْ لَّمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُؤْمِنُ

و :- مِنْ وَّاقٍ عَنْ وَّلَدِہٖ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ ھُدًی وَّرَحْمَةٌ

ن :- مِنْ نَّذِیْرٍ لَنْ نُّؤْمِنَ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ عِظَامًا نَّخِرَةً

اِخْفَاء

ت :- مَنْ تَابَ فَمَنْ تَبِعَنِیْ عَدْنٍ تَجْرِیْ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ

ث :- فَمَنْ ثَقُلَتْ الْاُنْثٰی جُزْءٌ ثُمَّ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً

ج :- مِنْ جُوْعٍ مَنْ جَاءَکُمْ عَیْنٌ جَارِیَةٌ بِکُلٍّ جَعَلْنَا

د :- مِنْ دُوْنِ عِنْدَ اللہِ ضُرٌّ دَعَانَا دَکًّا دَکًّا

ذ :- مِنْ ذٰلِكَ یُنْذِرُوْنَکُمْ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ قَآئِمًا ذٰلِكَ

ت:۔ اَنْزَلَ مِنْ تَرَاوَالٍ نَفْسًا زَكِيَّةً عُلَمَاءَ زَكِيًّا

س:۔ اَلْاِنْسَانُ تُنْسٰى بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ اَمْرٍ سَلَامٌ

ش:۔ اَنْشَاَكُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ اِذًا شَطَطًا شَيْءٍ شَهِيْدٍ

ص:۔ فَانْصَبْ اَنْصَارٍ صَفًّا صَفًّا عَمَلًا صَالِحًا

ض:۔ مِنْ ضَرِيْعٍ مَنْ ضَلَّ قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا

ط:۔ عَنْ طَبَقٍ اَلْمُقَنْطَرَةِ صَعِيْدًا طَيِّبًا لَحْمًا طَرِيًّا

ظ:۔ يَنْظُرُوْنَ فَلْيَنْظُرْ مَثَلًا ظَلَّ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ

ف:۔ اَلْمَنْفُوْش مُنْفَكِّيْنَ مَشْهُوْدٍ قُتِلَ شَيْءٍ قَدِيْرٍ

ق:۔ اَنْقَضَ مِنْ قُوَّةٍ مَشْهُوْدٍ قُتِلَ شَيْءٍ قَدِيْرٍ

ک:۔ مِنْ كُلِّ اِنْ كَذَّبَ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ

اقلاب

ب:۔ اَنْبِئْهُمْ سُنْبُلَةٍ خَاوِيَةٌ بِمَا ظَلَمُوْا اَسْفَارًا بِئْسَ

نونِ ساکن یا تنوین اظہار کو مظہرہ نون" ساکن یا تنوین" اخفا کو مخفیٰ، نون ساکن یا تنوین ادغام کو مدغمہ اور نون ساکن یا تنوین اقلاب کو منقلبہ کہتے ہیں۔

میم کے احکام

میم جب مشدد ہوگی تو اس میں "ن" مشدد کی طرح غنہ ہوگا، غنہ کی صحیح مقدار ایک الف ہے الف کی صحیح مقدار کا اندازہ محض اساتذہ فن جو مشاق ہوں ان کے پڑھنے پر موقوف ہے جس طرح استاذ فن پڑھے جس تلاوت کے درجہ میں پڑھے اسی طرح الف کی مقدار بھی کم زیادہ ہوگی، جب ترتیل میں پڑھیگا تو الف کی مقدار علیحدہ ہے، حدر میں اور تدویر میں اور ہوگی الف کی مقدار کو انگلیوں کے کھلنے اور بند ہونے سے سمجھنا مشکل ہے نمعلوم انگلی ترتیل میں کتنی تیزی سے کھلے جب حدر و تدویر میں آہستہ اس لئے بہتر صورت یہی ہے کہ الف کی مقدار کو مشاق استاذ کے پڑھنے پر محمول کرے اور جو مشاق ہوگا وہ یقیناً صحیح الف کی مقدار کا مکلف ہوگا۔ اور اس ماہر کے پڑھنے اور مقدار جو ماہر ہی خوب سمجھیں گے باقی

رہا میم ساکن میم ساکن کے تین حال ہے۔

(۱) ادغام (۲) اخفاء (۳) اظہار

الادغام | جب میم ساکن ہو اس کے بعد بھی میم متحرک ہو تو اس ساکن میم کو اس متحرک میم میں ادغام کر دینگے اور اس طرح سے دونوں میم مل کر ایک میم مشدد بن جائیگی اور اس پر غنہ ہو گا۔

الاخفاء | میم ساکن ہو اس کے بعد ب متحرک ہو تو میم کو اخفاء سے پڑھیں گے، مثلاً وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ۔

الاظہار | میم ساکن کے بعد مَ یا ب کے علاوہ جتنے بھی حروف آئیں سب حروف اظہار ہوں گے۔

ہاں البتہ بعض کتب میں دیکھا گیا ہے کہ وہ حروف شفوی میں اخفاء کرتے ہیں یعنی جب میم کے بعد حروف شفوی آئے تو اخفاء کرتے ہیں یا صلہ کرتے یا گونہ حرکت دیتے ہیں اور اس طرح سے پڑھنا کسی معتبر سے ثابت نہیں ہے البتہ بعض چھوٹے رسائل میں ہے ہاں البتہ میم کے ساکن کے "ب" آوے تو اخفاء کرنا تو بعض ضعیف روایات سے ثابت ہے اسی طرح میم ساکن کے کوئی حرف متحرک آوئے تو سبعہ قرآء میں بعض قراءؒ نے توصلہ سے میم کو پڑھا ہے مگر میم کے بعد واؤ فا آوئے تو کسی نے اخفاء نہیں کیا ہے نہ ہی کسی نے گونہ حرکت دی ہے اس لئے عوام میں "بوف" کا قاعدہ مشہور ہے وہ صرف غلط العوام ہے ورنہ محققین کے نزدیک سرے سے ہی غلط ہے۔

را کا بیان | رَ جب متحرک ہو گی تو مفتوح و مضموم حالت میں مفخم پڑھا جائے گا اور مکسور ہونے کی حالت میں رَا ترقیق سے پڑھی جائیگی اور رَا جو مشدد ہو گی، وہ اپنی حرکت کے مطابق پڑھی جائیگی، یعنی رَا پہلی دوسری کے تابع ہو گی جیسے دُرِّيٌّ۔ شَرًّا وغیرہ پہلی مثال دونوں رَا باریک اور دوسری مثال میں رمفخم ہو گی، ہاں البتہ را ساکن ہو تو اس کی مختلف حالتیں ہوں گی۔

۱۔ جب را ساکن ہو تو اس کے ماقبل کی حرکت کے مطابق پڑھیں گے یعنی را سے ماقبل

مفتوح و مضموم ہو تو را پُر اور مکسور ہو تو را باریک ہو گی تَرْتِیلًا۔ اُنْظُرْ۔ كُفُوًا۔ تَنْذِرُ۔

(۲)۔ جب را ساکن ہو اور اس کا ماقبل بھی ساکن ہو تو اس را کو بھی ماقبل کی حرکت کے مطابق پڑھیں گے جیسے وَالْعَصْرِ خُسْرٍ مگر یہ حالت وقف کی ہی صورت میں پیدا ہوا کرتی ہے، مثلاً اور مُؤخر کے ماقبل مضموم ہے تو اب ان دونوں را کو پُر یعنی منہ بھر کر ادا کریں گے، اسی جب را کا ماقبل ساکن اور اس کا ماقبل ساکن اس سے قبل حرف پر کسرہ ہو تو را کو باریک پڑھیں گے جیسے حِجْرٍ یہاں وقف کی صورت میں را ساکن ماقبل ج ساکن اور حا مکسور ہے، اسی طرح "ح" ی کی، حرکت کسرہ کے مطابق باریک پڑھی جائے گی، بہت سے مساجد کے ائمہ کرام جب ان صورتوں کو پڑھتے ہیں تو اوقاف کی حالت میں را کی ذرا بھی بُو آنے نہیں دیتے ہیں جس سے ایک پورا حرف کا حرف ہی غائب ہو جاتا ہے یعنی وَالْعَصْرِ کی بجائے وَالْعَصْ ہو کر رہ جاتی ہے جس سے یقینی طور پر لفظ کے معنی بدل جاتے ہیں یا کوئی مہمل بے معنی کلمہ بن کر رہ جاتا ہے اور اس طرح جاننے والے حضرات کی نماز ہی جاتی رہتی ہے چونکہ ہمارے ہاں قرآن کی قراءات کے علم اور تجوید کو بعض محتاط حضرات (جو کہ ضرورت سے زیادہ سنت کے حامل ہیں) وہ بدعت قرار دیتے ہیں اس طرح سے یہ بات عوام میں پھیل کر اب اس فریضہ کو ختم کرنے کے کوشاں ہیں حالانکہ تجوید کے خلاف قرآن مجید پڑھنے والا باوجود مکلف ہونے کے اسے نہ پڑھے تو حق تعالیٰ جل شانہ کی ناراضگی کے مستحق ہیں اس ذات بابرکات کی خفگی کسی بڑے سے بڑے نبیؐ کی برداشت سے باہر ہے کجا آج کل کا مسلمان مجھ سا بدعمل اور گنہگار اور جو حضرات منکرِ تجوید ہیں اور بدعت قرار دیتے ہیں وہ یقیناً قرآن مجید کی آیت وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيلًا کو سمجھے ہی نہیں ہیں اور ادا یہاں کی خبر منائیں اس لئے قرآن مجید کی تلاوت نہایت ہی احتیاط سے خوب حروف کو سنوار سنوار کر ہونی چاہیئے، را کی صفت جہر اور تکرار کا بہت خیال رکھنا چاہیئے جس سے را کی آواز بہت صاف اور واضح ادا ہو گی۔

۳۔ جب را ساکن ہو ماقبل ساکن "ی" ہو تو وہ را ہر حالت میں باریک پڑھی جائیگی یہ حالت بھی وقف کی صورت میں پیدا ہو گی مثلاً لَاخَيْرَ۔ قَدِيْرٌ۔

۴۔ ساکن را سے ماقبل کسرہ عارضی یا ہمزہ وصلی ہو تو وہ را بھی پُر پڑھی جائیگی جیسے اِنِ

اَنْ تَبْتَرْ اَمِ ارْتَابُوْا۔ رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔ اِرْجِعِیْ وغیرہ۔

۵:۔ ساکن را کے بعد حرف مستعلیہ آ رہے تو... استعلاء کی صفت کو اس حرف مستعلیہ میں قائم رکھنے کے لئے اس را ساکن کو بھی پُر پڑھتے ہیں مثلاً مِرْصَادِ۔ فِرْقَۃٍ مگر فِرْقٍ کی را میں خلف ہے بعض کی رائے میں پُر ہے بوجہ قاعدہ مذکورہ اور بعض کی رائے میں باریک ہے بوجہ "ق" کے کسرہ کے اب اس کی تفخیم خود ہی بہت کم ہے اس لئے وہ کس طرح دوسرے حرف کو مفخم کر سکے گا بہر حال جس سے جیسے بنے پڑھے کیونکہ را کی تفخیم و ترقیق کا تعلق محض صفت عارضہ سے ہے،

اب ان جگہوں کی نشان دہی کی جاتی ہے جو قاعدہ نمبر ۴، نمبر ۵ کے تحت میں آ رہے ہیں کسرہ عارضی ہمزہ وصلی والے رَا آت :۔

اَنِ ارْتَبْتُمْ دو بار پ ۷ مائدہ ع ۱۴ پ ۲۸ طلاق ع ۱ اِرْجِعِیْ سورہ فجر پ ۳۰ اِرْجِعْ پ ۱۹ نمل رکوع ۳ اِرْجِعُوْا پ ۱۳ یوسف ع ۱۰ اَمِ ارْتَابُوْا پ ۱۸ نور ع ۶ رَبِّ ارْجِعُوْنِ پ ۱۸ مومنون ع ۶ اَلَّذِی ارْتَضٰی پ ۱۸ نور ع ۷ مَنِ ارْتَضٰی پ ۲۹ جن ع ۲ لِمَنِ ارْتَضٰی پ ۱۷ انبیاء ع ۲ رَبِّ ارْحَمْهُمَا پ ۱۵ اسرائیل ع ۳۔

حروف مستعلیہ والے

اِرْصَادًا پ ۱۱ توبہ ع ۱۳ مِرْصَادًا پ ۳۰ نباء لَبِالْمِرْصَادِ پ ۳۰ سورہ فجر فِرْقَۃٍ پ ۱۱ توبہ ع ۱۵ فِرْقٍ (خلف) پ ۱۹ شعراء ع ۴ قِرْطَاسٍ پ ۷ انعام ع ۱۔

ان کے علاوہ قرآن مجید کے کئی کلمات کو رسم الخط کی مطابقت میں پُر پڑھے جاتے ہیں جو درحقیقت باریک پڑھے جانے چاہئے مگر اوزان اور فواصل برابر کرنے کے لئے ان کے آخری "ی" کو گرا دیا جاتا ہے اس طرح بحالت وقف انہیں پُر پڑھانے کا رواج قائم ہو چکا ہے حالانکہ اولیٰ و افضل طریقہ یہی ہے کہ انہیں بحالت وقف پُر نہ کیا جائے، بلکہ ترقیق سے اپنی اصلی کیفیت کے مطابق ادا ہوں وہ کلمے یہ ہیں فَاَسْرِ پ ۱۲ سورہ ہود ع ۶ پ ۱۴ حجر ع ۵ اور فَاَسْرِ پ ۲۵ الدخان ع ۱ اَنْ اَسْرِ پ ۱۶ طٰہٰ ع ۴ پ ۱۹ الشعراء ع ۴ اِذَا یَسْرِ پ ۳۰ الفجر ع ۱ نُذُرِ پ ۲۷ القمر کئی جگہ ہے بعض قراء نے لفظ مِصْرَ اور اَلْقِطْرِ میں را کی باریکی اور پُر کا مسئلہ

رکھا ہے بہتر صورت یہ ہے اَنْقَطِ اور مِصْر میں وہی قواعد ہی استعمال ہوں جیسے دوسری جگہوں پر یعنی وصل کی حالت میں مصر کی را باریک نہ ہوں اور وقف کی حالت میں باریک مگر اَنْقَطِ کی را ہر صورت میں ہی باریک ہو۔

۶۔ را ممالہ جو کہ تمام روایت سیدنا امام حفصؒ میں ایک ہی جگہ ہے باریک پڑھی جائیگی راممالہ کہتے ہیں اس را کو جس پر امالہ کیا جائے۔ (امالہ کی تعریف پہلے تحریر کر چکا ہوں) وہ بارہویں سپارہ سورۃ ہود رع ۴ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا میں را کے الف پر امالہ ہے اس وجہ سے اِس را کو باریک پڑھیں گے، امالہ کی ادائیگی نہایت ہی کوشش سے کرنی چاہیئے بعض حضرات امالہ صغریٰ اور کبریٰ میں فرق نہیں کر سکتے ہیں۔

۷۔ را مراۃ موقوفہ بالرَّوم۔ وہ را جس پر وقف بالروم کیا جائے، روم کہتے ہیں کسی بھی حرف متحرک کے حرکت کے چوتھائی حصہ کو پڑھنا جب کہ اس پر وقف کیا جا رہا ہو۔ روم اتنی ہلکی آواز ہوتی ہے جسے صرف قریب والے ہی سن سکتے ہیں مگر بہرہ انسان نہ سن سکے گا (بقیہ تفصیل باب الوقف میں بیان ہوگا) ایسی را پر چونکہ مکمل طور سے سکون پیدا نہیں ہوا اس لئے اس کو اس کی حرکت کے مطابق ہی پڑھیں گے۔ یاد رہے روم صرف کسرہ اور ضمہ پر ہوگا، فتح پر روم نہ ہوگا، اسی طرح جب تنوین مکسور اور مضموم پر وقف بالرَّوم کرینگے تو ایک ہی حرکت پڑھیں گے تنوین کی آواز پر روم نہ ہوگا، جیسے قَدِيْرٌ یا خَبِيْرٌ وقف بالروم کی حالت میں قَدِيْرُ یا خَبِيْرِ

لام کا بیان

جب لفظ اللّٰہ سے ماقبل حرف مفتوح یا مضموم ہو تو وہ لفظ اللّٰہ کا لام مفخم پڑھا جائے گا جیسے من اللہ۔ ھو اللہ۔ لیعبدوا اللہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ جو مکسور ہو ماقبل اس لام کو اور تمام لاموں کو باریک ہی پڑھیں گے مثلاً بِسْمِ اللّٰهِ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔ اَلَّذِيْنَ۔ اَلصَّلٰوةَ وغیرہ۔

اوی کا بیان

اوی ساکن ماقبل ان جیسی حرکت ہو یعنی الف ساکن ماقبل مفتوح ی ساکن ماقبل مکسور و ساکن ماقبل مضموم ہو ان کو مد کر کے پُر پڑھیں گے اگر ان کو اشباع سے نہیں پڑھیں تو الف زبر۔ و پیش بنکر رہ جائیگا۔ اس لئے اوی ساکن کی طبیعت اور ذات میں بھی مد شابت ہوئی، اوی کی جو مقدار مد ہے اسے مد اصلی، ذاتی،

طبیعی، طبعی، قصر کہتے ہیں اور یہ مقدار ہر وقت اس کی ذات میں قائم رہے گی ان کے علاوہ جو مقدار کھینچی جائے گی اسے مد فرعی کہتے ہیں، وہ اصل کی ہی قسم ہے،

مد فرعی:۔ مد فرعی تمام قرآن میں دو طرح پیدا ہوتے ہیں۔

نمبر۱:۔ حرف مدہ کے بعد جب ہمزہ آئے۔

نمبر۲:۔ حرف مدہ کے بعد سکون ہو۔

(۱) (۱) جب حرف مدہ کے بعد ہمزہ اور وہ ہمزہ اسی کلمہ میں متصل ہو تو اس مد کو مد متصل یا واجب کہیں گے۔

(۲) جب حرف مدہ کے بعد ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو اسے مد منفصل کہیں گے۔

مد متصل:۔ مَآءً۔ سُوْٓءٍ۔ سِیْٓئَتْ۔

مد منفصل:۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ۔ اَلَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ۔ اُمِرُوْٓا اِلَّآ

(۲) ۱:۔ جب حروف مدہ کے بعد سکون اصلی ہو اسے مد لازم کہیں گے۔

نمبر۲:۔ جب حروف مدہ کے بعد سکون عارضی ہو اسے مد عارض کہیں گے۔

تمام قرآن مجید میں مد لازم دو قسم پر ہیں۔

نمبر۱ مخفف نمبر۲ مثقل۔

۱:۔ مخفف:۔ وہ مدود ہیں یعنی حروف مدہ کے بعد ساکن حروف مجزوم ہو۔

۲:۔ مثقل۔ حرف مدہ کے بعد حرف مشدد ہو۔۔۔ مخفف اور مثقل مدود ایک تو کلمات قرآن میں ہوں گے، وہ مد لازم کلمی کہلائیں گے اسی طرح جو حروف مقطعات میں ہوں گے، وہ مد لازم حرفی کہلائیں گے جو مخفف ہوں گے وہ مد لازم۔۔۔ مخفف اور جو مثقل ہوں وہ مد لازم مثقل ہوں گے۔

جب کسی کلمہ قرآنی پر وقف کیا جاوے جب کہ حرف موقوف سے قبل حرف مد ہو وقف کی صورت میں چونکہ وہاں عارضی طور پر سکون پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مد پیدا ہو گی، اس مد کو مد عارض وقفی کہیں گے، جب حرف لین کے بعد سکون پیدا ہو تو وہاں مد لین پیدا ہو گا۔ اگر سکون اصلی ہو تو مد لازم لین، اگر سکون عارضی ہو تو مد عارض لین تمام کلمات قرآنی میں کوئی

بھی مدلین لازم نہیں ہے ہاں البتہ حروف مقطعات میں سے سورۃ مریم سورۃ شوریٰ کے کہیعص حم عسق عینوں میں (عین کو کھول دیا جائے تو یٰ لین کے بعد "ن" کا سکون اصلی ہے اس میں مد لازم لین ہے) ان کے علاوہ تمام قرآن میں کوئی مدلازم لین نہیں ہے کلمات قرآن میں صرف وقف کی حالت میں ہی مدعارض لین پیدا ہوتے ہیں۔

مدّ منصل :۔ مَاشَآءَ اللّٰهُ۔ لِتَنُوٓءَا۔ هَنِيٓـًٔا

مدّ منفصل :۔ اِلَّآ اِيَّاهُ۔ اَمِ ارْتَابُوٓا اَمْ يَخَافُوْنَ۔ يَعْلَمُوٓا اِنَّ اللّٰهَ۔ وَلٰكِنِّيٓ اَرٰىكُمْ

مدّلازم کلمی مخفف :۔ آٰلْئٰنَ یہ مد صرف اسی کلمہ میں جو سورۃ یونس پ۱۱ میں دو جگہ پر ہے۔

مدّلازم کلمی مثقل :۔ اَتُحَآجُّوٓنِّيْ۔

مدلازم حرفی :۔ مدحرفی حروف مقطعات میں پیدا ہوتے ہیں کل تعداد حروف مقطعات کی چودہ ہے جن کا مجموعہ نقص عسلکم حی طاھر ان میں سے پہلے آٹھ حروف یعنی نقص عسلکم تین حرفی ہیں (گو ظاہر میں الف بھی تین حرفی ہے مگر الف میں نہ ہی محل مد ہے نہ ہی سبب مد ہے (یعنی "ن" کو جب اس کے طریق پر رسم میں لائینگے تو یوں ہوگا نُوْن۔ اس میں و ساکن محل مد ہوا۔ اور ن کا سکون اصلی سبب مد ہوا اس طرح قاف، صاد وغیرہ سب میں ایک محل مد اور ایک سبب موجود ہے ان آٹھ حروف کے علاوہ باقی پانچ دو حرفی ہیں ان میں محل ہے تو سبب نہیں الف صرف تین حرفی ہے جو محل اور سبب سے خالی ہے اب اس طرح بلحاظ ان حروف کو کھولتے ہیں تو ان میں حروف مدہ کے بعد جہاں سکون اصلی وہاں مخفف اور جہاں حرف مشدد پیدا ہو جائے وہاں مدلازم حرفی مثقل ہوگا۔ مثلاً آلٓمّٓ کو لیجئے الف لام میم لام میں الف محل م ساکن سبب ہے م ساکن کے بعد دوسری میم متحرک ہے اب میم ساکن میم متحرک میں ادغام ہوگا اور اس طرح سے متحرک پر تشدید پیدا ہوگئی تو لام کے الف کے بعد میم مشدد ہوگئی اس طرح لام کا مد مدّلازم کلمی مثقل ہوا۔ اور میم کا مد مدلازم کلمی مخفف ہوا بہت سوں کو ان مدوں میں مغالطہ رہ جاتا ہے کہ وہ میم کو مشدد دیکھ کر میم کو مثقل کہہ دیتے ہیں اس مغالطہ سے بچنا ضروری ہے۔

مدلازم حرفی مخفف :۔ آلٓر۔ نٓ۔ صٓ

مدلازم حرفی مثقل :۔ آلٓمّٓ۔ آلٓمّٓر۔

مدلازم لین :۔ عٓسٓقٓ۔

مد عارض وقفی :۔ مُکَنِّیْ بَآنِّ ۔ اَلْمَصِیْرُ ۔ یَعْلَمُوْنَ

مد عارض لین :۔ طَوْلَ لَاضَیْرَ ۔

مندرجہ ذیل نقشہ سے اُمید ہے اچھی طرح سمجھ جائیں گے اکثر طلبہ کو میں نے اسی طرح سمجھا کر تجربہ کیا ہے کہ بہت جلد سمجھ جاتے ہیں ۔

نقشہ مدّات

اُ وْ یْ :۔ ساکن ماقبل اُن جیسی حرکت ۔

جن مدود کا پہلے ذکر لکھ چکا ہوں ان کے علاوہ بعض قراء نے مندرجہ ذیل مد کی قسمیں بھی بتلائی ہیں،

۱:۔ مد عوض ۲:۔ مد بدل ۳:۔ مد فرق ۴:۔ مد تعظیم یا توحید ۵:۔ مد نفی مبالغہ

۱:۔ مد عوض:۔ جب کسی کلمہ کا آخری الف ہو اور اس پر مفتوح تنوین ہو تو اس تنوین کو الف سے بدل کر کھینچ کر پڑھا جاتا ہے تو اسے مد عوض کہتے ہیں مثلاً خَبِيْرًا۔ قَدِيْرًا وغیرہ۔

۲:۔ مد بدل:۔ جہاں دو ہمزہ جمع ہوں اور پہلا ہمزہ متحرک ثابت رکھ کر دوسرے ہمزہ ساکن کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے مطابق حرف سے بدل کر پڑھتے ہیں تو اس تبدیل حرف مد سے بدل کر پڑھنے کو مد بدل کہتے ہیں مثلاً أَأْمَنُوْا کو آمَنُوْا۔ أَأْمَانٌ کو إِيْمَانٌ

۳:۔ جہاں دو ہمزے جمع ہوں پہلا ہمزہ استفہام دوسرا ہمزہ خبر کا ہو تو اس ہمزہ کو الف سے بدل کر پڑھتے ہیں تو اسے مد فرق کہتے ہیں (اور اسے ہمزہ کی تسہیل کے باب میں لکھا ہے) مثلاً أَأَللّٰهُ کو آللّٰهُ وغیرہ۔

۴:۔ مد تعظیم یا توحیدی:۔ یہ مد صرف لفظ اللہ کی عظمت اور وحدانیت کو ثابت کرنے کے قراء نے غیر قرآن میں جائز لکھا ہے اور اس کی مقدار سات الف مقدار ہے جیسے اذان میں اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کے لفظ اللہ پر۔

۵:۔ مد نفی یا مبالغہ:۔ یہ مد صرف سیدنا شیخ القراء حضرت قاری حمزہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ لَا نفی جنس کی وضاحت کے لئے مد کرتے ہیں یہ ہوتا بھی لفظ لَا پر ہے، یہ طیبہ کے طریق پر ہے نہ کہ شاطبیہ کے۔

مد کے لغوی معنی

کھینچنا۔ اصطلاح قراء میں اِطَالَةُ الصَّوْتِ بِحَرْفٍ مِّنْ حُرُوْفِ الْمَدِّ آواز کو حرف میں سے کسی حرف پر کھینچنا۔

تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ اگر تمام مدود کے سمجھنے میں اگر مندرجہ ذیل نقشہ کو سمجھ لیا جائے تو بہت آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

نقشہ :- حروف مدہ ا، و، ی ساکن ماقبل ان جیسی حرکات

مدّ

مدّ اصلی ——— مدّ فرعی

الف و ی

اسباب مد

سکون ——— ہمزہ

متصل[1] ——— منفصل[2]

یا :- واجب ——— یا :- جائز

مثال مدّ متصل ہمزہ کی

جَآءَ - جِیْٓءَ سُوْٓءَ

مثال مدّ منفصل ہمزہ کی

اِنَّآ اَرْدْنَا - ھُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ - اِمْکُثُوْٓا اِنِّیْ

کلمات ——— حروف مقطعات

مثال :- مثال

۱:- مدلازم کلمی مخفف آٰلْئٰنَ ۱:- مدلازم حرفی مخفف الٓمّٓ

۲:- مدلازم کلمی مثقل دَآبَّۃ ۲:- مدلازم حرفی مثقل الٓمّٓ

۳:- مد عارض وقفی تُکَذِّبَانِ تَعْلَمُوْنَ نَاصِرِیْنَ ۳:- مدلین لازم عٓسٓقٓ

۴:- مدعارض لین :- خَوْفٍ بَیْتٍ

مقدار مدّ

مد کی مقدار میں تین حالتیں ہیں ۱:- طول ۲:- توسط ۳:- قصر

(۱) طول کی مقدار میں کم از کم تین الف اور زیادہ سے زیادہ پانچ الف ہے۔

(۲) توسط : کی مقدار طول کے مطابقت سے ہوگی یعنی طول اگر تین الف ہے تو توسط دو الف

طول چار الف کو توسط دو یا تین الف اگر طول پانچ الف ہے تو توسط تین یا چار الف ہو گی۔
۳۔ قصر کی مقدار ایک الف ہو گی اگر اس سے بڑھ گئی تو توسط یا طول اگر کم ہو گئی تو حرکت بن کر رہ جائے گی۔

مد متصل میں طول اولیٰ ہے یعنی تین سے پانچ الف تک مگر جب کسی مد متصل پر وقف کیا جائے تو وہاں چونکہ دو قسم کے مد پیدا ہوں گے ایک تو متصل دوسرا مد عارض وقفی پیدا ہو گا، تو اس صورت میں اسے توسط سے پڑھیں گے اور توسط سے پڑھنا اولیٰ وافضل ہے۔

مد منفصل ۔ میں بھی طول اولیٰ ہے مگر اس میں توسط اور قصر بھی جائز ہے اس لئے قرآن میں جہاں بھی مد منفصل آئے اگر اسے پڑھا ہے تو ہر جگہ پڑھے اگر حذف کیا ہے تو ہر جگہ حذف کرے کیونکہ اس کا حذف کرنا بھی جائز ہے۔

مدود لازم کلمی حرفی مخفف ومثقل سب میں طول ہی جائز ہے گو بعض قرآء نے انہیں اختلاف کی کوشش کی ہے مگر جمہور قراء کی رائے پر ان میں طول ہی اولیٰ ہے مد لین لازم میں طول اولیٰ ہے جب کہ قصر و توسط بھی جائز ہیں۔

مد عارض وقفی میں طول توسط قصر تینوں جائز ہیں مگر طول اولیٰ ہے،

مد لین عارض میں طول، توسط قصر تینوں ہی جائز ہیں مگر برعکس مد عارض وقفی کے اس میں قصر اولیٰ ہے۔

جب بھی تلاوت شروع کی جائے تو مشاق قراء پر یہ لازم ہے کہ وہ مد کی مقدار شروع سے متعین کریں اور پھر تمام تلاوت میں اسکا التزام کریں اور اس میں فرق نہ آنے دیں یعنی مگر ابتداء میں مد متصل کے طول کی مقدار تین الف رکھی ہے تو تمام تلاوت میں تین الف ہی سے پڑھے اور ایسے ہی مد منفصل کی طول کی مقدار تین الف ہے تو اسے بھی تجوبی نبھائے اور منفصل میں توسط یا قصر کیا ہو تو تمام جگہ اسی طرز و طریقہ کو جاری رکھے نہ کہ کسی جگہ زیادہ کسی جگہ کم کرے۔ اس طرح سے اناڑی پن کا اظہار ہو گا اور تلاوت کی خوبی نمایاں نہ ہو گی بلکہ بھدا پن پیدا ہو جائے گا۔

اسی طرح جتنے بھی مد لازم ہوں ان کے طول کو برابر رکھے اور ان کے طول مد متصل

کے طول کے مساوی رکھے تاکہ پڑھنے میں آسانی اور خوبصورتی رہے، مد عارض وقفی اور مدلین لازم میں طول کا بھی اہتمام کرے اور مد عارض لین میں قصر کو خوب نمایاں کرے اس طرح وہ باریکیاں بھی واضح ہو جائے گی جو غیر قاری نہیں جانتے اور اپنی لاعلمی اور جہالت کا اعتراف کرنے کی بجائے خواہ مخواہ وہ اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں جس کا ایک نمونہ درج ذیل ہے،

"فن تجوید نے قرآن کے الفاظ کی صحت میں بے حد مدد دی ہے معلوم ہے کہ قرآن کو درست پڑھنا شرعاً ضروری ہے اس لئے فن تجوید سے استغنا کی بھی کوئی صورت نہیں، فن تجوید کا اصل مقصد الفاظ کے مخارج کی صحت اور صفات حروف اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے، لیکن مشکل یہ ہے گانا اور مخارج میں بلاوجہ تکلف تجوید کا جزبن گیا ہے، قاری کا تلفظ صحیح نہ ہو لیکن اس کی لے اچھی یعنی باندازِ غنا اور موسیقی ہو تو اسے زیادہ پسند کیا جاتا ہے آج کل جسقدر غلطی غیر مجوّد قاری کرتا ہے اسی قدر مجوّد قاری قرآن عزیز کو خراب کرتے ہیں عام قاری الفاظ کے مخارج اظہار۔ اخفیٰ۔ وقف اور ابتدا میں غلطی کھاتے ہیں، لیکن مجوّد قاری الفاظ کے زیر و بم اور لے سے موسیقی کی تانوں میں لے جا کر قرآن کی بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں اس میں اعتدال کی ضرورت ہے قرآن مجید صحیح طور پر پڑھا جائے اس کے مخارج درست ہوں لیکن اسے قوالی اور راگ کا انداز نہیں بنانا چاہیئے وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتٰبِ يَتَيْنِ وَاَهْلِ الْفِسْقِ فَاِنَّهٗ سَيَجِيْءُ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ الْقُرْاٰنَ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالرَّهْبَانِيَّةِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ مَنْ يُعْجِبُهُمْ شَانُهُمْ اھ طس ھب جامع الصغیر مع فیض القدیر ۲۵ ج ۲ قرآن کو عرب کی آواز اور لہجہ میں پڑھو اہل کتاب اور فساق کے لہجہ سے بچو عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو اسے موسیقی کی تانوں میں پڑھیں گے نوحہ اور رہبانیت کا لہجہ پسند کریں گے قرآن ان کے حلق سے نہیں اتریگا ایسے قرا اور انہیں پسند کرنے والوں کے دل فتنہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ مقدمہ ترجمۃ القرآن از ترجمہ ثنائی مطبوعہ بمبئی ص ۲۸ ۔

الحمدللہ۔ اللہ کا کرم ہے اب علمائے اہلحدیث نے بھی اس فن کی تعریف میں یہ چند الفاظ لکھ دیئے ہیں مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو کہے تو بڑا نیک متقی پرہیز گار ہے مگر "ڈاکو" ہے، اب ایک لفظ ڈاکو اس کے تمام صفات خوبیاں پر چھا گیا اور سننے والے سب بدظن ہو گئے۔

"اقتباس آج کل جس قدر غلطی غیر مجود قاری کرتا ہے اسی قدر سے مجود قاری قرآن عزیز کو خراب کرتے ہیں۔

اوّل تو سمجھا جائے کہ جو قرآن عزیز کو پڑھنے میں خراب کرتے ہیں وہ قاری مجود بھی ہیں۔ یا نہیں پورے سے کہہ سکتا ہوں

اور وہ حضرات جو فنی باریکیوں سے ناواقف ہیں وہ اپنی کم علمی کم فہمی اور جہالت کی بنا پر ہر اس شخص کو قاری کہہ سکتے ہیں جو قرآن کو گائے مگر مجود قاری کو کبھی گاتے ہوئے نہیں سن سکتے ہیں بلکہ قرآن مجید کو موسیقی کی تان میں باندازِ غنا سے جانا اور لہجہ میں فرق کرنا بہت ہی ضروری ہے۔

لہجہ کی تعریف ہے انسان کی طبعی آواز جو ہر وقت نکل سکتی ہے اور مختلف انداز ہیں، خصوصاً بعض لوگ جو نقالی کا مادہ رکھتے ہوں، جب کہ موسیقی کے راگ اور غنا کے اوقات اور انداز مقرر ہیں اور یہ بھی با قاعدہ فنی حیثیت رکھتا ہے، اور اس سیکھنے سکھانے میں بھی بہت سے آزادی پسند لوگ عمر عزیز کو ضائع کرتے ہیں اور قاری کوئی بھی ہو بشرط وہ صحیح فن سے واقف ہو تو کبھی موسیقی اور لے کی پرواہ نہ کرے گا، میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تک صاحب تحریر نے کسی مجود فنی قاری کا قرآن سنا ہی نہیں ہے اگر وہ سنتے تو ضرور بالضرور معترف ہوتے اور اکثر اجلاس جو کہ لائل پور ساہیوال گوجرانوالہ وغیرہ میں ہوئے ان میں میں نے بھی شرکت کی تو صرف انہیں قراء کو تلاوت کرتے سنا جو کہ تجوید کے ایک حرف سے بھی واقف نہیں مگر گلے کی رگیں تنی ہوئی ہیں اور سامعین کرام میں سے علماء بھی ہیں کہ اس پر سر دھن رہے ہیں، خصوصاً لائل پور کی ایک جامع مسجد کے امام صاحب دراصل وہ خوش آواز حافظ ہیں مگر یار لوگوں نے قاری کا دم چھلا لگا کر خوب مشہور کر دیا ہے اس طرح اُن جیسے غلط قرآن پڑھنے والے ہی مجود قاری کہلانے لگے۔

حالانکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں لہجہ سے قرآن پڑھنے کی تاکید ہے۔

زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ (دارمی)

زینت دو قرآن کو اپنی آوازوں سے۔

حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا (دارمی ج ۲ ص ۴۷۲)

ترجمہ:۔ قرآن مجید اپنی آوازوں سے حسین کرو کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن کو بڑھاتی ہے،

ان احادیث کی روشنی میں قرآن کے اصل ماہر قراء نے لکھا ہے کہ تحسین صوت اور خوش آوازی امر زائد مستحسن ہے اگر قواعد تجوید کے خلاف نہ ہو ورنہ مکروہ اگر لحن خفی لازم آئے اور لحن جلی لازم آئے تو حرام و ممنوع ہے پڑھنا اور سننا دونوں کا ایک حکم ہے، (فوائد مکیہ ص ۵)

اب میں نہیں سمجھتا کہ بلا سوچے سمجھے اس قسم کے اقتباسات کیوں تحریر کیے جاتے ہیں جبکہ اس عظیم فن سے ان کی اپنی ذات شریف بھی واقف نہیں ع مگر ملا آں باشد کہ چپ نہ شود کی مثال کی صداقت کو واضح کرتا ہے۔

صاحب تحریر قبل ازاں حضرت قاری عبدالمالک رحمہ اللہ تعالےٰ علیہ کو جب جہات تھے سنتے یا اب ان کے تلامذہ ارشد بہت سے جہات ہیں ان کو ہی سن لیتے تو کم ازکم اس قسم کی گل! افشانی سے اجتناب فرماتے۔

حضرت قاری عبدالمالک رحمہ صاحب اس دور کے سب سے بڑے امام قراءات تسلیم کئے گئے ہیں اور تمام مغربی پاکستان اور متحدہ ہند میں آپ ہی کا فیض ہے یا آپ کے تلامذہ ہی کا فیض ہے آپ کی مکمل زندگی کے حالات کسی اور شمارے میں دیئے جائیں گے،

اوجہ مدّ

قبل اس کے مدود کی وجوہات کے متعلق لکھوں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید میں وقف کی تین حالتیں ہیں۔

۱:۔ وقف بالاسکان ______

۲:۔ وقف بالروم ______

۲:۔ وقف بالاِشمام

۱:۔ وقف بالاسکان ۔ جس حرف پر وقف کرنا مقصود ہو اس کی حرکات کو بالکل ساکن کر دیا جائے، جو ہمارے ہاں وقف کرنے کا طریقہ ہے۔

۲:۔ وقف بالروم ۔ یہ وقف صرف ان کلمات پر ہی کیا جا سکتا ہے جن کے آخر حرف موقوف پر ضمہ یا کسرہ ہو۔ فتح میں یہ وقف نہیں ہوتا ہے وہ اس طرح پر کہ کسرہ اور ضمہ دونوں کی چوتھائی حرکت کو پڑھا جائے جسے صرف قریب کے اشخاص ہی سن سکیں، قراء کے علاوہ دوسرے اشخاص یہ وقف نہیں کر سکتے ہیں۔

۳ وقف بالاشمام، یعنی کلمہ موقوفہ کے آخر کو ہونٹوں سے اشارہ کرنا یہ صرف ضمہ میں ہی ہوتا ہے، کسرہ اور فتح نہیں ہو سکتا ہے، چونکہ ضمہ آدھی واؤ ہے اس لئے اس کی ادائیگی میں بھی ہونٹ گول ہو جاتے ہیں جس طرح واؤ کی ادائیگی میں ہوتے ہیں، یہ بھی عوام کے لئے مشقت کے درجہ میں ہے،

اوجہ مدّ جب حرف موقوف مفتوح ہو اور ماقبل حرف مد یا لین ہو مثلاً تَعۡلَمُوۡنَ ۔ خَیۡرٌ وقف کی تین حالتیں ہوں گی، طول مع الاسکان توسط مع الاسکان، قصر مع الاسکان اور تینوں وجہ جائز ہیں البتہ حروف مدہ پر طول مع الاسکان اور حروف لین پر قصر مع الاسکان اولیٰ ہے۔

اگر حرف موقوف مکسور ہے مثلاً الرَّحِیۡمِ تو عقلی وجہ چھ نکلتی ہیں طول مع الاسکان توسط مع الاسکان قِصرِ مع الاسکان طول مع الرّوم قصرِ مع الرّوم توسط مع الرّوم مگر ان میں طول مع الاسکان توسط مع الاسکان قصرِ مع الاسکان اور قصرِ مع الرّوم جائز نہیں باقی طول مع الروم اور توسط مع الرّوم ناجائز ہیں کیونکہ مد کے اسباب میں حرف آخر کا ساکن ہونا شرط ہے مگر یہاں حرف آخر کی حرکت کا کچھ حصّہ پڑھا جا رہا ہے ۔اس لئے طول اور توسط میں مد کا سوال ہی نہ ہوا ۔ تو جائز بھی غلط۔

جلد ۱۲ ش ۲۳ - ۲۴

بقیہ وجوہات مدّ وقفی کو باب الاوقاف والسکتہ میں بیان کروں گا (انشاء اللہ تعالیٰ)

ہا ضمیر کا بیان

جب کسی اسم کو بار بار تحریر میں لانا مقصود ہو تو طوالت کے خوف سے اور بار بار نام کے لکھنے سے عبارت کی دلچسپی اور کشش ختم ہو جاتی ہے اس اسم کی جگہ اسم ضمیر استعمال میں لاتے ہیں جو عربی میں ہائے ضمیر یا ہائے کنایہ کہلاتی ہیں اور یہ ہائے ضمیر صرف صیغہ واحد غائب مذکر میں ہی۔ استعمال کی جاتی ہے۔

ضمیر کی ہا کہیں مکسور اور کہیں مضموم کہیں صلہ سے اور کہیں بغیر صلہ سے پڑھا جاتا ہے قاعدہ یوں ہے جب ہا ضمیر سے ماقبل ی ساکنہ یا کسرہ ہو تو اس ہا کو مکسور پڑھتے ہیں۔ مثلاً عَلَيْهِ ۔ فِيْهِ ۔ بِرَبِّهٖ ۔ نُوَلِّهٖ وغیرہ مگر مندرجہ ذیل "ہا" ضمیر مستثنیٰ ہیں عَلَيْهُ اللّٰهَ سورۃ فتح پ ۲۶ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ سورۃ کہف پ ۱۵) ان میں باوجودیکہ ہا ضمیر سے ماقبل ی ساکن ہے مگر پھر بھی ہا ضمیر پیش پڑھی جا رہی ہے۔

جب ہا ضمیر سے ماقبل "ی ساکن اور کسرہ" کے علاوہ کوئی حرکت یا سکون ہو تو ہا ضمیر مضموم پڑھی جائے گی۔ مثلاً اَصَابَهٗ ۔ عِطَآءَهٗ وغیرہ مگر مندرجہ ذیل ایک کلمہ اس قاعدہ سے جدا ہے وَيَتَّقْهِ سورۃ نور پ ۱۸ قاعدہ کی رُو سے ہا مضموم نہ ہوئی چونکہ ق دراصل مکسور ہے اس کی اصلیت کی وجہ سے ہ کو مکسور پڑھا ہے۔

سورۃ اعراف پ ۹ اَرْجِهْ سورۃ نمل پ ۱۹ فَاَلْقِهْ کو امام حفص رہ نے ہ کو ساکن پڑھا ہے۔

جب ہا ضمیر سے ماقبل اور مابعد حرف متحرک ہو تو ہا ضمیر اشباع سے پڑھی جائے گی۔ جہاں مکسور ہو اسے ی کے مقدار کے برابر کھینچیں گے یعنی کسرہ کو کھڑی زیر اور ضمہ کو الٹی پیش بنا کر پڑھیں گے مثلاً مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا ۔ مِنْ عَدُوِّهٖ ۔ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى، وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ مگر اس قاعدہ سے مندرجہ ذیل کلمات مستثنیٰ ہیں وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ پ ۲۳ زمر۔ فِيْهٖ مُهَانًا سورۃ فرقان پ ۱۹ میں اشباع کیا ہے جب کہ عدم صلہ ہے۔

يَرْضَهُ لَكُمْ کی اصل يَرْضَاهُ ہے یہاں الف کو حذف کر کے ض کو صرف مضموم پڑھا اور

اس الف کے سکون کو اصل قرار دیگر اس " ہ " کو بغیر صلہ کے پڑھا ہے۔
فِيهِ مُهَانًا میں دوسرے قراء مثل امام عبداللہ ابن کثیر رحمہ کے امام حفص ؒ نے بھی صلہ کیا ہے، جو جمعًا بین اللغتین ہے۔

عَلَيْهُ اللّٰهَ اور وَمَا أَنْسٰنِيهُ جو کہ ابتدا میں تحریر کر چکا ہوں عَلَيْهُ اللّٰهَ میں ھا کی اصل کا خیال رکھا گیا ہے چونکہ ضمیر واحد مذکر غائب جو کہ ھُوَ اور تخفیف کے بعد یعنی واؤ کو حذف کے بعد ھُ رہ گیا تو اسی کا لحاظ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس " ہ " کے بعد لفظ اللہ آرہا ہے جس کا لام اسم الجلالۃ تفخیم کو چاہتا ہے تو کوشش یہی ہونی چاہئے، جہاں بھی قاعدہ کی رو سے لام میں تفخیم کی صورت نکلے اسے ہی اختیار کرے تاکہ لفظ اللہ کی جلالت قائم رہے بسبب تفخیم، باقی جنہوں نے لکھا ہے عَلَيْهِ کا اصل عَلٰهُ ہے یہ غلط ہے، کیونکہ علیٰ کا رسم اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ اصل میں علیٰ میں آخری الف نہیں بلکہ " ی " ہے اور اس ی کو الف سے بدلا گیا ہے، اس لیے علیٰ خود اصلی ہے نہ کہ علیٰ۔

البتہ عَلَيْهُ اللّٰهَ کی قراءت صرف امام حفص ؒ نے جائز رکھی ہے ورنہ باقی سب قراء عظام رحمہم اللہ تعالے علیہم نے اسے عَلَيْهِ اللّٰهَ پڑھا ہے بکسر الہا چونکہ عوام اپنی کم علمی کی وجہ سے صحیح بات کو جانتے نہیں ہیں تو بس جس طرح ایک دفعہ رو چل پڑی اسی طرف بہہ نکلے۔

أَرْجِهْ پ۹ اعراف، پ۱۹ نمل فَأَلْقِهْ پ۱۹ نمل میں جمع لغتین ہے امام حفص نے معتل کو اختیار کیا ہے اور جب کہ مہموز کے تارک ہیں جب کہ امام عبداللہ بن کثیر اور ہشام بن عمار بن نصیر شامی نے مہموز کی لغت اختیار کی ہے یعنی أَرْجِئْهُ وغیرہ چونکہ صیغہ امر کا ہے، جس کی وجہ سے یائے ساکن محذوف ہو گئی ہے اور ی کی جگہ پر " ہ " کر دیا۔ تو یہی صورت فَأَلْقِهْ میں ہو گئی ہے البتہ ابو عمرو بصری رحمہ أَرْجِئْهُ اور ابن ذکوان رحمہ أَرْجِئْهِ وغیرہ پڑھا ہے۔

ہا ضمیر پر وقف کا بیان

ہا ضمیر پر وقف بالاسکان میں سب کا اتفاق ہے البتہ وقف بالروم و اشمام میں اکثر مختلف الرائے ہیں، بعض نے تو ہر حال میں وقف بالروم و اشمام کو جائز رکھا ہے مگر بعض نے سرے

سے ہی ناجائز قرار دیدیا ہے اس طرح درمیانی راہ کو ہی اختیار کرنا ہے زیادہ صحیح ہوگا فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خیرالامور اوسطہا کے تحت درمیانی راہ کا اختیار کیا ہے جب ہا ضمیر سے ماقبل واؤ اور ہی یا مدہ اور اسی طرح کسرہ اور ضمہ نہ ہو تو اس جگہ پر وقف بالروم اور وقف بالاشمام ہوگا۔ جیسے وَاجۡتَبٰهُ هَدٰىكَ باقی جگہوں میں روم اور اشمام جائز نہ ہوگا۔

تمام قرآن مجید میں تین قسم کے ھا ہیں۔

۱۔ ہائے ضمیر

۲۔ ہائے وقفی

۳۔ ہائے مطلق۔

۱۔ ہائے ضمیر کا بیان ہو چکا ہے۔

(۲) ہائے وقفی :۔ وہ "ہا" ہے جو لکھتے ہیں تو تائے مدورہ یا مربوطہ کی شکل میں ہوتی ہے اور وقف کی صورت میں بدل جاتی ہے یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ یہ دراصل کیا ہے "ت" ہے یا "ہا"۔ اس ہا کی تعداد قرآن مجید میں بہت کثرت سے مل سکتی ہے، رَحۡمَةٌ (النحل) جَامِدَةً (النمل) اَلصَّلٰوةُ اَلزَّکٰوةَ وغیرہ۔

(۳) ہائے مطلق :۔ ایسی ہا جو وقف و وصل دونوں صورتوں میں ساکن رہے، ایسی ہا کی کل تعداد تمام قرآن مجید میں ۹ ہے۔

۱۔ لَمۡ يَتَسَنَّهۡ (البقرہ پ ۳)

۲۔ هُمُ اقۡتَدِهۡ (انعام پ ۷)

۳۔ مَالِيَهۡ ،

۴۔ كِتٰبِيَهۡ (دوبار) ۵۔ كِتٰبِيَهۡ ۶۔ سُلۡطٰنِيَهۡ

البتہ سات جگہ قرآن مجید میں ایسی نہیں کہ عربی سے ناواقف دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اور ان ہا کو بھی ضمیر کی سمجھتے حالانکہ وہ نفس کلمہ کی ہا ہوتی ہیں۔

۱۔ مَانَفۡقَهُ (سورۃ ھود پ ۱۲ ع ۶) (۲) لَئِنۡ لَمۡ يَنۡتَهِ (سورۃ مثریٰ ۱، پ ۱۹ ع ۶ ع ۱) سورۃ مریم ع ۳ اور سورۃ علق پ ۳۰

۳۔ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ ۴۔ فَوَاكِهُ سورۃ مومنون پ ۱۸ ع صفت پ ۲۳ ۲۶۔
مَا نُفْقَهُ اور فَوَاكِهُ میں لام کلمہ کی ہا ہے اور يَنْتَهِ اور تُنْتَهِ میں عین کلمہ کی ہا ہیں اس
ان پر صلہ نہ ہوگا، یہ تمام ہا وقف کی صورت میں ساکن پڑھ جائے گی اور ان پر وقف بالاسکان روم
اشمام تینوں جائز نہیں۔
بعض لوگ ھا مطلق کو وقف کی حالت میں الف سے بدل لیتے ہیں یہ بالکل غلط ہے کہیں
اس کا ثبوت نہیں ہے البتہ مَالِيَهْ کی ھا میں ادغام بحالت وصل ہوگا مگر سکتہ کرنا افضل
اور اولیٰ ہے۔

ادغام کا بیان

ادغام کے لغوی معنی ہیں ادخال الشی بالشی کسی بھی چیز کو کسی بھی چیز میں داخل کرنا۔
روایت سیدنا امام حفص کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی رُو سے کسی حرف ساکن کو اس کے مابعد
حرف متحرک میں اس طرح داخل کرنا کہ دوسرے حرف پر ایک تشدید پیدا ہو جائے البتہ دوسری
بعض روایات یا قراءت مثل سیدنا حضرت الامام قاری ابوعمرو بصری رحمۃ اللہ علیہ
وجو کہ اس فن تجوید و قراءات کے تیسرے بڑے امام ہیں بطریق شاطبیہ) وہ حرف متحرک کو
متحرک میں بہت سی جگہوں پر ادغام صغیر کہلاتی ہے، یہ دوسری قسم (ابوعمرو بصری رہ
والی۔ ادغام کبیر کہلاتی ہے یہاں صرف روایت حفص رہ کے متعلق ادغام کا ذکر کروں گا۔
ادغام کی تین قسمیں ہیں۔

۱ ادغام مثلین
۲ ادغام متجانسین
۳ ادغام متقاربین

ادغام مثلین:۔ جب پہلا حرف مدغم اور دوسرا حرف مدغم فیہ ایک ہی جیسے ہوں
تو ایک کو دوسرے میں ادغام کر دیتے ہیں مثلاً اِنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ اِذْهَبْ وغیرہ پہلا مدغم
ب ساکن اور ذال ساکن کے بعد بھی ب اور ذال ہی آرہے ہیں تو اسے ادغام صغیر مثلین

کہیں گے۔

ادغام متجانسین :۔ جب مدغم اور مدغم فیہ ہم مخرج ہوں اور صفات میں مختلف ہوں تو اسے متجانسین کہتے ہیں مثلاً ت کا ط میں وتا ت میں وغیرہ۔

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ ۔ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا وغیرہ۔

ادغام متقاربین :۔ جب مدغم اور مدغم فیہ میں نہ ادغام مثلین کی صورت بنتی ہو اور نہ ہی متجانسین کی تو ادغام متقاربین ہوگا، بعض حضرات نے جو یہ تعریف لکھی ہے کہ جب قریب مخرج یا قریب صفات ہو تو قریب کا ادغام ہوتا ہے تو یہ بات غلط ہے کیونکہ جب لام تعریف کا بعض حروف میں ادغام کرتے ہیں تو یہ شرط اور تعریف ٹوٹ جاتی ہے۔

مثال ادغام متقاربین اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ ق کا ک میں ادغام، اَلشَّمْسُ جو کہ حقیقت میں اَلْ شَمْسُ ہے تو لؔ کا شین میں ادغام ہوا ہے۔

ادغام متقاربین اور متجانسین کی دو اقسام ہیں۔ ۱ تام ۲ ناقص

ادغام تام :۔ مدغم کو مدغم فیہ میں اس طرح داخل کرنا کہ تشدید پیدا ہونے کے بعد مدغم کی ذرا سی بھی آواز نہ آئے صرف مدغم ہی پڑھا جائے جیسے اِذْ ظَّلَمُوْٓا یہاں ذال بالکل ظا میں داخل ہو گیا ہے اور پڑھنے میں صرف ظا کی آواز آئے گی، ذال کی بو باقی نہ رہے گی۔

ادغام ناقص :۔ مدغم کو مدغم فیہ میں اس طرح داخل کرنا کہ مدغم کی کچھ آواز اور بو باقی رہے جیسے فَرَّطْتُّ بَسَطْتَّ وغیرہ لیکن جب مدغم حرف مدہ ہو اور مدغم فیہ بھی اس کا مثل ہو تو ادغام نہ ہوگا جیسے اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ۔ يَرْضَوْا وَيَقُوْلُوْا۔

اس میں ادغام نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرف مدہ کی صفت لازمی مدیت نہ فوت ہو جائے اسی مسئلہ پر بھی تمام قراء کرام سبعہ عشرہ کا اتفاق ہے، اسی طرح حروف حلقی میں غیر حرف حلقی یا اپنے مجانس، متقارب میں ادغام نہ ہوگا، ہاں البتہ مثل کا ادغام ہوگا۔ مثلاً يَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا يُوَجِّهْهُ وغیرہ۔ مگر امام القراء سیدنا ابو عمرو بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حرف حلقی کا مماثل اور مجانس کا ادغام کیا ہے جیسے فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ لیکن باقی قراء نے اس سے اجتناب کیا ہے، کیونکہ ادغام کا مقصد ہی یہی ہے کہ حروف کے پڑھنے میں خفت پیدا کی جائے، اگر

حروف حلقی کا غیر حلقی میں ادغام کریں تو اوّل حروف حلقی کا مخرج بہت دور ہے دوسرے ان حروف میں ادغام کرنے سے خفت کی بجائے ثقالت بڑھ جاتی ہے، اہل عرب نے بھی ان حروف میں ادغام نہیں کیا ہے، ان کی عام بول چال میں اس سے پرہیز کیا جاتا ہے۔

بعض کلمات قرآن میں ادغام صغیر کے لئے خلف ہے ان کا بیان:۔

۱۔ یَلْهَثْ ذَّالِكَ (سُوْرَةِ اعراف پ ۹ ع ۲۲)۔ ۲۔ اِرْكَبْ مَّعَنَا (سورۃ ھود پ ۱۲ ع ۴)

ان دونوں کلموں میں جنس اور قرب کا ادغام ہے چونکہ آج کل ہمارے ہاں کثرت سے الفاظ میں یہ طریقہ پڑھنے پڑھانے کا رائج ہے،

۱:۔ میں بلا ادغام اور ۲:۔ کو بالا دغام

چونکہ ان کلمات کو بالا دغام اور بلا ادغام دونوں طرح متواتر عند القرا مشہور اور ثابت ہیں، کثرت رائے نے اسے متروک بنا دیا ہے اس لئے لازم ہے طلبہ کو دونوں طریقوں سے روشناس کرایا جائے۔

بَسَطْتُّ، اَحَطْتُّ، فَرَّطْتُّ اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں ادغام تام کو اولیٰ لکھا ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ ط کا ت میں ادغام ناقص ہے اور ق کا کافؔ میں ادغام تام اولیٰ ہے۔

ق اور ک کا مخرج اقصیٰ لسان ہے جسے حرکت دینی بہت عسر ہے جب کہ ط اور ت کے مخرج میں نوک زبان کو دخل ہے جسے حرکت دینی بہت آسان ہے، اس لئے یہاں "ط" کے بعد "ت" کا نکالنا بہت آسان ہے جب کہ "ق" کے بعد "ک" کا نکالنا بہت مشکل ہے اگر زبردستی ادغام ناقص ہی کی کوشش کی جائے تو "ق" اپنی قوت سے "ک" کو ختم کر دیگا۔

قاری عبدالرشید۔ قاری عبیدالرحمٰن فاروقی بی اے

(الارشاد جدید کراچی)

جلد ۱۲ ش ۲۳ و ۲۴

حقانیت مسلک اہلحدیث

تاریخی حقائق کی روشنی میں

یہ گرانقدر مقالہ جماعت اہلحدیث کے فاضل گرامی حضرت مولینا ابو القاسم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ نے مارچ ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مؤتمر ھند) میں بطور صدارتی خطبہ پیش فرمایا تھا اس کی علمی اہمیت کے باعث "فتاویٰ علماءِ حدیث" میں شامل کیا گیا ہے۔

(علی محمد سعیدی)

حقانیت مسلک اہلحدیث، تاریخی حقائق کی روشنی میں

مولانا محمد ابوالقاسم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

اللھم لک الحمد انت قیم السموٰت والارض ومن فیھن ولک الحمد انت نور السموٰت والارض ومن فیھن ولک الحمد انت ملک السموٰت والارض ومن فیھن ولک الحمد انت الحق ووعدک الحق وقولک حق ولقاءک حق والجنۃ حق والنار حق والساعۃ حق والنبیون حق ومحمد صلے اللہ علیہ وسلم حق اللھم صل علی محمد النبی الامی وازواجہ امھات المؤمنین وذریتہ واھل بیتہ کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید

خلت الدیار فسدت غیر مسود ومن الشقا تفردی بالسودد

ایھا السادۃ الکرام۔ سلام علیکم طبتم:۔

میری عقل اس گتھی کے سلجھانے سے قاصر ہے کہ صدارت کا قرعہ میرے ہی نام پر کیوں ڈالا گیا، جبکہ میری صحت کی خرابی معلوم اور میری علمی بضاعت کی قلت ظاہر تھی کانفرنس کی صدارت کے لئے ایک ایسے بالغ نظر صدر کی ضرورت تھی جو اپنے اندر ایک مدت کے فکر و تامل اور تجربہ و مشاہدہ کے باعث اس خوفناک کشاکش حیات میں جماعت کی صحیح قیادت کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہو میں ان خوبیوں میں سے تہی دامن اور سلیقۂ قیادت سے عاری ہوں، اس لئے اس انتخاب پر مجھ سے شکریہ کی توقع بے سود ہوگی، اگر یہ انتخاب محض نظم جلسہ کے لئے ہوا ہے تو میرے ناتواں ہاتھوں میں اتنی قوت نہیں کہ ایسے بڑے مجمع کو قابو میں رکھ سکوں جب تک کہ مجمع خود ہی احکام صدارت کی تعمیل نہ کرے محض آپ کی معاونت ہی مجھے میرے فرض سے عہدہ برآ کرسکتی ہے،

آغاز حضرات میں حیران ہوں کہ آپ کے سامنے کون سے حقائق پیش کروں! اہل حدیث کانفرنس کے مقاصد ستہ پر مرحوم قاضی سلیمان صاحب رحمہ اللہ اپنے خطبۂ صدارت (اجلاس پانزدہم آگرہ) میں کتاب و سنت سے کافی روشنی ڈال چکے ہیں، کانفرنس کی تاریخ اور اس کے کارنامے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اپنے خطبۂ صدارت (اجلاس بستم ۲۲ دوم آرہ) میں بیان فرما چکے ہیں جماعت اہل حدیث کے فرائض اور پھر ان سے کوتاہیاں مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم قصوری اپنے خطبۂ صدارت (اجلاس بستم و یکم فتحگڈھ) میں پیش فرما چکے ہیں، پس میرے لئے زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ میں اہل حدیث کے مسلک پر نظر ڈالوں جس کا حامل اور مظہر خود اس کا مبارک نام ہے۔

لقب اہل حدیث

یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے پہلا لفظ "اہل" ہے، جس کے معنی ہیں "والے صاحب" دوسرا لفظ "حدیث" ہے حدیث نام ہے کلام اللہ اور کلام الرسول کا قرآن کو بھی حدیث فرمایا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے مجموعہ کا نام بھی حدیث ہے پس اہل حدیث کے معنی ہوئے "قرآن و حدیث والے"، جماعت اہل حدیث نے جس طریق پر حدیث کو اپنا پروگرام بنایا ہے اور کسی نے نہیں بنایا اس لئے اسی جماعت کا حق ہے کہ وہ اپنے کو اہل حدیث کہے۔

لقب کی ابتداء

یہ لقب ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملا ہے حدیث میں آیا ہے:۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَجِيئُ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ وَمَعَهُمُ الْمَحَابِرُ فَيَقُولُ اللهُ لَهُمْ أَنْتُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ (إِلَى) انْطَلِقُوا إِلَى الْجَنَّةِ أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ (القول البديع للسخاوی ص ۱۸۹ من طرق متعددۃ۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اہل حدیث، اس حال میں آئیں گے کہ دواتیں ان کے ساتھ ہوں گی اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیگا تم اہل حدیث ہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔

باغ فردوس بر آں قوم مباح ست کہ خوش
روش راستی از قول پیمبر گیرند

صحابہ رضی اہل حدیث تھے

حضرت ابو ہریرہ رض نے اپنے کو "اہل حدیث" کہا ہے (اصابہ ص ۲۰۲ ج ۴ تذکرۃ الحفاظ ص ۲۹ ج ۱ و تاریخ بغداد ص ۲۶ ج ۹) (۲) حضرت عبداللہ بن عباس رض کو "اہل حدیث" کہا گیا (تاریخ بغداد للخطیب ص ۲۲۷ ج ۳ و ص ۱۵۴ ج ۹) (۳) حضرت ابو سعید خدری رض نے فرمایا إِنَّكُمْ خُلُوفُنَا وَأَهْلُ الْحَدِيثِ بَعْدَنَا (کتاب شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص ۲۱) یعنی ہمارے بعد تم تابعی لوگ اہل حدیث ہو، معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین رض سب اہل حدیث تھے،

(۴) امام شعبی رح نے ۵۰۰ پانچ سو صحابہ رض کو دیکھا تھا اور ۴۸ صحابیوں سے حدیثیں پڑھی تھیں، تمام صحابہ رض کو اہل حدیث کہا ہے (تذکرۃ الحفاظ ص ۷۳ ج ۱)

تابعین و تبع تابعین بھی اہل حدیث تھے

جیسا کہ ابھی رقم ۳ میں گذر ا ہا فی اہل حدیث تابعین کی فہرست خطیب رح نے اپنی تاریخ بغداد ص ۲۵۴ ج ۱۲ و ص ۱۰۵ ج ۱۴ میں رقم کی ہے کچھ لوگوں کو اپنی کتاب "شرف اصحاب الحدیث" میں ذکر کیا ہے جو دہلی میں طبع

ہو چکی ہے[1]، امام شعبی تابعی کا اہل حدیث ہونا تاریخ بغداد صـ۲۲۷ ج ۳ وصـ۱۵۴ ج ۹ میں مرقوم ہے تبع تابعین میں سفیان بن عیینہ کو حکماء اہل حدیث میں شمار کیا گیا ہے (تاریخ بغداد صـ۱۷۹ ج ۹) نیز ان کا اہل حدیث ہونا امام ابو حنیفہ کے ذکر میں بھی آئیگا سفیان ثوری تبع تابعی کا اہل حدیث ہونا تاریخ بغداد صـ۲۲۷ ج ۳ وصـ۱۵۴ ج موجود ہے نیز ان کا ارشاد ہے کہ اہل حدیث روئے زمین کے نگہبان ہیں (مفتاح الجنۃ للسیوطی صـ۴۷ وشرف اصحاب الحدیث صـ۴۵)

امام ابو حنیفہ رح کتاب اصول الدین میں ہے اصول ابی حنیفۃ فی الکلام کاصول اصحاب الحدیث (صـ۳ ج ۱) یعنی امام ابو حنیفہ رح کے اصول (عقائد و ذم تقلید) بیں اہلحدیث کے اصول جیسے ہیں، (وہ خود فرماتے ہیں) صَحَّ الْحَدِیْثُ هُوَ مَذْهَبِیْ (شامی مجتبائی صـ۴۶ ج ۱) یعنی "میرا مذہب حدیث ہے"، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھے پہلے پہل امام ابو حنیفہ رح نے اہل حدیث بنایا ہے (یہ الفاظ مولوی فقیر محمد جہلمی حنفی کی کتاب حدائق الحنفیہ صـ۱۳۴ طبع نولکشور کے ہیں، معلوم ہوا کہ امام اعظم اہل حدیث تھے اور دوسروں کو اہل حدیث بنانے تھے، آپ کے زمانہ میں اہل حدیث ہر جگہ موجود تھے جیسا کہ غایۃ الاوطار میں ہے کہ امام اعظم رح جب بغداد آئے تو اہل حدیث نے سوال کیا کہ رطب کی بیع تمر سے جائز ہے یا نہیں؟ (ترجمہ در مختار مطبوعہ نولکشور صـ۱۳۰ ج ۳)

امام ابو یوسف رح ابن معین رح نے آپ کو صاحب حدیث اور صاحب سنت کہا ہے، (تذکرہ صـ۲۶۹ ج ۱) تاریخ بغداد میں ہے یُحِبُّ اَصْحَابَ الْحَدِیْثِ وَیَمِیْلُ اِلَیْهِمْ (ص ۲۵۵ ج ۱۴) آپ اہلحدیث سے محبت رکھتے اور انہیں کی طرف مائل تھے، آپ نے اہل حدیثوں کو اپنے دروازے پر مجتمع دیکھ کر فرمایا تھا مَا عَلَی الْاَرْضِ خَیْرٌ مِّنْکُمْ (کتاب الشرف للخطیب صـ۵۱) کہ روئے زمین پر تم اہل حدیثوں سے بہتر اور کوئی نہیں ہے،

امام مالک رح آپ بھی اہل حدیث تھے، امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ صـ۲۳ میں آپ کو ائمہ اہل حدیث میں شمار کیا ہے اور وہیب نے آپ کو امام اہل الحدیث کہا ہے (تذکرۃ الحفاظ صـ۱۸۸ ج ۱)

امام شافعی رح منہاج السنۃ میں ہے اَخَذَ مَذْهَبَ اَهْلِ الْحَدِیْثِ وَاخْتَارَ لِنَفْسِهٖ (صـ۱۴۳ ج ۴) یعنی امام شافعی نے اپنے لئے اہلحدیث کا مذہب پسند کیا تھا، تہذیب نواوی میں ہے کہ نَشَرَ عِلْمَ الْحَدِیْثِ وَاَقَامَ مَذْهَبَ اَهْلِهٖ (ص ۴۴ ج ۱) آپ نے علم حدیث کو پھیلایا اور مذہب اہل حدیث قائم کیا، آپ

[1] اور چند سال ہوئے گوجرانوالہ سے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کے نفیس علمی مقدمے کیساتھ صرف عربی میں طبع ہوئی ہے (ع ع ج)

لوگوں سے فرمایا کرتے عَلَیْکُمْ بِاَصْحَابِ الْحَدِیْثِ فَاِنَّهُمْ اَکْثَرُ صَوَابًا مِّنْ غَیْرِهِمْ (توالی التاسیس مصری صـ ٦٣) یعنی تم لوگ اہل حدیثوں کے پاس جاؤ، یہ لوگ دوسروں سے زیادہ صواب پر ہیں۔

امام احمدؒ آپ کو قتیبہ بن سعید رحہ نے اہل حدیث کہا ہے، کتاب الشرف للخطیب صـ ٤٣) اور منہاج السنہ (ص ٣٣ ج ٤) میں ہے کَانَ عَلٰی مَذْهَبِ اَهْلِ الْحَدِیْثِ، اور مختصر طبقات الحنابلہ میں ہے طَائِفَةٌ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْحَدِیْثِ (ص ٨ طبع دمشق) دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد اہلحدیث کے مذہب پر تھے، آپ نے قول اللہ طَائِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ کی تفسیر میں فرمایا کہ "یہ طائفہ اہل حدیث ہے"، (کتاب الشرف صـ ٦١ ٢٢) ایک دفعہ آپ سے فرقہ ناجیہ کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا اِنْ لَّمْ یَکُوْنُوْا اَصْحَابَ الْحَدِیْثِ فَلَا اَدْرِیْ (ایضاً صـ ٢٤) کہ یہ اہل حدیث ہیں اگر یہ فرقہ ناجیہ نہ ہوں تو میں نہیں جانتا کہ اور کون فرقہ ہے؟" اسی طرح حدیث نبوی لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ (میری امت میں ایک گروہ مظفر و منصور رہے گا) کی بابت فرمایا کہ "یہ گروہ اہلحدیثوں کا ہے، اگر یہ لوگ مراد نہ ہوں تو پھر میں نہیں جانتا کہ اور کون ہیں؟ (کتاب معرفۃ علوم الحدیث للحاکم طبع مصر صـ ٢ وکتاب الشرف للخطیب صـ ٢٦ وشرح صحیح مسلم صـ ١٤٢ ج ٢ اور فتح الباری انصاری صـ ٨٥ پ ١ وصـ ٤١٧ پ ٢٩) اور حدیث نبوی لَا یَزَالُ اللّٰهُ یَغْرِسُ فِیْ هٰذَا الدِّیْنِ غَرْسًا کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اہلحدیث ہیں" (مختصر طبقات الحنابلہ صـ ٢٥٧) اور فرمایا لَیْسَ قَوْمٌ عِنْدِیْ خَیْرًا مِّنْ اَهْلِ الْحَدِیْثِ (کتاب الشرف صـ ٤٩) کہ میرے نزدیک اہلحدیث سے بہتر کوئی قوم نہیں ہے"، ایک بار فرمایا کہ انسان تو صرف اہل حدیث ہی ہیں (کتاب مذکور صـ ٥ طبقات صـ ٢٨٥) ابدال کی بابت فرمایا اِنْ لَّمْ یَکُنْ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ هُمُ الْاَبْدَالُ فَلَا اَعْرِفُ اَبْدَالًا (مفتاح الجنہ صـ ٩ وکتاب الشرف صـ ٥٠) یعنی "ابدال صرف اہلحدیث ہوتے ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر اور کوئی ابدال نہیں ہوگا"، ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی نے اہل حدیث کو برا کہا تو آپ نے اس بدگو کو تین بار زندیق (بے دین) فرمایا (طبقات الحنابلہ صـ ١٧ وصـ ٢٠ وکتاب الشرف صـ ٤٧ وعلوم الحدیث للحاکم صـ ٤) کیوں نہ ہو ؎

اَهْلُ الْحَدِیْثِ هُمُوْا اَهْلُ النَّبِیِّ وَاِنْ لَّمْ ... یَصْحَبُوْا نَفْسَهٗ اَنْفَاسَهٗ صَحِبُوْا

پیر جیلانیؒ بڑے پیر شیخ عبدالقادر جیلی نے اپنی کتاب غنیہ میں لکھا ہے کہ "اہل بدعت کی علامت اہلحدیث کو برا کہنا ہے وَلَا اِسْمَ لَهُمْ اِلَّا اِسْمٌ وَّاحِدٌ وَّهُوَ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ (ص ٩٠ ج ١ طبع مصر) اور اس جماعت کا سوائے اہل حدیث کے اور دوسرا نام نہیں ہے"، آپ کی پیدائش پانچویں صدی کے آخر میں ہوئی ہے،

پانچویں صدی ہجری کے سب سرحدوں کے مسلمان

اسی پانچویں صدی میں تمام سرحدوں کے مسلمانوں کا مذہب اہل حدیث کا پابند ہونا علامہ ابومنصور بغدادیؒ کی کتاب اصول الدین صد ۳۱۷ ج ۱) سے واضح ہوتا ہے :-

حَیْثُ قَالَ وَبَیَانُ ھٰذَا وَاضِحٌ فِیْ ثُغُوْرِ الرُّوْمِ وَالْجَزِیْرَۃِ وَثُغُوْرِ الشَّامِ وَثُغُوْرِ اٰذَرْبِیْجَانَ وَبَابِ الْاَبْوَابِ کُلُّھُمْ عَلٰی مَذْھَبِ اَھْلِ الْحَدِیْثِ مِنْ اَھْلِ السُّنَّۃِ یعنی روم و شام و جزیرہ اور آذربیجان کی سرحدوں کے باشندے سب کے سب اہلحدیث کے مذہب پر ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں

پانچویں صدی سے پیشتر کا حال بھی سنیئے، غزنی کے دربار میں اہل حدیث عالم موجود تھے، تاریخ فرشتہ میں سلطان محمود غزنویؒ کے وقائع صد ۲۹ میں مرقوم ہے کہ سلطان محمود نے ابوالطیب سہل بن محمد بن سلیمان صعلوکی رح کو ائمہ اہل حدیث سے تھا۔ برسم رسالت ملک ایلک خاں کے حضور میں بھیجا (تاریخ فرشتہ اردو صد ۳۵ ج ۱) اور ۴۱۰ھ میں سلطان محمود رح خود بھی قفال مروزی محدث کے اثر صحبت سے اپنا حنفی مذہب چھوڑ چکا تھا۔ دیکھو امام یافعی کی مرأۃ الجنان جلد سوم کا صد ۲۵ وصد ۳۵)

ہندوستان

اسی زمانے میں ہندوستان میں بھی اہلحدیثوں کا وجود ملتا ہے، مشہور عرب سیاح بشاری مقدسی جو ۳۷۵ھ میں ہندوستان آیا تھا، اپنی کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم میں سندھ کے مشہور منصورہ کے حال میں لکھتا ہے " یہاں کے ذمی بت پرست لوگ ہیں اور مسلمانوں میں اکثر اہلحدیث ہیں، یہاں مجھے قاضی ابومحمد منصوری سے ملنے کا اتفاق ہوا جو مذہب داؤد ظاہری کے پابند تھے"۔ (تاریخ سندھ صد ۱۲۷ ج ۲)

اس بیان سے لوگوں کو بہت تعجب ہوگا کہ ہندوستان میں جماعت اہلحدیث مولٰنا اسماعیل شہیدؒ اور علامہ محمد بن عبدالوہاب نجدی رح کی پیدائش سے بھی صدہا سال پہلے سے موجود ہے کیونکہ مقدسی چوتھی صدی ہجری میں گذرا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جماعت اہلحدیث (متحدہ) ہندوستان میں کوئی نئی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ جماعت اس وقت بھی موجود تھی جب کہ دنیا تقلید نے پھیلنا شروع کیا تھا جیسا کہ شاہ ولی اللہ رح نے حجۃ اللہ میں تصریح کی ہے کہ تقلید کا شیوع چوتھی صدی ہجری سے ہوا ہے (صد ۱۵۲ ج ۱) اسی زمانہ سے مذہبی کشاکش اور ملت کا بٹوارہ شروع ہوا۔ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا تھا لیکن تقلیدی مذاہب البتہ بزور شمشیر رائج کئے گئے۔

تقسیم مذاہب اربعہ

ان مذہبوں پر ملک میں بٹوارے کا حال کتاب الفوائد البہیۃ صد ۱۱ میں یوں مرقوم ہے۔

امام احمد کا مذہب نواحی بغداد میں پھیلا اور امام مالک کا مذہب بلاد مغرب اور بعض بلاد حجاز و یمن اور اطراف خراسان اکثر بلاد حجاز و یمن اور اطراف خراسان و توران اور بعض بلاد ہند میں اشاعت پذیر ہوا۔ باقی تمام ملکوں میں حنفیت کو عروج ہوا۔ اسی کتاب کی تعلیقات ص ۱۰۲ میں مرقوم ہے قفال کبیر شاشی المتوفی ۳۶۵ھ نے ماوراء النہر میں شافعیت پھیلائی۔ یہ امر سخاوی رحمہ نے بھی رسالہ الاعلان بالتوبیخ ص ۹۹ میں تحریر کیا ہے اور لکھا ہے کہ دمشق (شام) میں شافعیت ابو زرعہ محمد بن عثمان دمشقی کے ذریعہ سے پہنچی اور عبدان مروزی کی سعی سے مرو میں اور ابو عوانہ اسفرائینی کی کوشش سے اسفرائین میں شافعیت نے قدم جمائے (کتاب مذکور طبع دمشق ص ۹۹)

اشاعت بزور سلطنت

مذاہب مذکورہ کے بزور ریاست پھیلائے جانے کے چند حوالے سن لیجئے، مقریزی و ابن خلکان دونوں متفقہ طور سے لکھتے ہیں مَذْهَبَانِ انْتَشَرَا فِي مَبْدَءِ أَمْرِهِمَا بِالرِّيَاسَةِ وَالسُّلْطَانِ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ مِنْ أَقْصَى الْمَشْرِقِ إِلَى أَقْصَى أَفْرِيقِيَّةَ وَمَذْهَبُ مَالِكٍ فِي بِلَادِ أَنْدَلُسَ (وفیات الاعیان ص ۲۱۶ ج ۲) شروع میں دو مذہب بزور سلطنت پھیلے حنفی مذہب مشرق سے افریقہ تک اور مالکی مذہب اسپین میں، مصر میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی شافعی کے ہاتھ میں عہدہ قضاء کی باگ ڈور دے دی، اس وقت سے مصر میں شافعیت کو بہت کچھ فروغ ہوا (افتراق الامم طبع جوائب ص ۲۳۳) اور کتاب "اصول الدین" کے حوالہ سے بتایا گیا تھا کہ (خلافت عثمانی کا مفتوحہ افریقہ اور اس کی) سرحدوں کے مسلمان اہلحدیث کے مذہب پر قائم تھے، پھر کیا ہوا؟ سنیئے! علامہ مقریزی لکھتے ہیں۔

وَكَانَتْ أَفْرِيقِيَّةُ الْغَالِبُ عَلَيْهَا السُّنَنُ وَالْآثَارُ إِلَى أَنْ قَامَ عَبْدُ اللهِ الْفَاسِيُّ بِمَذْهَبِ الْحَنَفِيِّ ثُمَّ غَلَبَ أَسَدُ بْنُ الْفُرَاتِ قَاضِي أَفْرِيقِيَّةَ بِمَذْهَبِ الْحَنَفِيِّ (کتاب الخطط ص ۳۳۳ ج ۲) یعنی "افریقہ والوں پر اتباع سنت و اثر کا دور غالب رہا یہاں تک کہ عبداللہ فاسی وہاں حنفی مذہب لے کر پہنچا اور قاضی اسد حاکم افریقہ نے سارے ملک پر حنفی مذہب کو غالب کر دیا"۔ فَلَمَّا تَوَلَّى عَلَيْهَا الْمُعِزُّ بْنُ بَادِيسَ حَمَلَ أَهْلَهَا وَأَهْلَ مَا وَالَاهَا مِنْ بِلَادِ الْمَغْرِبِ عَلَى الْمَذْهَبِ الْمَالِكِيِّ (مقریزی و ابن خلکان ص ۱۰۵ ج ۲) معز بن بادیس والی افریقہ نے پانچویں صدی کے شروع میں سارے ملک افریقہ کو مالکی مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

اہل حدیث کی حکومت

ایک صدی بعد غیرت الٰہی کو حرکت ہوئی اور بلاد مغرب بلاد افریقہ میں موحدین (اہل حدیث) کی حکومت قائم ہو گئی یوسف بن عبدالمومن، پھر اس کے بعد اس کے بیٹے یعقوب بن یوسف نے بادشاہت کی، ان دونوں نے مذہب اہل حدیث کی پوری حمایت اور نصرت کی،

ذہبی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ ابوبکر بن جلانہ نے کہا میں امیر المومنین یوسف سے ملنے گیا تو دیکھا کہ ان کے سامنے قرآن مجید اور سنن ابی داؤد اور تلوار رکھی ہوئی ہے، خلیفہ نے ان تینوں چیزوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ سوائے ان تین (قرآن و حدیث اور تلوار) کے باقی سب بے سود ہے، اسی کتاب میں خلیفہ یعقوب کے حال میں مرقوم ہے کہ اس بادشاہ کے زمانہ میں افریقہ سے فقہ کا علم اٹھ گیا، خلیفہ نے کتب فقہ میں اشتغال سے منع کردیا تھا اور حکم دیا تھا کہ لوگ صحاح ستہ اور کتب سنن و مسانید پڑھیں پڑھائیں، خلیفہ خود بھی حدیث پڑھاتا اور حدیث یاد کرنے والوں کو انعام دیتا تھا، یہی وجہ کہ وہاں کے علماء پکے کٹر اہلحدیث اور تقلید کے دشمن ہوگئے تھے جیسے امام ابن حزم، علامہ قرطبی محی الدین ابن عربی وغیرہ ابن خلکان نے اس خلیفہ کے حال میں لکھا ہے، اَمَرَ بِرَفْضِ الْفِقْهِ وَلَا يُفْتُوْنَ اِلَّا بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَلَا يُقَلِّدُوْنَ اَحَدًا مِنَ الْاَئِمَّةِ (ص ۲۲۸ ج ۲) یعنی اس نے حکم دیا تھا کہ فقہ چھوڑ دو، قرآن و حدیث سے فتویٰ دو اور کسی امام کی تقلید نہ کرو، اس کے بعد وہاں سے مذہبی جھگڑے یکسر ختم ہوگئے،

ردِ عمل

افریقہ سے بھاگے ہوئے متعصب مولویوں نے مشرق میں پناہ لی اور حجاز و عراق نیز دیگر مقامات میں تقلیدی مذہب نے انتہائی تشدد اور عصبیت سے حکم جاری کیا اور یہ قانون بنادیا کہ مذاہب اربعہ کی تقلید واجب ہے اور ان سے خروج حرام (مقریزی ص ۳۴۴ ج ۲) اور یہ کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب علی سبیل الدوران حق ہیں، یعنی حق انہیں چاروں میں دائر ہے، اس زمانہ میں عمل بالحدیث حسب پیشگوئی مخبر صادق علیہ السلام (جو مشکوٰۃ میں بحوالہ ترمذی مذکور ہے ص ۴۵۹) انگارے پر ہاتھ ڈالنے سے بھی زیادہ دشوار اور مشکل ہوگیا تھا،

چار مصلے اور مدرسے

ساتویں صدی میں شاہ ظاہر بیبرس نے چاروں مذہبوں کے قاضی اور مدرسے الگ الگ بنادیئے (مقریزی ص ۳۴۴ ج ۲) اور نویں صدی کے اوائل میں شاہ ناصر فرج بن برقوق چرکسی نے خانہ کعبہ کے حرم مسجد میں مصلے بھی چار علیحدہ علیحدہ بنادیئے، (البدر الطالع ص ۲۶ ج ۲)

ممانعت تبدیل مذہب

چار مذہبوں میں حق دائر ماننے کے باوجود ایک مذہب کے التزام پر بھی زور دیا جاتا تھا، اگر ایک مذہب کا مقلد اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب میں چلا جاتا تو وہ سزا کا مستحق ہوتا تھا، سراجیہ میں ہے اِرْتَحَلَ اِلٰى مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ يُعَزَّرُ (در مختار نولکشوری ص ۲۶۰ و شامی مجتبائی ص ۱۹۰ ج ۳) پس حنفی کے لئے جب شافعی ہونا منع تھا تو اہلحدیث ہونا کب قابل برداشت ہوسکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مقلد پر حق ظاہر ہوجاتا اور وہ اہلحدیث کے طریقہ

پر عمل کرنے لگتا تو اسے دھمکایا جاتا، توبہ کرائی جاتی ورنہ قید کر دیا جاتا ہے، کما سیجئی کیونکہ اس نے تقلید سے رجوع کیا جو مقلدوں کے یہاں بالاتفاق حرام تھا لَا يَرْجِعُ عَمَّا قَلَّدَ فِيهِ اِتِّفَاقًا (تحریر لابن الہمام الحنفی)

مصائب اہلحدیث یعنی حضرات مقلدین کا اہل حدیث سے سلوک

فتاویٰ تاتارخانیہ ص۱۸۰ و فتاویٰ حمادیہ قلمی ورق ص۱۲۳ وجواہر الفتاویٰ قلمی ورق ص۲۴۳ میں مرقوم ہے کہ ایک شخص حنفی مذہب چھوڑ کر نماز میں قراءت فاتحہ خلف امام اور رفع یدین کرنے لگا۔ وہاں کے ایک بڑے حنفی عالم کو خبر ہوئی تو سخت ناراض ہوئے جاکر حاکم شہر سے اس کی رپورٹ کی، کوتوال نے اس شخص کو بلاکر دریافت کیا پھر جلاد سے کہا کہ اسے سر بازار کوڑے لگائے، کچھ لوگوں کو اس غریب عامل بالحدیث پر رحم آگیا، انہوں نے دوڑ دھوپ کی آخر اس سے توبہ کرائی گئی اور آئندہ کے لئے اس سے عہد و پیماں لے لیا گیا تو اسے رہائی نصیب ہوئی، (انتصار الحق ص۷۵)

حضرت امام شافعیؒ

آپ کا اہل حدیث ہونا اوپر بیان ہو چکا ہے، ان پر مالکی مذہب کے ایک مقلد ابن ابی السمیع مصری نے شب کی تاریکی میں لوہے کی ایک سلاخ سے حملہ کر کے سر توڑ دیا جس کے باعث آپ کا انتقال ہو گیا (توالی التاسیس ص۸۶)

امام حدیث حضرت بخاریؒ

آپ کو ایک متعصب حنفی ابوحفص کبیر نے پہلے تو بخاری میں فتویٰ دینے سے رکوایا، پھر شہر بدر کرا دیا۔ (الجواہر المضیۃ ص۶۷ ج۱)

امام حدیث حضرت ابن تیمیہؒ

آپ سے مناظرہ کرنے کے لئے پہلے فقیہ شافعی محمد صفی الدین پیش ہوا (درر کامنہ ص ۱۵ ج ۴) جب یہ ہار گیا تو اس کا شاگرد ابن زملکانی شافعی مدمقابل بنا۔ (ایضاً ص۱۴۵ ج۱) آخر میں آپ کو قید کر دینے کا مشورہ ہوا تو سزائے قید کا حکم دینے والا مالکی مذہب کا قاضی تھا (ایضاً ص۱۴۷ ج۱)۔

امام حدیث حضرت یوسف مزیؒ

آپ کو صرف اس قصور پر کہ آپ نے امام ابن تیمیہؒ کی طرف سے صفی الدین شافعی مذکور سے مباحثہ کیا تھا اور امام بخاریؒ کی کتاب خلق افعال العباد سے استناد کیا تھا، شافعی مذہب کے قاضی نے قید کی سزا دے دی (درر کامنہ ص ۱۴۹ ج ۱ و البدر الطالع ص ۳۵۲ ج ۲)

حافظ عبدالغنی مقدسیؒ

جو کھلے اہلحدیث تھے چھٹی صدی کے فقہاء نے ان کا خون مباح کر دیا تھا، پھر

بعض صاحب اثر حضرات کی سعی سے ان کے قتل کا حکم منسوخ ہوا لیکن دمشق سے نکال دیئے گئے، آخر مصر میں گمنامی کی حالت میں اپنی زندگی پوری کی (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۶۶ ج ۱)

سید محمد بن اسمٰعیل صنعانیؒ صاحب سبل السلام بجرم انکار تقلید و رفع الیدین فی الصلوٰۃ وغیرہ قید خانہ میں ڈال دیئے گئے یہ واقعہ بارہویں صدی ہجری کا ہے (البدر الطالع ص ۱۳۴ جلد ۲)

شاہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ آپ نے ایک مسئلہ کے ثبوت میں حدیث نبوی پیش کی تھی اس پر قاضی رکن الدین حنفی نے ان کی شکایت بادشاہ غیاث الدین سے کی اور ان کے سخت درپے آزار ہوا (تاریخ فرشتہ اُردو ص ۱۶ جلد ۲)

شاہ اسماعیل شہیدؒ کا وعظ جامع مسجد دہلی سے بند کرنیوالے مولانا فضل حق حنفی خیر آبادیؒ تھے جو کہ پنڈنٹ دہلی کے سررشتہ دار تھے (سوانح احمدی ص ۱۴۴ وحیوۃ طیبہ ص ۹۵ و ص ۷)

یہ مختصر سا نمونہ تھا، ارباب تقلید کے سلوک کا اصحاب حدیث سے۔ ع

بپایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی

مقلدوں کی مذہبی جنگ اب ان مقلدوں کے باہمی مناقشوں اور مجادلوں کا حال سنیئے اور غور فرمایئے کہ جب یہ حضرات اپنے ہی تقلیدی بھائیوں کا وجود برداشت نہیں کر سکتے تو "غیر مقلد" بیچارے کس شمار و قطار میں ہیں۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فقیہ شافعی عبدالکریم قشیری ۴۶۹ھ میں بغداد میں آئے اور اشاعت مذہب شروع کی تو حنبلیوں سے ان کا مقابلہ ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد میں شافعیوں اور حنبلیوں میں بڑا کشت و خون ہوا دونوں گروہوں سے ایک جماعت قتل ہوئی، آخر نظام الملک نے جھگڑا ختم کرایا (ص ۳۰۳ ج ۱) اور نیشاپور میں، حناف وشوافع کے درمیان فساد عظیم ہوا۔ فریقین قتل ہوئے اور ان کے مدارس جلائے گئے (مراۃ الجنان ص ۳۰۰ ج) اور النہر کے حنفی اور شافی لڑنے جھگڑنے کی قوت باقی رکھنے کے لئے ماہ رمضان کے روزے چھوڑ دیا کرتے تھے، (میزان شعرانی طبع مصر ص ۴۳ ج ۱)

تقلیدیوں کے بہتانات ایک نے دوسرے پر جھوٹی تہمتیں جو دھری ہیں ان کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو۔

امام مالکؒ پر یہ افترا کیا گیا کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے، دیکھو ہدایہ جلد دوم، کتاب النکاح، ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں اس کا غلط ہونا ثابت کیا (دیکھو ص ۳۶ جلد ۲ طبع نولکشور)

امام شافعیؒ ان پر یہ الزام دھرا گیا کہ انہوں نے شطرنج کھیلنا جائز کر دیا ہے (ہدایہ جلد چہارم کتاب الکراھیہ) حالانکہ امام شافعیؒ نے اباحت شطرنج کا قول امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے، دیکھو عینی شرح ہدایہ ص ۲۸۰ جلد ۴) کیسے مزے کی بات ہے کہ قول ابو یوسفؒ کا گلے لگا دیا جائے امام شافعیؒ کے اور بندر کی بلا طویلے کے سر۔

امام احمدؒ پر تہمت لگائی کہ وہ کہتے ہیں اذا نزل یخلو منہ العرش یعنی نزول باری سے عرش خالی ہو جاتا ہے، حالانکہ امام ممدوحؒ نے جو خط مسدد بن مسرہد کو لکھا تھا اس میں صاف تصریح کی ہے کہ انہ سبحانہ اذا نزل فلا یخلو منہ العرش (ہدیۃ البہیہ ص ۱۱) دیکھئے یاروں نے نفی کا اثبات کر دیا۔

امام ابو حنیفہؒ پر یہ اتہام لگایا کہ آپ کرامات اولیاء کے منکر ہیں، شافعی نے اس کا بہتان ہونا ثابت کر دیا ہے (ص ۲۹ جلد ۱۱)

امام بخاریؒ پر ابو حفص کبیر نے یہ بہتان لگا کر انہیں بخارا سے نکلوایا تھا کہ آپ نے فتویٰ دیا ہے، کہ گائے بکری کا دودھ اگر کوئی لڑکا اور لڑکی پی لے تو ان میں رضاعت ثابت ہو جائے گی، (الجواہر المضیہ) حالانکہ امام بخاریؒ نے ایسا کوئی فتویٰ دیا ہی نہیں تھا، یہ ان پر تہمت ہے (دیکھو الفوائد البہیہ ص ۱۳)

امام ابن تیمیہؒ پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کہا اِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا کَنُزُوْلِیْ ھٰذَا وَنَزَلَ دَرَجَۃً (رحلہ ابن بطوطہ طبع مصر ص ۵۵ ج ۱) یعنی اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف اس طرح اترتا ہے جیسے میں منبر کے زینہ سے اترتا ہوں اور وہ ایک زینہ نیچے اتر گئے، حالانکہ انہوں نے اپنے لامیہ میں صاف فرمایا ہے وَاِلَی السَّمَاءِ بِغَیْرِ کَیْفٍ یُنْزِلُ (جلاء العینین مصری ص ۳) یعنی نزول بیان نہیں کی جا سکتی، پس دیکھو سیاح ابن بطوطہ نے امام پر کیسا غلط اور جھوٹا[۱] الزام لگا دیا ہے۔ ؏

جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ

---

[۱] ابن بطوطہ کے اس الزام پر مدلل اور بھرپور تنقید حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (طبع المکتبۃ السلفیۃ لاہور) ص ۸۹۳ - ۷۹۸ لائق مطالعہ ہے (ع۔ ح)

اسی طرح دیگر ائمہ علماء پر بھی جھوٹے بہتان لگائے گئے ہیں۔ دیکھو رسالہ رفع الملام مولفہ مولانا محمد یونس صاحب قریشی دہلوی۔[1]

اہلحدیثوں پر افتراء

جماعت موحدین اہل حدیث پر بھی بہت سے جھوٹے الزام و بہتان لگائے گئے ہیں، دیکھو جامع الشواہد، انتظام المساجد اور ابطال وہابیہ وغیرہ، سنن مجتبیٰ نسائی کے ایک محشی[2] نے ایک حاشیہ میں لکھا ہے،

ثُمَّ لِيُعْلَمَ اَنَّ الَّذِيْنَ يَتَدَيَّنُوْنَ دِيْنَ عَبْدِ الْوَهَّابِ النَّجْدِيِّ وَيَسْلُكُوْنَ مَسْلَكَهُ فِي الْاُصُوْلِ وَالْفُرُوْعِ وَيُدْعَوْنَ فِيْ بِلَادِنَا بِاسْمِ الْوَهَّابِيِّيْنَ وَغَيْرِ الْمُقَلِّدِيْنَ وَيَزْعُمُوْنَ اَنَّ تَقْلِيْدَ اَحَدِ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ شِرْكٌ وَاَنَّ مَنْ خَالَفَهُمْ هُمُ الْمُشْرِكُوْنَ يَسْتَبِيْحُوْنَ قَتْلَنَا اَهْلَ السُّنَّةِ وَسَبْيَ نِسَائِنَا (اِلٰى) هُمْ فِرْقَةٌ مِنَ الْخَوَارِجِ ۔

(نسائی طبع مجتبائی ص۲ جلد ۱) یعنی "جو لوگ ہمارے ملک ہند میں وہابی غیر مقلد کہے جاتے ہیں اور عبد الوہاب نجدی کا دین اختیار کر کے اس کے مسلک پر اصول و فروع میں چلتے ہیں، ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو شرک اور مقلدوں کو مشرک کہتے ہیں، ہمارے مردوں کا قتل اور ہماری عورتوں کو قید کرنا مباح جانتے ہیں، یہ لوگ خارجیوں کے فرقہ سے ہیں"۔[3]

ان تہمتوں کے جواب میں سوائے لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ الْمُفْتَرِيْنَ کے اور کیا کہا جا سکتا ہے یہ لوگ اہلحدیث کے مسلک سے یا تو یکسر جاہل اور ناواقف ہیں یا تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔

اہلحدیث کا مسلک

جماعت اہل حدیث کا مسلک ان شعروں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے، ؎

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن	پس حدیث مصطفےٰ بر جاں مسلم داشتن
وہ چہ خوش باشد نہ ابر رحمت قول رسول	گل زمین فکرت و دل سبز و خرم داشتن
از روایت فیض یاب و دل بہ حسن اعتقاد	در حریم کعبۂ اسلام محرم داشتن
گاہ از نذ کاہ مسلم، جاں نمودن مست فیض	گاہ در شوق "بخاری" دل متیم داشتن

[1] متوفی کراچی ... رحمۃ اللہ علیہ (ع۔ ح)
[2] یہ محشی مولوی وصی احمد تھے (طبع نظامی کانپور)
[3] ان الزامات کا ناقدانہ جائزہ بھی خوب لیا گیا ہے جو قابل مراجعت و مطالعہ ہے (ع، ح)

(طبع المکتبۃ السلفیۃ لاہور)

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہونے کے وقت ارشاد فرمایا تھا مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ الخ (مشکوٰۃ ص ۲۲) آپؐ نے اس حدیث میں خبر دی ہے کہ میرے بعد امت میں اختلاف کی کثرت ہوگی۔ اس وقت میری سنت اور خلفاء راشدین کی روش اختیار کرنا۔

صحابہ رضؓ کا اختلاف اعتقادی امور میں تو ہو نہیں سکتا تھا، وہ لوگ آپؐ کی صحبت اور تعلیم کے باعث راسخ الاعتقاد تھے، لامحالہ یہ اختلاف فروعی ہوگا۔ اس لئے آپ نے حدیث مذکور میں اپنی سنت کیطرف توجہ دلائی ہے پھر خلفائے راشدینؓ کی روش کی طرف۔

خلفاءؓ کی سنت

اب دیکھنا یہ ہے کہ اختلاف کے وقت ان بزرگان خلفاء راشدینؓ کی روش کیا ہوا کرتی تھی۔

(۱) سب سے پہلا اختلاف اس امر میں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موت لاحق ہوئی ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا وَاللّٰہِ مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (بخاری ص ۵۱۷ جلد ۱) اللہ کی قسم آپ مرے نہیں ہیں، حضرت صدیق اکبر رضؓ نے آیات قرآنیہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ وغیرہ پیش کیں، تو سب کو آپ کی موت کا یقین آگیا (حوالہ مذکور)

دوسرا اختلاف انتخاب خلیفہ کے وقت ہوا انصار نے کہا مِنَّا اَمِیْرٌ وَّمِنْکُمْ اَمِیْرٌ (ایضاً) یعنی ہمارا خلیفہ ہم ہی سے ہوگا اور مہاجروں کا ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حدیث الائمۃ من قریش سنائی کہ خلیفہ قریشی ہونا چاہیئے فَلَمَّا سَمِعُوْا حَدِیْثَ الْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ رَجَعُوْا مِنْ ذٰلِکَ اَذْعَنُوْا (فتح الباری انصاری ص ۲۶۵ پ ۱۴) یعنی جیسے ہی سب لوگوں نے حدیث مذکور سنی اپنے ارادوں سے باز آگئے اور گردنیں جھکا دیں۔

پھر اختلاف ہوا کہ آپ کو دفن کہاں کیا جائے، حضرت ابوبکر رضؓ نے حدیث سنائی کہ میں نے آپ سے سنا ہے فرماتے تھے مَا یُقْبَضُ نَبِیٌّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یُقْبَضُ (ترمذی وابن ماجہ) کہ پیغمبروں کی جہاں وفات ہوتی ہے، اسی جگہ وہ دفن کئے جاتے ہیں، آخر حجرہ نبویہ میں قبر کھودی جانے لگی۔

(۴) پھر اختلاف ہوا کہ قبر بغلی ہو یا صندوقی ۔ (ابن ماجہ) اتنے میں بغلی کھودنے والے پہلے پہنچ گئے اور بغلی قبر تیار ہوئی اس طرح حدیث نبوی اَللَّحْدُ لَنَا (ابوداؤد وغیرہ) پر حکمت الٰہیہ سے عمل کرنے کی توفیق

سب کو نصیب ہوئی۔

(۵) استحکام خلافت کے بعد وارثوں نے اپنے اپنے حصے کا مطالبہ شروع کر دیا، ازواج مطہرات رضی نے اپنے حصے کے لیے حضرت ابوبکر رضہ کے پاس حضرت عثمان رضہ کو بھیجنے کا ارادہ کیا (بخاری و مسلم) حضرت فاطمہ رضہ اور عباس رضی نے اپنا اپنا حصہ طلب کیا (بخاری ۲؍پ) حضرت صدیق اکبر رضہ نے سب کے سامنے حدیث نبوی لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ پیش فرما دی، اس پر سب لوگ خاموش ہو گئے حتی کہ حضرت فاطمہ رضہ جنھوں نے پہلے اظہار رنج کیا تھا بعد میں وہ بھی راضی ہو گئیں (بیہقی ص ۳۰۱ ج ۶)

(۶) خلیفہ اول رضہ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کا جب عزم مصمم کر لیا تو حضرت عمر رضہ مانع ہوئے اور حدیث نبوی أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا (بخاری پ) پیش کی کہ یہ لوگ کلمہ شہادت تو پڑھتے ہیں! حضرت ابوبکر رضہ نے دوسری حدیث سے جس میں بحق الاسلام وارد ہوا ہے استدلال کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاموش کر دیا کہ زکوٰۃ حق الاسلام ہے فتح الباری فرماتے ہیں فَلَمْ يَلْتَفِتْ أَبُوْبَكْرٍ إِلٰى مَشُوْرَةِ عُمَرَ إِذْ كَانَ عِنْدَهٗ حُكْمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صحیح بخاری ص ۱۰۹ ج ۲) یعنی چونکہ حضرت ابوبکر رضہ کے پاس حدیث نبوی موجود تھی، انہوں نے حضرت عمر رضہ کا استدلال مسترد کر دیا۔ یہ تھیں پہلے خلیفہ راشد رضہ کی سنتیں اب خلیفہ دوم کی روش ملاحظہ ہو۔

(۷) حضرت عمر رضہ سے آخری وقت میں کہا جا رہا تھا کہ کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا ہوتا، تو جو حضرت ابوبکر رضہ نے آپ کو مقرر کر دیا تھا تو جواب دیتے ہیں۔ إِنْ لَا أَسْتَخْلِفْ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْتَخْلِفْ وَإِنْ أَسْتَخْلِفْ فَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ قَدِ اسْتَخْلَفَ (صحیح مسلم ص ۱۲۰ جلد ۲) یعنی اگر میں خلیفہ مقرر نہ کروں تو اس میں سنت نبویہ کا عامل ہوں گا۔ اور اگر خلیفہ مقرر کر دوں تو ابھی ابوبکر رضہ کی سنت پر عمل ہو گا۔ چونکہ سنت نبوی پر عمل کرنا ہی افضل ہے اس لئے حضرت عمر رضہ نے کسی خاص شخص کو خلیفہ مقرر نہیں کیا، چنانچہ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضہ فرماتے ہیں۔ فَعَلِمْتُ أَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ لِيَعْدِلَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ أَحَدًا وَأَنَّهٗ غَيْرُ مُسْتَخْلِفٍ (حوالہ مذکور) یعنی میں سمجھ گیا کہ حضرت عمر رضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو نہیں ٹھہرائیں گے اور وہ کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کریں گے، معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین رضی کی سنت کو سنت نبویہ کے خلاف سمجھتے تو اس خلیفہ کی سنت کو چھوڑ دیتے اور سنت نبویہ کو لازم پکڑتے تھے، آئیے ایک واقعہ حضرت عثمان رضہ اور حضرت علی رضہ کا بھی سن لیجئے کہ یہ بھی خلفاء راشدین سے ہیں۔

(۸) ولید بن عقبہ نے کوفہ میں نبیذ پی تو نشہ آگیا، نشے کی حالت میں پکڑے گئے، خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضؓ نے مقدمہ کی تحقیقات کے بعد حضرت علی رضؓ کو حکم دیا کہ ولید پر حد شرعی لگائیں، عبد اللہ بن جعفر رضؓ نے کوڑے مارنے شروع کیے اور حضرت علی رضؓ نے شمار کرنا شروع کیا، جب چالیس کوڑے لگ چکے تو علی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ رضؓ سے فرمایا کہ بس قَالَ اَمْسِكْ جَلَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ اَرْبَعِيْنَ وَعُمَرُ ثَمَانِيْنَ وَكُلٌّ سُنَّةٌ وَهٰذَا اَحَبُّ اِلَيَّ (صحیح مسلم ص ۲، ج ۲) یعنی اب رک جاؤ، عہد نبوی و خلافت صدیق تک حد چالیس درّے رہی، حضرت عمر رضؓ نے اسی مقرر کی مجھے عہد نبوی کی مروج حد زیادہ پسند ہے، دیکھے، حضرت علی رضؓ نے دونوں کو سنت فرما کر سنت نبوی کو سنت فاروقی پر مقدم کیا۔ حالانکہ حضرت عمر رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے مشورہ سے ہی اسی کوڑے مقرر فرمائے تھے (موطا ر ملاحظہ ہو) نیز حضرت عثمان رضؓ خلیفہ راشد نے بھی چالیس پر سکوت فرما کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

نتیجہ مذکورہ سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو تمام اقوال وافعال پر مقدم کرنا ہی خلفاء راشدین، عہد سین کا طریقہ تھا جماعت اہل حدیث کا بھی یہی مسلک ہے، اِذَا جَاءَهُمْ اللّٰهِ بَطَلَ نَهْرُ مَعْقِلٍ۔

ملاحظہ خلفاء راشدین نے جو کام سیاست یا کسی وقتی ضرورت کے باعث کیا یا کرایا تھا وہ ہمارے لیے بلا دلیل شرعی حجت نہیں، دیکھو! عبد اللہ بن عمر رضؓ نے شامیوں کو جب تمتع بالحج کا فتویٰ دیا تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ کے ابا جان تو منع کرتے تھے تو عبد اللہ رضؓ نے فرمایا؟ اَمْرُ اَبِيْ يُتَّبَعُ اَمْ اَمْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ترمذی) یعنی میرے ابا کی اتباع واجب ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ معلوم ہوا کہ ہر پیش آنے والے امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو مدنظر رکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ؎

ہوتے ہوئے مصطفےٰ کی گفتار — مت دیکھ کسی کا قول و کردار

خلفاء راشدین رضؓ ہر پیش آنے والے امر میں حدیث نبوی تلاش کرتے تھے

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے پاس جدّہ نے آکر اپنا حصہ دریافت کیا۔ آپ کو اس مسئلہ میں کوئی حدیث نبوی یاد نہ آئی تو صحابہ رضؓ سے دریافت کیا۔ دو صحابیوں (مغیرہ بن شعبہ رضؓ محمد بن مسلمہ رضؓ) نے حدیث سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جدّہ کو چھٹا حصہ دلوایا تھا۔ ابو بکر صدیق نے اسی حدیث کے مطابق فیصلہ فرمایا (مؤطاء و سنن اربعہ) حضرت عمر رضؓ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا کہ مقتول شوہر کی دِیت سے اس کی بیوی کو حصہ ملنا چاہیئے یا نہیں؟ آپ نے فتویٰ نفی کا دیا۔ ضحاک رضؓ بن سفیان نے سُنا تو منیٰ میں آپ سے ملاقات کی اور کہا کہ میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نوشتہ موجود ہے کہ آپ نے اشیم رضؓ ضبابی کی بیوی کو اشیم رضؓ کے مارے جانے کے بعد اس کی دیت سے حصہ دینے کا حکم دیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمایا اور حدیث کے موافق فتویٰ دیا (موطاء و سنن اربعہ)

حضرت عثمان رضؓ کا خیال تھا کہ جس عورت کا شوہر مر جائے تو وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ آخر آپ کو حدیث نبوی کی تلاش ہوئی تو ابو سعید خدری رضؓ کی بہن فریعہ رضؓ بنت مالک نے اپنا واقعہ سنایا کہ میرا شوہر مارا گیا تھا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں عدت کہاں گذاروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ شوہر کے گھر پر۔ حضرت عثمان رضؓ نے اسی حدیث کے مطابق فیصلہ کیا۔ (موطا و سنن اربعہ) حضرت علی رضؓ کے پاس مرتد لوگ لائے گئے۔ آپ نے ان لوگوں کو آگ میں زندہ جلا دینے کا حکم دے دیا۔ ابن عباس رضؓ نے سُنا تو یہ حدیث پیش کی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ۔ یعنی ”ارشاد نبوی یہ ہے کہ مرتدین کو تلوار سے قتل کرنا چاہیئے۔ حضرت علی رضؓ نے سُن کر فرمایا صدق ابن عباس (ترمذی) یعنی ”ابن عباس رضؓ نے درست کہا“ اس طرح کے بہت سے واقعات خلفاء راشدین رضؓ کے کتب حدیث میں موجود ہیں۔

جماعت اہل حدیث کا طریق عمل بھی وہی ہے جو خلفاء راشدین رضؓ و سلف صالحین رحؒ کا تھا۔ ہم حدیث نبوی کے مقابلہ میں کسی رائے اور قول کو نہیں مانتے لیکن ان بزرگوں کی بزرگی اور وقار کے قائل ہیں اور کہتے ہیں ؎

آں اماماں کہ کردند اجتہاد

رحمت حق بر روان آں جملہ باد

تذکرہ شریعت کا مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس شریعت کو بندوں تک پہنچانے والے معصوم پیغمبر ہوتے ہیں۔ غیر نبی چونکہ معصوم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے قیاسی مسائل کی نسبت یقینی طور پر صحت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی جب تک کہ اس پر پیغمبر کی موافقت کی مہر نہ لگ جائے کیونکہ اعمال کا حساب اور اس پر ثواب عذاب

کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اس نے اپنی محبت اور جنت کو محض اتباع پیغمبر علیہ السلام پر موقوف رکھا ہے ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

میں نے اس امر کو بہت بسط سے اپنے اس خطبۂ صدارت میں بیان کر دیا ہے جسے میں نے فروری ۱۹۲۵ء میں جمعیت تبلیغ اہل حدیث کلکتہ کے تیسرے سالانہ جلسہ میں پڑھا تھا اور وہ طبع ہو کر شائع بھی ہو گیا تھا۔

اجماع:۔ اہلحدیث کو منکر اجماع کہا جاتا ہے اور انصاف نہیں کیا جاتا۔ اجماع خواہ بسیط ہو یا مرکب اہل اجماع کے لئے اتحاد زمانہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ عبارت ہے اختلاف سے۔ پس اختلاف کرنے والوں کے زمانہ کا متحد ہونا لازم ہے۔ ورنہ قیامت تک اجماع کا انعقاد ہو ہی نہیں سکتا اسی لئے تو امام[1] احمدؒ نے کہہ دیا ہے۔ من ادعی الاجماع فقد کذب (محلی ابن حزم ص۲۲۶ ج۲ و شرح مسلم الثبوت ص۲۹۲) یعنی جو شخص کسی امر میں اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے"۔ ابن عربی صرف صحابہ کرامؓ کے اجماع کو معتبر مانتے ہیں جیسا کہ فتوحات میں لکھا ہے۔ والا جماع اجماع الصحابۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاغیر (ص ۱۸۲ ج ۲) معلوم نہیں کہ قائلین کا امام احمدؒ اور شیخ ابن عربی کی بابت کیا خیال ہے؟

قیاس و اجتہاد:۔ اہل حدیث کو منکر قیاس بھی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اہل حدیث اجتہاد و قیاسِ صحیح کے بھی منکر نہیں ہیں بقول امام اوزاعی کلنا ایرنی (کتاب الرد علی اعداء اہل الحدیث لابن قتیبہ طبع ص۶۳) اہل حدیث کہتے ہیں کہ احادیث نبویہ کو مقیس علیہا بنانا چاہیئے۔ اسی سے استنباطِ مسائل کرنا چاہیئے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ اصل یکسر چھوڑ دی گئی اور کسی خاص متقدم ہستی کے تراشیدہ اصل کو مقیس علیہ بنا لیا گیا جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ میں صراحت کی ہے (ص۱۶۰ ج ۱) اور اس کا نام حمل النظیر علی النظیر اور تفریع بر تفریع مقرر کیا گیا۔ اسی اصل پر مسائل کی تخریجات ہونے لگیں۔ جس کا نتیجہ تعیّن مذہب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس امر کی وضاحت کے لئے چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) ایک شخص نے ایک عورت کو بعقد اجارہ مع شرط الزنا رکھا اس کے بعد عورت نے اپنی اجرت لے لی۔ گویہ اجارہ فاسد ہے اور اجرت کا سبب بھی فعل حرام ہے۔ لیکن چونکہ قاعدہ بن چکا ہے۔ اجر المثل طیب یعنی اجر مثل کا طیب ہوتا ہے اس لئے عورت کو وہ اجرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے۔ ہاں اگر بغیر عقد اجارہ

---

[1] جماعت اہل حدیث صحیح اجماع کے وجود کو مانتی اور اس کو حجت گردانتی۔ امام احمدؒ کا یہ فرمان اجماع کے غلط دعاوی کے بارے میں تھا جو اس دور کے بدعتی فرقے نصوص صریحہ صحیحہ کی مخالفت میں کرتے اور ان کا سہارا لیتے تھے تفصیل کا یہ موقع نہیں، حافظ ابن القیمؒ اور ان کے شیخ امام ابن تیمیہ کی تالیفات میں بعض جگہ یہ وضاحت ملتی ہے (محمد عطاء اللہ حنیف)

کے لیا ہے توحرام ہے (شامی صفحہ ۳ ج ۵ طبع ہند) اور پھر مستاجرہ سے زنا کرنے میں حد بھی نہیں ہے (کنز و تنویر) حالانکہ حدیث صحیح مسلم میں ہر قسم کے مہر بغی کے لئے لفظ خبیث وارد ہوا ہے اور حدیث بخاری میں مہر بغی سے صاف نہی موجود ہے اور دین محمدی میں کوئی ذی عقل زانی حد سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) ایک اصل اور قاعدہ یہ بنایا گیا ہے کہ قوی کی بناء ضعیف پر نہیں ہو سکتی پس اگر کسی مسافر امام نے نماز میں قصر نہیں کی بلکہ پوری نماز پڑھ دی تو مقیم مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ مسافر امام پچھلی دو رکعتوں میں مُتَنَفِّل تھا چونکہ فرض قوی ہوتا ہے نفل سے لہٰذا فرض پڑھنے والے مقتدی اپنی نماز دہرائیں حالانکہ صحیحین کی حدیث میں وارد ہے کہ حضرت معاذ رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرض عشاء پڑھ کر جاتے اور اپنے محلہ کی مسجد میں لوگوں کو دوبارہ وہی نماز امام بن کر پڑھاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت معاذ رض متنفل ہوتے تھے لیکن مقتدیوں کے اپنی نماز کے دہرانے کا حکم دربارِ رسالت ؐ سے نہیں ملا۔

(۳) ایک قاعدہ یہ بنایا گیا ہے کہ کامل کے ساتھ ناقص کا الحاق جائز نہیں یعنی جو چیز کامل واجب ہوگئی۔ وہ ناقص سے ادا نہ ہوگی پس کسی نے اگر صبح کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ ایک رکعت کے بعد آفتاب نکل آیا اب وہ دوسری رکعت اگر پڑھے گا نماز نہیں ہوگی۔ حالانکہ حدیث صحیحین میں صاف وارد ہے من ادرک رکعۃ من الفجر قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک جس نے آفتاب نکلنے سے پیشتر نماز فجر کی ایک رکعت پڑھ لی اس کی دوسری رکعت بھی صحیح ہے نماز اس کی ہوگئی۔

اہل حدیث نے ان ہی اصول متخرجہ مستحدثہ کا انکار کیا ہے۔ قرآن و حدیث سے استخراج مسائل کا انکار نہیں کیا ہے۔

دفع الزام رہا یہ الزام کہ اہل حدیث کے بعض مسائل ائمہ اربعہ کے متفقہ مذہب کے خلاف ہیں محض تعصب کا نتیجہ ہے۔ کیا متاخرین احناف نے مسئلہ تحلیف شہود میں ائمہ اربعہ کے متفقہ مذہب کے خلاف قاضی ابن ابی لیلیٰ کے مذہب پر فتویٰ نہیں دیا ہے؟ دیکھو ابن نجیم کی کتاب اشباہ و نظائر ص ۱۶۰ طبع ہند پس جبکہ حق دائر تھا ائمہ اربعہ میں ہوں کو قسم دینی چاروں اماموں کے نزدیک ناجائز۔ ابن ابی لیلیٰ کا مذہب کیوں اختیار کیا گیا۔ حالانکہ ان قاضی صاحب کی چشمک امام ابوحنیفہ رض کے ساتھ مشہور ہے۔ انہیں ہی کی سعی سے حضرت امام اعظم رح کو حکومت نے فتویٰ دینے سے روک دیا تھا۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

دفع ایراد اہلحدیث کی جانب سے جب متقدمین کی کتابوں سے وجود اہلحدیث کا پیش کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حدیثیں روایت کرتے تھے۔ اہلحدیث کوئی مذہب نہ تھا آج تو ان کو اہل حدیث کہا جاتا ہے جو آمین بالجہر، رفع الیدین اور قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے قائل اور عامل ہوتے ہیں اور کسی امام کی تقلید نہیں کرتے خواہ وہ عامی کیوں نہ ہوں۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ میں نے امام شافعی و امام احمد کے بیان میں اوپر جو عبارتیں آپ کو سنائی ہیں ان میں صاف "مذہب اہل حدیث" کا لفظ موجود ہے۔ سرحدوں کے مسلمانوں کا "مذہب اہل حدیث" رکھنا کتاب اصول الدین سے اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ قاضی عیاض مالکی نے امام احمدؒ کے قول ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے اراد احمد اھل السنۃ والجماعۃ ومن یعتقد مذھب اھل الحدیث۔ شرح صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۲۔ قاضی عیاض پانچویں صدی میں پیدا ہوئے تھے اس وقت بھی مذہب اہل حدیث موجود تھا۔ حافظ نووی شافعی جو ساتویں صدی ہجری میں گزرے ہیں اپنی شرح صحیح مسلم میں متعدد جگہ پانچ مذہبوں کا ذکر بالمقابل کرتے ہیں کہ ہمارے شافعی مذہب میں یوں ہے اور مالکی میں یوں، مذہب حنفیہ یہ ہے اور حنبلی یہ پھر سب سے الگ اہل حدیث کا مذہب لکھتے ہیں کہ ان کے یہاں یوں ہے۔ دیکھو جلد اول کا ص ۱۷۳ اور جلد دوم کا ص ۳۲ وغیرہ اور ہاں اسے بھی سن لیجئے کہ ہمیشہ سے اہل حدیث اسی شخص کو کہا گیا ہے جو کسی امام کی تقلید نہیں کرتا اور قراءۃ فاتحہ خلف الامام و آمین بالجہر و رفع الیدین سنت نبوی سمجھ کر بالالتزام کرتا ہے۔ ایک لطیفہ سنیئے۔ شامی میں ہے۔ ان رجلا من اصحاب ابی حنیفۃ خَطَبَ الی رجل من اصحاب الحدیث ابنتہ فی عہد ابی بکر الجوزجانی فابی الا ان یترک مذہبہ فیقرأ خَلْفَ الامام ویرفع یدیہ عند الانحطاط ونحو ذالک فاجابہ فزوجہ (ص ۱۹۰ ج ۱ طبع مجتبائی) ابوبکر جوزجانی شاگرد ہیں موسٰی کے جو شاگرد ہیں امام محمد کے۔ ان کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک حنفی نے ایک اہلحدیث کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا تو اہل حدیث نے یہ شرط کی کہ تم اپنا مذہب چھوڑ قراءۃ فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین عند الرکوع کرنا شروع کردو تو میں اپنی لڑکی تمہاری زوجیت میں دے دوں گا۔ اس حنفی نے مان لیا تو اس کا نکاح ہو گیا۔ دیکھا! اہل حدیث کا وجود اور ان کی پہچان اس وقت بھی یہی تھی۔

امام محمد کے شاگرد ابوحفص کبیر کا واقعہ فتاویٰ حمادیہ جواہر الفتاویٰ اور تاتارخانیہ سے اوپر آپ کو سنایا جا چکا ہے کہ ایک حنفی نے اپنا مذہب چھوڑ کر اہل حدیث کا طریقہ اختیار کیا اور قراءۃ فاتحہ خلف الامام و رفع الیدین کرنے لگا تو اس کی کیسی گت بنی؟ حتیٰ کہ اسے توبہ ہی کرنی پڑی۔ یہ واقعات تیسری صدی ہجری کے ہیں۔

بارہویں صدی کا واقعہ صاحب سبل الاسلام کا اوپر آپ سن چکے ہیں کہ ان کی موت کا سبب ان کی غیر مقلدیت اور نماز میں رفع الیدین عند الرکوع ہوئی تھی۔ اسی زمانہ میں شیخ محمد فاخر زائرؔ الہ آبادی شاگرد شیخ محمد حیات

سندھی مدنی مرحوم دہلی کی جامع مسجد میں آمین بالجہر کرنے کے باعث گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ آخر شاہ ولی اللہ مرحوم کی سفارش سے ان کی مخلصی ہوتی ہے (تراجم علماء حدیث ہند ص ۲۲ و ص ۳۲۹)

ٹھیک اسی زمانہ میں مرزا جان جاناں (یہ نام عالمگیر بادشاہ نے رکھا تھا) نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے ہوئے امام کے پیچھے قراءۃ فاتحہ کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اتقصار ص ۲ ۱۱ و ابجد العلوم ص ۹۰۰) یہی ظاہری عمل اہل حدیث کی شناخت کا ذریعہ ہے۔ اس کے حال سے کوئی صدی اور کوئی جگہ خالی نہیں رہی۔ گو ایسے لوگ قلیل ما ہم کے مصداق رہے حتیٰ کہ مولٰنا شاہ اسمٰعیل (شہید) پیدا ہوئے اور کتاب تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین لکھ کر ایک جماعت کو عامل بالحدیث بنادیا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی — زمین ہند کی جس نے ساری ہلا دی

حضرت میاں صاحبؒ سند ولی اللہی پر جب کہ شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ جلوہ افروز ہوئے۔ اس زمانہ میں تنویر العینین کا جواب کسی حنفی نے تنزیر الحق کے نام سے شائع کیا۔ ہمارے شیخ نے اس کا جواب معیار الحق کے نام دیا۔ اور اپنے عمل نیز وعظ و درس سے سوادِ اعظم اہل حدیث بنادیا۔ آج اس ملک میں حدیث نبوی جو کچھ بھی حافظ اور اہل حدیث کی کثرت نظر آتی ہے کہ ذات بابرکات کے فیوض کا نتیجہ ہے (میری تعلیم کی ابتدا اور انتہا دونوں آپ ہی سے ہوئی ہیں آپ نے وفات سے کچھ مہینہ پیشتر ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ میں ہند حدیث مرحمت فرمائی تھی رحمہ اللہ رحمۃ واحدہ۔

ہندوستان میں اشاعت حدیث حضرت میاں صاحب ممدوح ص سلموا آخری کڑی تھے اصل کی ابتدائی کڑیاں یہ ہیں بعہد ۱۵ھ عثمان بن ابی العاص ثقفی رضؓ والی بحرین اعمالا نے اپنے ایک بھائی مغیرہ کو سندھ کے شہر دیبل پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور دوسرے بھائی حکم کو گجران کے شہر بھڑوچ پر۔ چنانچہ یہ دونوں مقامات اسلام کے زیر نگیں آگئے تھے (بلاذری ص ۴۲۸) درحقیقت اعلیٰ زمانہ سے ہندوستان میں اشاعت حدیث نبوی کی پڑ گئی تھی ۹۲/۹۳ھ میں جب محمد بن قاسم نے ہندو پر حملہ کیا اور بہت سے شہر فتح کئے تھے۔ پنجاب میں موسیٰ بن یعقوب ثقفی کو درس حدیث پر متعین کیا تھا جیسا کہ تج نامہ اور فتوح البلدان سے معلوم ہوتا ہے اس سے پہلے حباب بن تصالہ تابعی رحؒ نے حضرت انس صحابی سے ہندوستان جانے کی اجازت طلب کی تھی لیکن انہوں نے بنا بر خدمت والدین انہیں اجازت نہیں دی تھی (میزان الاعتدال) ان کے بعد مشہور محدث اسرائیل بن موسیٰ بصری رحؒ جو امام حسن بصریؒ تابعی کے شاگرد ہیں اور صحیح بخاری میں ان سے روایت کیا ہے۔ ہندوستان میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ اس نے ان

کو زیل الہند کہا جاتا ہے۔ (تقریب و تہذیب) دوسرے تبع تابعی ربیع بن صبیح البصری ہیں جو خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ میں بارادہ غزوہ ہند تشریف لائے تھے اور فتح اربد میں شریک تھے۔ ۱۶۰ھ میں سندھ میں مدفون ہوئے ہیں انہوں نے حدیث کی کتاب مبوب لکھی تھی (تقریب و تہذیب و میزان و تاریخ الخلفاء ابجد العلوم وغیرہ) اسی طرح ابو محمد بن السندی اور ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن متوفی ۱۷۰ھ یہ سب لوگ سندھ میں کتب حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ دیکھو کتب اسماء متاخرین میں شیخ محمد عابد سندی اور شیخ محمد حیات گذرے ہیں۔ شیخ حسن بن محمد صغانی جن کی حدیث کی مشارق الانوار مشہور ہے لاہور میں ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے تھے (ابجد العلوم) اسی طرح شیخ علی اور شیخ علی متقی جونپوری الصلاۃ برہان پوری مولٰنا صاحب کنز العمال (حدیث کی مشہور کتاب ہے) شیخ محمد طاہر شہید گجراتی صاحب مجمع البحارۃ فی لغۃ الحدیث وتذکرۃ الموضوعات وغیرہ و شیخ وجیہ الدین گجراتی شارح نخبہ اور شیخ احمد (مجدد الف ثانی) اور ان کے شیخ الشیخ عبدالرحمن بن فہد قد کان من کبراء المحدثین بالہند (ابجد) اور مجدد صاحب کے بیٹے خازن الرحمت شیخ محمد سعید محشی مشکوٰۃ اور شیخ سلام اللہ شارح موطا اور ان کے آباء نیز قاضی بشیر الدین قنوجی شارح موطا۔ اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے تلامذہ خصوصاً شاہ محمد اسحاق دہلوی استاد میاں صاحب) و نواب صدیق حسن قنوجی ثم البھوپالی یہ سب لوگ اپنے اپنے زمانہ میں اشاعت حدیث میں شب و روز مصروف رہا کئے۔ غرض ۱۸۵۷ء سے پہلے تک ۲۲۲ کتب حدیث خاص ہند کے علمائے محدثین نے تالیف کیں جن کی تفصیل مع اسمائے کتب و مؤلفین مولوی امام خاں نوشہروی کی ایک مستقل کتاب میں آپ حضرات ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت میاں صاحب ممدوحؒ پھر آپ کے ہزارہا تلامذہ کی مساعی سے اطراف و جوانب ہند میں عمل بالحدیث کا غلغلہ بلند ہو گیا۔ ؎

اولٰئک اٰبائی فجئنی بمثلھم	اذا جمعتنا یا جریر المجامع
بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم	فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد	من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم
ثم الصلوٰۃ علی النبی فانہ	یبدی بہ الذکر الجمیل ویختم
وانا العبد الاثم الاسی	محمد ابو القاسم البنارسی

یہ گراں قدر مقالہ جماعت اہلحدیث کے فاضل گرامی حضرت مولانا ابو القاسم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ نے بتاریخ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس (مؤ ائمہ ہند) میں بطور صدارتی خطبہ پیش فرمایا تھا اسکی علمی اہمیت کے باعث فتاویٰ علماء حدیث میں شامل کیا گیا ہے۔ بعد شکریہ اخبار الاعتصام لاہور۔ سعیدی)

تاریخ اہلحدیث کا ایک ورق

ہندوستان میں اہلحدیث کیونکر آئے

از

مولانا عبدالمجیدؒ، ایڈیٹر اخبار اہلحدیث سوہدرہ

تاریخ اہل حدیث کا ایک ورق

ہندوستان میں اہلحدیث کیونکر آئے

(از جناب مولانا عبدالمجید صاحب ایڈیٹر اخبار اہل حدیث سوہدرہ)

یہ ایک حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اہلحدیث کوئی نیا فرقہ نہیں ہے اُنکا وصفی نام "اہلحدیث" بتا رہا ہے کہ انکی نسبت نہ کسی امام کی طرف ہے نہ کسی ولی اور بزرگ کی طرف، بلکہ ان کی نسبت حدیث نبوی کی طرف ہے یعنی یہ وہ گروہ ہے جو اقوال الرجال کو چھوڑ کر "ارشادات نبوی ﷺ" کا گرویدہ ہے اور قرآن کریم کے بعد "حدیث نبویؐ" ہی کو حجت اور سند مانتا ہے جس طرح دیگر اشخاص نے اپنا انتساب ائمہ کی طرف ضروری سمجھا، اس گروہ نے قطعًا اسے پسند نہیں کیا کہ اپنی نسبت نبی سے توڑ کر غیر کی طرف منسوب کریں، حنفی شخص اس لئے حنفی کہلاتا ہے کہ وہ اپنی نسبت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتا ہے، اور شافعی امام شافعی کی طرف. مالکی، حنبلی اپنے اپنے ائمہ کی طرف اسی طرح چشتی، نقشبندی، قادری، سہروردی اپنے اپنے بزرگوں کی طرف منسوب ہو کر گروہ بن گئے ہیں، مگر اہلحدیث نہ گروہ بنا، نہ فرقہ قرار پایا کیونکہ یہ تو اصل اسلام پر قائم رہا اور اس نے نبی سے رشتہ توڑ کر غیر کی طرف جوڑنا، اور دوسروں کی طرف منسوب ہونا کبھی پسند نہیں کیا۔

عوام جو انہیں وہابی کہتے ہیں اور امام محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ ان کی اپنی رائے ہے جو کم فہمی پر مبنی ہے اور از سر تا پا غلط ہے کیونکہ اہلحدیث نے کبھی اپنی نسبت محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب نہیں کی، نہ اس کی تقلید کی، بھلا جس جماعت نے ائمہ اربعہ رحمہ کی تقلید نہ کی، ائمہ حدیث امام بخاری رحمہ امام مسلم رحمہ ترمذی میں سے کسی کی تقلید نہ کی، وہ امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ کی تقلید کیونکر قبول کر لیتی ... اور اگر بقول اُن کے اہلحدیث نے محمد بن عبدالوہاب کی تقلید قبول کر لی ہوتی، تو پھر وہ غیر مقلد کیوں مشہور ہوتے، ہمیں غیر مقلد کہنے والے بھی یہی لوگ تو ہیں جو ہمیں وہابی کہتے ہیں، انہیں خود سوچنا چاہیئے کہ غیر مقلد کیونکر وہابی ہو سکتا ہے؟ اور جو وہابی ہو جائے وہ غیر مقلد کیونکر کہلا سکتا ہے، یہ بجائے خود جھوٹ ہے،

افتراء ہے، بہتان ہے، جو برادران احناف جماعت اہل حدیث پر جوڑ رہے ہیں، اور نہ اہلحدیث اس سے بری ایں نہ وہ محمد بن عبدالوہاب کی تقلید کر کے وہابی کہلانا پسند کرتے ہیں اور نہ ہی وہ تقلید کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اسے جزو دین یا شعار اسلام قرار دیکر مقلد یا غیر مقلد نام رکھنا فرض واجب یا مستحب سمجھیں، یا کم از کم اسے اوصافی نام ہی کا درجہ دیں، پس جب حقیقت یہ ہے تو پھر خود اُن کو بھی، اور غیروں کو بھی، یگانوں کو بھی، بیگانوں کو بھی، اس پر غور کرنا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ وہ ایسی بات کیوں کہتے ہیں جو محض جھوٹ ہی جھوٹ ہے،

عقائد اہل حدیث: اہل حدیث کے عقائد اتنے واضح ہیں، اور اتنی بار بیان ہو چکے ہیں کہ اب ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں اگر کوئی انصاف سے ان عقائد ہی کو دیکھ لے تو وہ خود بخود سمجھ سکتا ہے کہ ان کی نسبت اب کس طرف کی جائے کیا اسلام کے مشہور و معروف فرقوں میں سے کوئی فرقہ ہے جو اِن عقائد کا حامل ہو، یا جو اِن عقائد کی موجودگی میں اپنی فرقہ دارانہ حیثیت کو قائم رکھ سکتا ہو، اگر کوئی فرقہ ایسا ہو تو اس کا نام لیجئے اور پھر انگلی رکھ کر کہیئے کہ اہلحدیث فلاں گروہ، یا پارٹی، فلاں فرقہ یا جماعت میں شمار ہو سکتے ہیں، سنئے اہلحدیث کے موٹے موٹے عقائد یہ ہیں،

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی "الٰہ" نہیں نہ حاجت روا ہے، نہ مشکلکشا، نہ کوئی رزق کھول سکتا ہے نہ بند کر سکتا ہے، نہ بیمار کر سکتا ہے نہ شفا دے سکتا ہے نہ مار سکتا ہے نہ پیدا کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے ۹۹۔ اوصاف ہیں سے کوئی بھی اس کے کسی وصف میں شریک نہیں ہو سکتا ہے،

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور مقبول بندے ہیں، افضل البشر ہیں، معصوم عن الخطا ہیں، واجب الاطاعت ہیں، انکی اطاعت کے سوا کسی امام بزرگ اور ولی کی اطاعت ہم پر واجب نہیں ہے،

(۳) جملہ صحابہ کرام، ائمہ عظام اولیائے ذوی الاحترام ہماری آنکھوں کے تارے اور سر کے تاج ہیں ہم جس جس میں جو جو خوبی دیکھیں اس کی اقتدا کر سکتے ہیں، مگر اسکی تقلید کو واجب نہیں گردان سکتے، کیونکہ امکان ہے اُس سے خطا ہو جائے، بری عن الخطا صرف محمد الرسول اللہ صلعم کی ذات ہے اور وہی ذات واجب الاطاعت ہے مگر اِن بزرگوں میں سے کسی ایک کی بھی توہین کرنا ہمارے نزدیک گناہ میں داخل ہے،

(۴) دینی احکام اور مسائل میں محمد الرسول اللہ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے، ہاں فیصلہ وہاں سے نہ ملے اور کسی صحابی یا کسی تابعی یا امام سے مِل جائے اسے قبول کر لینا ہمارے ایمان میں داخل ہے مگر کسی ایک کا ہو رہنا،

یا تقلید شخصی قبول کر لینا ہمارے ہاں جائز نہیں ہے،

(۵) جملہ رسومات قبیحہ اور جاہلیہ خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاشرت سے، تجارت سے متعلق ہوں یا سیاست سے، تمدن سے متعلق ہوں یا تہذیب سے، مرنے جینے سے متعلق ہوں، یا بیاہ شادی سے سب ترک کر دینی چاہئیں اور سلسلہ میں بجز سنت نبویہ کے کسی چیز کو انگیز نہیں کرنا چاہئے اور اس پر شدت سے پابندی کرنی چاہئے اور اسکو تبلیغ و تلقین جاری رکھنی چاہئے خواہ کتنی ہی مشکلات کا سامنا کیوں نہ پیش آئے، تبلیغ ہی کے تحت جہاد باللسان، جہاد بالقلم، جہاد بالسیف، بتدریج واجب قرار پاتے ہیں۔

یہ ہیں وہ جلی عقائد جن کی بنا پر ایک مسلمان پکا سچا مسلمان بن سکتا ہے یا یوں کہئے کہ تمام فرقوں سے نکل کر اہلحدیث جماعت میں شامل ہو سکتا ہے،

ہندوستانی مسلمان

تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے سے آپ پر یہ بخوبی روشن ہو جائیگا کہ شاہان مغلیہ کے دور سے مسلمانوں کی دینی اور مذہبی حالت بہت ہی بگڑ چکی تھی، چنانچہ اکبر کے زمانہ میں اتنی ناگفتہ بہ حالت ہو چکی تھی کہ اسے ذکر کرتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے، یہی وہ دور تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے جہاد باللسان اور جہاد بالقلم شروع کر کے جیل کی سختیاں جھیلیں اور آنے والے مسلمانوں کیلئے ایک شاہراہ کھول دی، پھر انکے بعد حضرت شاہ ولی اللہ نے ان کی نیابت فرمائی قرآن کریم کا ترجمہ لکھا اور کفر کا فتویٰ لیا، حجۃ اللہ لکھی، تفہیمات لکھی ہمعات، سطعات، الانصاف الانتباہ، بدور البازغہ العقد الجید خیر کثیر اتنی کتابیں لکھیں اور ہر لائن میں مسلمانوں کو اتنی راہیں دکھائیں کہ اس سے پہلے کوئی نہ دکھا سکا۔

پھر ان کے بعد جہاد بالسیف کا وقت آیا تو انہیں کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ نے اپنے ہی خانوادہ کے تربیت یافتہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا میں وہ وہ کارہائے نمایاں کئے کہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔۔ آج ہم انہیں بزرگوں کے کارہائے نمایاں کے سلسلہ میں یہ مضمون قلمبند کر رہے ہیں جن کی تہہ میں ہماری پوری تاریخ کے بہت سے راز و اسرار مضمر ہیں۔

کیا سید احمد اہلحدیث تھے؟

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید اہلحدیث تھے، یا یونہی ان کو اہلحدیث سمجھ لیا گیا ہے، مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر یہ صحیح ہے

کر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ہر شخص بھی اپنے عقائد اور اعمال سے ہی پہچانا جا سکتا ہے اس سلسلہ میں شاہ شہید کی تصنیفات تنویر العینین فی اثبات رفع یدین، الایضاح الحق الصریح، منصب امامت صراط مستقیم دیکھ لیجئے کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں، اس کے بعد ان کے مواعظ حسنہ میں شرک و بدعات کی تردید کا پہلو اتنا نمایاں ہے کہ محمد بن عبد الوہاب کی تقریر میں بھی اتنا نمایاں نہ ہو گا، یہی کیفیت سید احمد شہیدؒ کی زندگی میں نظر آ رہی ہے اور اسی حقیقت نے اغیار کو مجبور کر دیا کہ وہ انہیں اہلحدیث لکھیں، اہلحدیث سمجھیں، اور وہابی کہیں اور اس تحریک کا نام "وہابی تحریک" رکھیں،

چنانچہ سرکاری جریدہ ماہِ نو مئی ۱۹۵۷ء کے نمبر خاص میں بعنوان "مجدد الف ثانی سے سید احمد شہیدؒ تک" لکھا ہے۔

> حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی تحریک دونوں برصغیر (پاک و ہند) کے مسلمانوں کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے احیائے اسلام کی اس تحریک کا اثر نہ صرف سولہویں ستر ھویں اٹھارہویں اور انیسویں صدی تک پڑا... بلکہ اسکے بعد بھی اس کا اثر محسوس ہوتا رہے گا ایسی ایسی ہستیاں جیسے خواجہ باقی باللہ حضرت امام کے مرشد روحانی امام الہند شاہ ولی اللہ مولانا عبد العزیز شاہ عبد الحی (شاہ عبد العزیز کے داماد) حضرت سید احمد بریلوی جو سلسلہ اہلحدیث کے بانی تھے شاہ اسماعیل شہید... اور دوسری بہت سی ہستیاں حضرت امام ربانی کی تحریک سے بیحد متاثر ہوئیں" (ص۱)

اس خط کشیدہ عبارت میں سید احمد شہید کو نامہ نگار محمد علی عثمانی نے جو خود اہلحدیث نہیں ہیں سلسلہ اہلحدیث کا بانی قرار دیا ہے یعنی اپنی تاریخ معلومات کی بنا پر یہ بتایا ہے کہ ہندوستان میں اہلحدیث کی ابتدا سید احمد شہید کی تحریک حریت اور تحریک جہاد سے شروع ہوئی اور اس کے بعد ہی عوام کھل کر اہلحدیث کہلانے لگے پھر آگے چل کر مزید ارشاد ہوا ہے،

> "سید احمد بریلوی مجددی دبستان سے تعلق رکھتے تھے اور صوفیائے عظام میں بڑے اونچے درجہ کے مالک تھے، سید موصوف کا اعتقاد تھا کہ انکا تعلق براہ راست رسول اکرم ﷺ سے ہے اور انہیں حضور ﷺ ہی سے راہنمائی حاصل ہوئی ہے انہوں نے ایک نیا طریقہ "طریق نبوت" رائج کیا، باقی تمام طریقے انکے نزدیک "طرق ولایت" قرار پائے اسکی خصوصیت یہ تھی کہ صوفی پہلے سختی سے سنت

پر عمل کرے اور پھر "فکر"، کی راہ اختیار کرے آپ نے عقیدہ "ہمہ اوست اور وحدت الوجود"، کی سختی سے مخالفت کی اور الوہیت کی تعلیم دی، انہوں نے سماع اور وجد کے مقابلہ پر جہاد کی فضیلت بیان کی، خود نہایت سختی سے کتاب و سنت پر عمل کیا اور تمام بدعات کی بیخ کنی کی، اسی کے باعث انہوں نے مسلمانوں کی تنظیم کی، اور سکھوں کی طاغوتی طاقت کے خلاف جو پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں کو غلام بنائے ہوئے تھے، جہاد کیا اور اسی کوشش میں آپ شہید ہوئے"۔ (ص ۱۲)

آپ خود ہی انصاف سے کہئے کہ کتاب و سنت پر سختی سے عمل کرنا اور بدعات کی نزدید و بیخ کنی کس جماعت کا خاصہ ہے اور تمام طریقہائے ولایت سے ایک نئی راہ ولایت جو "طریق نبوت" سے ملتی جلتی ہو کون ایجاد کرتا ہے پس سید صاحب اہلحدیث تھے، یقیناً اہلحدیث تھے اور انہوں ہی نے ہندوستان جیسے مشرک ملک میں اہلحدیث کی داغ بیل ڈالی تھی۔

سید صاحب کی روحانیت

ہم اس موقعہ پر سید احمد شہید رحمہ اللہ کی روحانی قوت کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک اہلحدیث کی اصل دولت یہی تھی جو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ آپ بالکل ناپید اور گم ہوتی جا رہی ہے اور آج کا اہلحدیث تو اس کا قائل ہی نظر نہیں آتا کہ یہ طاقت بھی کوئی طاقت ہے،

سید صاحب کی زبان میں تاثیر تھی اور بلا کی تاثیر تھی، آپ عالم تھے مگر بہت بڑے عالم نہیں تھے، وعظ فرماتے تھے مگر بہت بڑے واعظ نہیں تھے، جملوں کی ترتیب، الفاظ کی بندش، کلام کی روانی کا قطعاً احساس نہ فرماتے، ہاں جو بات ہوتی وہ دل سے نکلتی اور دلوں پر اثر کرتی تھی، ہزارہا ہندو آپ کے وعظ سے مسلمان ہوئے لاکھوں گمراہ راہ پر آ گئے، بگڑے ہوئے سلجھ گئے اور سلجھے ہوئے مقام امامت پر پہنچ گئے،

حضرت مولانا عبد الحی (داماد مولانا عبد العزیز صاحب محدث دہلوی) جو درسیات میں اپنے زمانہ کی صف اول میں شمار ہوتے تھے اور سرکاری طور پر مفتی مانے جا چکے تھے اور زہد و ورع میں بھی کسی سے کم نہیں تھے، جب سید صاحب سے ملے تو آپ سے "نماز حضور قلب کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا مولانا! باتوں سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی یہ چیز سمجھانے سے سمجھائی جا سکتی ہے، اٹھئے اور میرے پیچھے دو رکعت نماز پڑھ لیجئے، مولانا نے آپکے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور نماز کے بعد بیعت کر لی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے، کہ آپ نے سید صاحب کی بیعت مولانا عبد العزیز محدث دہلوی (اپنے خسر) کے ارشاد پر کی تھی اور

پھر مولنا سید اسماعیل شہید کو مشورہ دیا تھا کہ وہ بھی بیعت کر لیں۔

چنانچہ دو چار دس بیس نہیں سینکڑوں اور ہزاروں علماء اور فضلا جو مرتبہ میں آپ سے بہت بڑے تھے، روحانی فیوض حاصل کر کے آپکے مطیع و منقاد ہو گئے اسی کو کہتے ہیں ع۔

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا،

جب تزکیہ نفس ہو تو کیفیت بدل جاتی ہے صحابہ کرام کی کیفیت بھی اسی تزکیہ سے بدلتی رہی، کتب احادیث میں ابو محذورہ، ثمامہ بن اثال، ہندو بنت ابو سفیان، فضالہ بن عمیر و عمرو بن عاص سینکڑوں صحابہ کے حالات بسند صحیح موجود ہیں کہ ان کی کیفیت حضور صلعم کی ایک ہی صحبت سے پلٹ گئی مگر افسوس ہے کہ آج ہم اس کے قائل نہیں رہے اور تصفیہ قلوب سے بالکل بے نیاز ہو گئے ہیں۔ بقول اکبر مرحوم ع۔

زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

امیر المؤمنین کا خطاب جب ہزارہا علماء فضلا اور لکھو کھا عوام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور آپ نے کفر کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا تو آپ کو امیر المؤمنین کا خطاب دے دیا گیا اور کیوں نہ دیا جاتا اور کیوں آپ کو امیر نہ مانا جاتا جب کہ امارت کی تمام خوبیاں آپ میں موجود تھیں آپ اپنے متبعین کو صرف درس و تدریس ہی میں مشغول نہ رکھتے، بلکہ ان کو فن حرب کی تعلیم دیتے صرف مراقبہ اور مشاہدہ ہی نہ سکھاتے بلکہ جنگی پریڈ اور قواعد بھی کراتے تھے، انہیں اصلاح عقائد و اعمال ہی کی تبلیغ نہ کرتے رہتے بلکہ سپاہ گری کی دعوت بھی دیا کرتے انہیں خلوص اور للٰہیت پیدا کرتے، ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرتے، مصائب پر صبر و شکیبائی کی تلقین فرماتے، ان میں باہمی اُنس، محبت، مروت، اخوت پیدا کرتے اور نہ صرف پیدا کرتے، بلکہ کر کے دکھا دیتے اسی معنی میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے ۔۔۔ حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانہ کا امام برحق ۔۔۔ جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست ۔۔۔ زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے

دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے ۔۔۔ فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی ۔۔۔ جو مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار کرے

نظم و نسق: امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے ایک نظم و نسق استوار کیا

ہم سالہا سال سے اب تک اپنی انجمن سازی نہیں کر سکے مگر حیرت ہے کہ سید شہید نے قلیل سی مدت میں پوری مملکت کا نظم و نسق کیونکر استوار کر لیا، کہیں وفود جا رہے ہیں، کہیں مبلغ پھر رہے ہیں کہیں رقوم جمع ہو رہی ہیں، کہیں عسکر کی فراہمی کا انتظام ہے کہیں پریڈ ہو رہی ہے، اور مجاہدین کو فنون حرب سکھائے جا رہے ہیں الغرض ہر ہر شعبہ کا الگ الگ نظم و نسق ہے اور ایسے معلوم دیتا ہے جیسے باقاعدہ کوئی حکومت ہے جسکے تمام محکمے باقاعدگی سے اپنا اپنا کام چلا رہے ہیں، ڈاکٹر سرولیم ہنٹر اپنی کتاب "انڈین مسلمانز" کے صـ ۲۸ پر سید احمد شہید کے ذکر میں لکھتا ہے۔

"جون ۱۸۳۰ء میں شکست کھانے کے باوجود امام صاحب کی فوج نے بہت بڑی قوت کے ساتھ میدانی علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اسی سال کے اختتام سے پہلے خود پشاور کو بھی جو پنجاب کا مغربی دار السلطنت تھا فتح کر لیا تھا، یہ زمانہ امام صاحب کی زندگی کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا انہوں نے اپنے خلیفہ اسلام ہونے کا اعلان کر دیا اور اپنے نام کے سکے جاری کر دیئے جن پر یہ عبارت کندہ تھی۔

"احمد العادل محافظ دین الاسلام"

جس کی شمشیر کی چمک کافروں کے لئے پیغام اجل ہے"

غور فرمائیے یہ انتظام اور انصرام جس کا انگریز جیسا دشمن بھی اعتراف کرے کوئی معمولی سا کام ہے۔

آپ نے شاہ بخارا کے پاس دعوت جہاد کی غرض سے ایک وفد بھیجا، ایک وفد شاہ چترال کے پاس گیا، ایک وفد حاکم فیض آباد اور حاکم قندر سے ملا، آپ نے بدخشاں، سوات، بنیر کوئی ریاست نہ چھوڑی جس کے امیروں کو خطوط اور دعوت نامے نہ بھیجے پھر ان میں سے بیشتر نے آپ کی مدد بھی کی، یا اعانت کا وعدہ کیا اور آپ کی تحریک سے ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ عوام میں اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں تبلیغ جہاد کیلئے مبلغ اور واعظ مقرر کئے گئے جو سپاہی تیار کرتے اور ان کیلئے سامان حرب اور نان و نفقہ فراہم کرتے، اور یہ کام اس تنظیم اور خلوص سے ہوتا رہا کہ کہیں ایک پائی تک ضائع ہونیکا احتمال نہ تھا، اس کے متعلق لارڈ ہنٹر کا بیان ہے کہ۔

"جہاں تک میرا تجربہ ہے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ایک وہابی مبلغ سب

سے زیادہ روحانیت رکھنے والا اور سب سے کم خود غرض اور بے لوث ہوتا تھا۔

فنون حرب

سید صاحب کی فوج میں بھرتی ہونے والے وہی لوگ تھے جو مسجدوں میں رہتے لمبی لمبی نمازیں پڑھتے، نیلے تہبند پہنے ہوتے، کھدر کے کپڑے استعمال کرتے، فنون حرب سے ناآشنا، اور جنگی کرتبوں سے بے خبر تھے ہاں دل میں ایک جذبہ رکھتے تھے اور اسی جذبہ کے تحت پریڈ کرتے، گتکا کھیلتے، تیراندازی نیزہ بازی سیکھتے اور اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہی میدان جہاد میں کود پڑتے تھے،

(۱) سید ابو محمد ایک مجاہد تھے جنھیں گھوڑا بھیرنے میں خاص کمال تھا وہ ایک میخ زمین میں گاڑ لیتے اور اس پر کوڑی رکھ دیتے، گھوڑا تیز دوڑاتے ہوئے آتے اور میخ سے کوڑی اڑا دیتے اور میخ کو آنچ تک نہ آنے دیتے، اس فن میں انہوں نے وہ کمال حاصل کیا کہ کوئی انکا سہیم نہ بن سکا۔

(۲) ایک مجاہد تیراندازی میں اس درجہ ماہر تھا کہ وہ دور پہاڑی پر ایک بکری کے داہنے سینگ کو نشانہ بنانا چاہتا تو کیا مجال کہ اس کے بائیں سینگ یا جسم کے کسی اور حصہ کو تیر لگنے پاتا۔

(۳) مولوی احمد بیگ ناگپوری قاسم خیل میں گولے تیار کیا کرتے، سید صاحب نے کئی آدمی آپکے ساتھ کر دیئے انہوں نے گولے ڈھالنے کا کارخانہ بنایا، جہاں ڈیڑھ ڈیڑھ سیر، تین تین سیر، اور پانچ پانچ سیر کے گولے تیار ہوا کرتے تھے،

(۴) مرزا عبد القدوس اعلیٰ درجہ کے گھوڑ اسوار تھے جب کوئی سکھ گھوڑا دوڑاتا ہوا اُن کی طرف آتا تو اس کے قریب آتے ہی اُچھل کر دوسری طرف ہو جاتے اور قبل ازیں کہ وہ مڑ کر آتا آپ اس کا سر قلم کر دیتے، ہزاروں کافروں کو آپ نے اسی طرح جہنم رسید کیا۔

غرضیکہ ہر ہر مجاہد جن کی تعداد ہزاروں نہیں لاکھوں تک پہنچ گئی تھی عسکری نظام اور فوجی کاموں سے مہارت حاصل کرنیکے بعد فوج میں شامل ہوتا تھا اور پھر شامل ہوتے ہی اسلامی رنگ میں رنگا جاتا تھا اس میں کبر و استکبار کی بجائے فروتنی اور انکساری، تیزی اور جلد بازی کی جگہ علم و بردباری پیدا ہو جاتی تھی، اطاعت کا جذبہ تو اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا اور اسی پر اُنکے نظام کی مضبوطی کا سارا انحصر تھا۔

اسلامی مساوات

جماعت مجاہدین میں اگرچہ غربا کی کثرت تھی یعنی غریب لوگ لاکھوں کی تعداد میں شامل تھے مگر اُمرا کی بھی کچھ کمی نہ تھی، بڑے بڑے امیر رئیس

جاگیردار، زمیندار اس جماعت میں شامل ہو کر اسلامی رنگ میں رنگے جا چکے تھے اور اپنا آپ کھو چکے تھے یہ وہ کمال تھا جو صحابہ کرام کے بعد غالباً اسی جماعت میں پیدا ہوا اور سید صاحب ہی کے خلوص اور یمن و برکت سے پیدا ہوا کر ایسا سماں پھر کہیں دیکھنے میں نہ آیا۔

(۱) شیخ غلام علی جو رونڈہ (الٰہ آباد) کے باشندہ اور مہاراجہ بنارس کے عملدار تھے بہت بڑے رئیس اور متمول تھے، سید صاحب معہ جماعت حج کے لئے جو نکلے، تو آپ نے سید صاحب کو ٹھہرالیا، روزانہ ایک ہزار روپیہ کھانے پر خرچ کرتے اور سینکڑوں روپیہ کے تحائف پیش کرتے، کئی دن کے بعد جب روانگی ہوئی، تو ہر ساتھی کو جو کئی سو تھے دو، دو جوڑے کپڑے، ایک ایک جوڑا جوتا، اور کئی تحفے تحائف اور بیس۲۰ ہزار روپیہ کے قریب نقد پیش کیا اور اس پر معذرت خواہی کی کہ میں اپنے رفقاء کا حق ادا نہیں کر سکا، شیخ صاحب پر سید صاحب کی صحبت کا اتنا اثر ہوا کہ عیش و راحت کی زندگی ترک کر کے فقیرانہ اور درویشانہ زندگی بسر کرنے لگے اور دولت خدا کی راہ میں لٹانے پر اتر آئے آخری دور میں تو سادگی کا یہ عالم تھا کہ موٹے کپڑے استعمال کرنے لگے، چھوٹی سی چارپائی پر سوتے، جس پر کوئی بستر نہ ہوتا تاکہ پاؤں نہ پھیلا سکیں، جلد آنکھ کھل جائے اور رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گذار سکیں۔

(۲) شیخ عبداللطیف مرزاپور کے بہت بڑے تاجر تھے سید صاحب کے ساتھ سفر حج میں شریک رہے، راستہ میں سارے قافلہ کی پرتکلف دعوت کرتے رہے اور چار ہزار روپیہ نذر بھی پیش کی۔

(۳) منشی امین الدین احمد ایسٹ انڈیا کمپنی کے وکیل تھے مرکزی عدالت میں تمام مقدمے انہیں کی وساطت سے پیش ہوا کرتے تھے، دولت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ ہر مہینہ کے خاتمہ پر تیس۲۰ چالیس۴۰ ہزار روپیہ کی تھیلیاں ہاتھی پر لدوا کر گھر لے جایا کرتے تھے مگر جب سید صاحب کی جماعت سے ملحق ہوئے تو تمام دولت اللہ کی راہ میں وقف کر دی،

(۴) شیخ علی جان داناپور کے رئیس تھے اپنی دولت جماعت مجاہدین کیلئے وقف کئے بیٹھے تھے ہر ضرورت مند کو اس کی ضرورت کے مطابق پانسو۵۰۰ روپیہ تک دینے کیلئے مستعد رہتے تھے اپنا ایک باغ آتے جاتے والے مسافروں کے آرام کیلئے وقف کر رکھا تھا، دوران جہاد میں صوبہ بہار کی تمام اعانتی رقوم آپ ہی کی وساطت سے جمع ہو کر مجاہدین تک پہنچا کرتی تھیں،

(۵) صدر الدین صاحب داناپور ہی کے ایک متمول بزرگ تھے اور دل کے اتنے سخی تھے کہ سو پچاس آدمی

روزانہ آپ کے ہاں کھانا کھاتے، اور قافلوں کے قافلے اُدھر جاتے ہوئے آپ کے ہاں ٹھہرا کرتے، اور آپ ان کی مہمان نوازی سے دلی مسرت اور قلبی راحت محسوس فرماتے، سید صاحب کے ہاں سے جب کوئی آجاتا تو اسے سینکڑوں روپے مستورات کی طرف سے اور ہزاروں روپے اپنی طرف سے بطور نذر پیش کرتے،

(۶) شیخ محمد تقی صاحب یہ انگریزی فوج کے بہت بڑے ٹھیکیدار تھے، انہوں نے اپنی جائداد کا ایک حصہ مجاہدین کیلئے وقف کر رکھا تھا جس کی قیمت کا اندازہ اس زمانہ میں سوا لاکھ کے قریب تھا اسی جائداد کا ایک حصہ انارکلی لاہور کی وہ عمارت بھی ہے جو سرائے محمد شفیع کے نام سے مشہور ہے اور اب ایک عالی شان ہوٹل کی صورت میں منتقل ہو چکی ہے، شیخ محمد شفیع شیخ محمد تقی کے بڑے صاحبزادہ ہیں جو ۱۸۶۴ء کے مقدمہ اعانت مجاہدین میں ماخوذ بھی ہوئے تھے آپ کے والد شیخ محمد تقی سید صاحب کے بڑے مخلص اور ارادتمند مرید تھے،

(۷) الہ داد خاں پنی رفیع پور سہوہ کے جاگیردار تھے ان کی امارت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جس خاتون سے نکاح کیا اس کا مہر پانچ لاکھ پانچ اشرفی نقد ادا کیا تھا، مگر جب سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تو بس پھر سچ مچ بک گئے، دولت تو رہی ایک طرف جان تک دینے سے انکار نہ کیا اور شہادت کے مراتب پر فائز المرام ہو کر رہے،

(۸) نواب امیر الدولہ امیر الملک محمد امیر خاں بہادر شمشیر جنگ والئی ٹونک اور ان کے صاحبزادہ نواب وزیر الدولہ والئے ٹونک کا تذکرہ اس ضمن میں بیان کرنا ان کی شان کے منافی نظر آتا ہے کہ ان دونوں باپ بیٹوں نے تو سب کچھ ہی مجاہدین کیلئے وقف کر رکھا تھا اور ریاست ٹونک کو چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا تھا کہ یہ ریاست مجاہدین اور وہابیوں کی اعانت میں سب سے پیش پیش رہتی ہے،

الغرض سینکڑوں نہیں ہزاروں امراء پر سید صاحب کا جادو چل چکا تھا اور وہ نہ صرف اپنی دولت ہی لٹا چکے تھے، بلکہ غریبوں کیساتھ مل کر غریبانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اسلامی مساوات کا پورا نمونہ پیش کر رہے تھے ہر مجاہد کو کھانا یکساں ملتا، لباس یکساں ہوتا، بستر یکساں رہتا کام یکساں کرنا پڑتا نہ امیر غریب میں تمیز ہوتی، نہ عالم جاہل میں امتیاز روا رکھا جاتا، نماز میں سستی ہوتی، تو یکساں سزا ملتی، احکام میں تغافل کیشی ہوتی، تو یکساں تازیانے پڑتے، کوئی تنازعہ یا جھگڑا ہو جاتا، تو کیسی قاضی کے ہاں یکساں پیشی ہوتے اور یکساں فیصل ہوتے، کسی کے ہاں کسی کے متعلق کسی قسم کی کوئی دور رعایت روا نہ رکھی جاتی تھی،

ہندوستان میں اہلحدیث
کی
ابتدا اور انتہا

از

از مولانا محمّد اشرفؒ صاحب سندو
بلّوکی
ضِلع لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان میں اہل حدیث کی ابتداء و انتہاء

(از مولانا محمد اشرف صاحب سندھو بنگوی ضلع گوجرانوالہ)

عربوں کے تجارتی تعلقات قدیم الایام سے چونکہ ہندوستان کے ساحلی علاقوں سے براہ راست چلے آرہے تھے، اسلئے اسلام جب کہ حجاز میں ضو، افگن ہوا تو اس کی مقدس و نورانی شعاعوں سے ہندوستان کے ساحلی علاقے پہلی صدی ہجری بلکہ عہد خلافت راشدہ ہی سے متعارف ہو چکے تھے، بنا بریں گجرات و سندھ کے مسلمان عرصہ بعید تک خاص حجازی مذہب یا مسلک اہلحدیث ہی کے حامل و علمبردار رہے،

چنانچہ گجراتی مسلمانوں کی خالص اتباع سنت کی نشاندہی کیلئے حضرت علامہ محمد طاہر کی مصنفہ مجمع البحار منہ بولتی زندہ شہادت ہے، مزید براں بمبئی میں شوافع کا تاریخی وجود اور مالا بار کی موپلا قوم کا شوافع و موالک مذاہب کی تقلید پر انحصار اس حقیقت کی یادگار ہے کہ جب عرب تقلیدی اثر سے متاثر ہو کر شوافع و موالک پر مشتمل ہو گئے تو اسی نتیجہ میں یہ لوگ بھی ان سے متاثر ان ہی مذہب پر عامل ہو گئے

سندھ میں چونکہ ایک عرصہ تک خالص عربی حکومت قائم رہی لہٰذا سندھی مسلمان قرامطہ کے بر سر اقتدار آنے سے بیشتر حجازی مذہب یا مسلک اہلحدیث ہی کے علمبردار رہے، چنانچہ علامہ بشاری مقدسی جو کہ ۳۷۵ھ میں بغرض سیاحت سندھ میں وارد ہوئے تو انہوں نے اپنی مؤلفہ کتاب "احسن التقاسیم" میں سندھی لوگوں کی مذہبی کیفیت کا نقشہ یوں بیان کیا ہے "جب ہم سندھ کے مشہور شہر "منصورہ" میں وارد ہوئے تو ہندوؤں کو بت پرست اور مسلمانوں کو مسلک اہلحدیث پر اور قاضی شہر علامہ ابو محمد منصوری کو امام داود ظاہری کے طرز کا اہلحدیث پایا۔

قطع نظر! مذکورہ تاریخی شہادت کے "سندھی محدثین" کا وجود گرامی جنھوں نے سندھ سے گزر کر مدینہ منورہ مسجد نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پائنتی میں بیٹھ کر پوری دنیا کو خالص اتباع کتاب "سنت کی دعوت کے فرائض انجام دیئے، سونے پر سہاگہ کا مصداق ہے،

نجدی دعوت توحید و سنت اور مملکت عربیہ سعودیہ کا وجود! جو عصر حاضر میں پوری دنیا کو علاء اسلامی آئین اور خالص توحید

کی دعوت دے رہا ہے، یہ حضرت علامہ محمد حیات سندھی محدث رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زندہ یادگار ہے اسلئے کہ امام التوحید حضرت شیخ محمد بن عبدالوہاب نے علامہ سندھی ہی سے فیض تلمذ اور سبق توحید حاصل کرنیکے بعد جب انتہائی جانفشانی سے خالص توحید کا علم نجد میں بلند کیا، اور اہل بدعت کی مسلسل و سرتوڑ انتہائی خطرناک مخالفتوں اور سازشوں کا شکار ہوئے اور ہجرت در ہجرت کرتے ہوئے آل سعود کے مرکزی دارالامارت درعیہ میں پہنچ گئے تو آل سعود کے بلند بخت امیر محمد بن سعود رحمہ نے آپ کی دعوت توحید پر اس درجہ صدق دل سے لبیک کہا کہ جان و مال کی پوری قربانی سے دعوت توحید کو کامیاب بنانے کی غرض سے شیخ رحمۃ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس انتہائی مسرت و خوشی میں حضرت شیخ نے امیر موصوف کو آخرت میں نجات و کامیابی اور دنیا میں تاج و تخت کی بشارت دی، پس اس بشارت پر محمد بن سعود نے حضرت شیخ محمدؒ سے وہی اقرار و وعدہ لیا جو کہ انصار نے بیعت کرتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا تھا، کہ زندگی اور موت ہر حال ہمارے ساتھ ہوگی، چنانچہ امام التوحید نے بھی پورے جزم سے امیر کے ساتھ یہ وعدہ کر لیا، جس کا نتیجہ ہے کہ آل سعود اور آل شیخ آج بھی اس معاہدہ کی زندہ و مجسم صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہیں کہ تاج و تخت اگر آل سعود کے قبضہ میں ہے تو افتاء و قضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر آل شیخ فائز ہیں، کیا مجال کہ آل سعود بغیر فتویٰ آل شیخ کے کوئی قدم اٹھا سکیں۔

شمالی ہند کا اسلام

چونکہ خراسانی سلاطین کے ہمراہ فاتحانہ شان سے وارد ہوا اور خراسان کے در بست و کشاد پر عہد ہارون رشید سے حنفی فقہاء ہی مسلط چلے آرہے تھے، لہذا شمالی ہند کے مسلمان خراسانی مذہب (فقہ حنفی) ہی کے تابع چلے آئے بلکہ ہندوانہ ملکی و قومی رسومات کے اختلاط سے مسلمان فقہ حنفی کی روایات سے بھی بہت دور ہٹ گئے یعنی حنفی و ہندوانہ رسم و عقیدہ سے مخلوط ایک نیا مذہب شمالی ہند میں جاری ہو گیا، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف اوقات میں مشاہیر اہلحدیث مثل امام فخرالدین رازی وغیرہ بھی ہندوستان میں تشریف فرما ہوئے اور مشاہیر صوفیاء کرام مثل حضرت علی ہجویری لاہوری جو جہلاء میں حضرت داتا گنج بخش کہلاتے ہیں اور خواجہ معین الدین اجمیری جنہیں عوام خواجہ غریب نواز ہند سے یاد کر رہے ہیں نے خالص اتباع کتاب و سنت کی آواز بلند کرنے کی انتہائی کوشش فرمائی، مگر کتاب و سنت کے مستقل درس و تدریس کے فقدان کی وجہ سے انکی کوشش و سعی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی ان کی

خانقاہوں کے مجاورین نے عوام کو قبر پرستی پر مائل کرتے ہوئے اپنی گذران اور عیاشیوں کا مستقل ذریعہ بنا لیا۔

حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ نے مذکورہ بدعات کے خلاف پوری جانفشانی سے زبانی و قلمی جہاد کیا لیکن وہ بھی چونکہ باقاعدہ طور پر کتاب و سنت کے درس و تدریس کی صورت میں نہ تھا اس کا انجام بھی وہی ہوا کہ عوام حضرت مجدد ہی کے بھکاری و لیپو جاری بن کر رہ گئے۔ علماء میں سے شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی نے اپنے حنفی فقہی طرز پر کتاب و سنت کے فروغ دینے کی قابل قدر سعی فرمائی، جسے آج تک کتاب و سنت کا داعی طبقہ، پورے احترام سے دیکھ رہا ہے مگر شیخ موصوف کی کوشش و سعی بھی ان کے زمانہ تک محدود رہی اور بعد میں اس کو کچھ زیادہ فروغ نہ ہو سکا۔

سلاطین میں فاتح ہند سلطان محمود غزنوی کا شغف کتاب و سنت مشہور ہے اور اق کے اراکین حکومت میں مشاہیر اہلحدیث بھی دکھائی دیتے ہیں بلکہ آخری عمر میں ان کا حنفی مذہب سے رجوع بھی تاریخی حیثیت سے ثابت ہے چنانچہ علامہ دمیری نے حاشیہ حیوۃ الحیوان میں علامہ قفال مروزی کے فیصل کن مناظرہ کی صورت میں تفصیل سے ذکر کیا ہے مگر غازی مرحوم اپنی ملکی مہمات و مصروفیتوں کی مشغولیت کے سبب ہندوستان میں خالص اتباع کتاب کی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے کوئی مستقل ادارہ یا شعبہ قائم نہ کر سکے،

سلطان محمد تغلق کا شغف کتاب و سنت ضرب المثل ہے اور عملاً کتاب و سنت کو وہ ہندوستان میں جاری و ساری کرنیکے خواہشمند بھی تھے لیکن اہل بدعت کی متفقہ سازشوں نے صرف ان کی تحریک ہی کو فیل نہ کیا بلکہ جس بری طرح سے سلطان مرحوم کو بمعہ اہل و عیال شہید کیا اس کی اندوہگین مثالیں کمیاب ہیں۔

غازی اورنگ زیب عالمگیر نے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے انتہائی فراخدلی سے اپنے خزانے کا دروازہ کھول دیا، مگر ہندوستان میں چونکہ فقہ حنفی ہی اصل اسلام کا مظہر سمجھی جا رہی تھی اس لئے اس عہد کے علماء احناف نے متاخرین فقہاء حنفیہ کے اقوال و فتاوی کو عالمگیری کی صورت میں مرتب کر دیا۔

خلاصہ و ماحصل یہ کہ شمالی ہند میں تحریک اہل حدیث کا اجراء مستقل طور پر فروغ ہی نہ پا سکا۔

خاندان شاہ ولی اللہ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ الآیۃ کے تحت چونکہ ہندوستان میں بھی اتمام حجت کیلئے خالص اسلام یا مسلک اہلحدیث کا اجراء ضروری تھا بنا بریں اللہ تعالیٰ نے

مسلک اہل مدینہ یا اہل حدیث مذہب کے سب سے بڑے داعی اور کتاب وسنت کے مجسم نمونہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اولاد کو ہندوستان میں بھجوا دیا، اگرچہ مدتوں عجم کی بود وباش اور فقہ حنفی کے زیر اثر زندگی بسر کرتے ہوئے یہ لوگ اپنے مورث اعلیٰ کی روایات کو ایک حد تک کھو چکے تھے تاہم فاروقی خون اور ابن عمر کا جذبہ اتباع کتاب وسنت ان کے قلوب اذہان میں اس درجہ موجود تھا کہ کتاب وسنت کی نصوص ناطقہ کی مخالفت سے برا فروختہ وبیزار ہو کر علیحدگی اختیار کرنے پر کاربند ہو جاتے تھے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں مشاہیر اہل علم کی فہرست میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ رح کا اسم گرامی ممتاز شان سے نظر آتا ہے لیکن جب کہ شاہ عبدالرحیم صاحب نے تدوین عالمگیری کو مدنی فقہ سے مختلف پایا تو چندے بعد اس کے مرتب کنندگان کی مجلس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

یہی وہ حقیقت ہے!

جیسے شاہ صاحب ولی اللہ رحمۃ اللہ نے اپنی قلم حقیقت آشکار سے یوں اعلان کیا ہے۔

"مخفی نماند کہ حضرت والد ماجد در اکثر امور موافق مذہب حنفی عمل می کردند الا بعض چیزہا کہ بحسب حدیث یا وجدان بمذہب دیگر ترجیح می یافتند"

(انفاس العارفین ص۷)

یہ حقیقت ہے کہ میرے والد بزرگوار اکثر امور میں فقہ حنفی کے عامل تھے مگر جب کہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ فقہ حنفی اس امر میں حدیث کے مخالف ہے یا دوسرے مذاہب سے کوئی ایک اس سے صحیح ہے تو فقہ حنفی کے برخلاف حدیث یا دوسرے مذہب کو قبول ومعمول فرماتے،

حضرت شاہ ولی اللہ

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ کو ہندوستان میں خالص اتباع کتاب وسنت کی دعوت وتبلیغ اور نشر واشاعت کیلئے منتخب ونامزد فرما رکھا تھا، اس لئے ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام یوں فرمایا کہ مدینہ منورہ میں بٹھا کر آثار نبوت اور فاروقی خاندان کی روایات کے عملی مشاہدات سے نوازا اور پھر واپس ہندوستان بھجوا کر مسلک اہلحدیث کو فروغ دینے پر کاربند کر دیا، چنانچہ شمس الہند حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ بطور اظہار شکر اس انعام خاص کا تذکرہ یوں فرمایا کرتے،

"علم حدیث پدرم از مدینہ آورد و چہار ودہ ساہ حرمین بودہ مسند کردہ" (ملفوظات ص۹۳)

یہ شرف میرے والد بزرگوار ہی کو حاصل ہے کہ وہ چودہ ماہ مدینہ منورہ رہ کر علم حدیث کی متاع لازوال سے مالا مال ہوکر ہندوستان میں اس کی نشر و اشاعت کا موجب ہوئے،

تحریک ولی اللّٰہی چونکہ اتمام حجت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب و سنت کی مجسم و آئینہ دار تھی اسلئے ہندوستان کی سیاست و مذہب میں ایک اچھوتے انقلاب کی صورت میں نمودار ہوئی اور اس انتہاء کو پہنچی کہ ایک طرف تو کتاب و سنت کا چشمہ شیریں اس جوش و خروش سے موجزن ہے کہ ہندوستان سے گذر کر عالم اسلام کو سیراب کر رہا ہے اور اندرون ہند جو صدیوں سے فقہی جمود طاری تھا اس کے پردے اس درجہ چاک ہو چکے ہیں کہ جس مسلک کے علمبرداروں نے فتاویٰ عالمگیر کو اصل اسلام کی صورت میں مرتب کیا تھا اسی مسلک کے حامل و علمبردار اپنی درس گاہوں میں کتب احادیث کو پڑھنے پڑھانے پر اس درجہ مجبور ہیں کہ جب تک بخاری کی سند حاصل نہ ہو اگرچہ رسمی ہی سہی دستار فضیلت سے محرومی ہی سمجھی جاتی ہے،

دوسری طرف! جذبہ جہاد کا جوش و خروش ولی اللّٰہی تحریک نے مسلمانان ہند کے دلوں میں اس درجہ پختہ کر دیا کہ بالاکوٹ وغیرہ میں بدر و احد کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے اور پورے ہندوستان میں اسلامی آئین کا نفاذ خلافت راشدہ کے نہج پر جاری و ساری کرنے کا عزم بالجزم کیا جا چکا ہے۔

پاکستان کا وجود درحقیقت شاہ ولی اللّٰہی تحریک کا نتیجہ و یادگار ہے [1]۔

صحبت امروزہ! کا موضوع سخن درحقیقت شاہ ولی اللّٰہی سیاسی تحریک ہی ہے۔

مغلیہ خاندان! کی سلطنت کے زوال پر مرہٹوں نے ہندوستان پر قبضہ جمانے کا تہیہ کر رکھا تھا اور ان کی تحریک کا اصل منشا ہندوستان سے مسلمانوں کا سیاسی و مذہبی طور پر خاتمہ تھا، حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ روحہ اس منشار سے آگاہ ہو کر انتہائی کرب و بے چینی میں مبتلا ہو جاتے ہیں چنانچہ آپ کا وہ سیاسی خواب جس کی مجسم تعبیریں مختلف صورتوں میں مجسم شکل و صورت

---

[1] کَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ یعنی اسلام کے نام پر اپنے لئے کرسیوں کی حفاظت۔ ایڈیٹر۔

میں نمودار ہوتا آرہا ہے محتاج تعارف نہیں۔

احمد شاہ ابدالی کا ہندوستان پر حملہ آور ہونا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی دعوت و ترغیب کا نتیجہ ہے جس کے اثر میں ہندوؤں کے عزم وارادے خاک میں مل جاتے ہیں،

انگریزوں اور سکھوں کا برسر اقتدار آنا مغل سلاطین اپنی کم ہمتی اور عیاشیوں میں مبتلا ہو کر جب کہ بیکار محض ہو چکے تو ایک طرف تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں اپنا تسلط جمانا شروع کیا، اور دوسری طرف وہ سکھ حکومت جو مسلمان کے انعام کی صورت سے مستقل سلطنت کی شکل میں نمودار ہوئی، اس نے اپنی جنگی طاقت کے بل بوتہ پر ہندوستان کو اپنے تسلط میں لینے کا تہیہ کر لیا۔ حضرت شاہ صاحب اگرچہ ان حالات کے نمودار ہونے سے بیشتر جنت الفردوس کو تشریف لے جا چکے تھے مگر ان کے لخت جگر اور جانشین اور خلیفہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ اپنے والد ماجد کی خلافت کے فرائض سرانجام دینے میں پوری تندہی سے مصروف تھے، یعنی کتاب و سنت کے درس و تدریس کے ساتھ ہی سیاسی تحریک کو بھی پورے انہماک سے چلا رہے تھے،

تحریک جہاد کی ابتداء انگریز جب کہ سیاسی عیاریوں اور دولت کے بل بوتے پر ہندوستان پر قبضہ جما رہا تھا تو حضرت شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کہ،

(۱) یا تو ہندوستان سے ہجرت کر کے کسی دوسرے اسلامی ملک میں سکونت اختیار کرنی چاہیئے۔

(۲) یا پھر اپنی قوت کو مجتمع کرتے ہوئے انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنا چاہیئے۔

دشمنِ اسلام سر ولیم ولسن ہنٹر نے اپنی مصنفہ تاریخ انڈین مسلمان میں شاہ صاحب کے فتویٰ کا متن اور اس کے متعلق اپنی رائے جس انداز سے درج کی ہے وہ مترجم کے اردو الفاظ میں پڑھیئے: "شاہ عبدالعزیز نے ان تمام حالات کو تحریر فرما دیا ہے جن میں (ہر مسلمان پر) ہجرت کرنا ضروری ہو جاتا ہے فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی یہ سب باتیں درج ہیں" (ہمارے ہندوستان مسلمان صد ۲۰۲)

ہندوستان کے تمام وہابی اور دیندار مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس ملک کو دارالحرب قرار دیتی ہے۔ (صد ۲۰۲)

اس سے پہلے صد ۱۹۱ پر لکھا ہے کہ وہ فتویٰ جو اس وقت کے سب سے بڑے عالم نے دیا ہے،

درج ذیل ہے۔

"مزید صراحت سے لکھتا ہے وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے فتوؤں سے دو فتوے یعنی شمس الہند شاہ عبدالعزیزؒ اور دوسرا ان کے داماد مولوی عبدالحی صاحب کا سب سے اہم ہیں،

جب ہم نے نظام حکومت کو بتدریج اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو اس وقت دیندار مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا کہ ہمارے ساتھ ان (انگریزوں کے) تعلقات کیا ہونے چاہییں لہذا انہوں نے ہندوستان کے سب سے زیادہ مستند علماء سے رجوع کیا اور اوپر کے دونوں مشہور و معروف علماء نے ان کے جواب میں جو فتوے صادر فرمائے وہ حرف بحرف درج ذیل ہیں۔

(۱) شاہ عبدالعزیزؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جب کافر کسی اسلامی ملک پر قابض ہو جائیں اور اس ملک اور ملحقہ اضلاع کے مسلمانوں کے لئے یہ ناممکن ہو کہ وہ ان کو اس سے باہر نکال سکیں یا ان کو باہر نکالنے کی کوئی امید باقی نہ رہے اور کافروں کی طاقت میں یہاں تک اضافہ ہو جائے کہ وہ کافر اپنی مرضی سے اسلامی خوانین کو جائز و ناجائز قرار دیں اور کوئی انسان اتنا طاقتور نہ ہو جو کافروں کی مرضی کے بغیر ملک کی مالگذاری پر قبضہ کر سکے اور مسلمان باشندے اس امن و امان سے زندگی بسر کر سکیں جیسا کہ وہ پہلے (اسلامی آئین کے تحت) کرتے تھے تو اس ملک کا سیاسی اعتبار سے دارالحرب ہونا کھل کر نمایاں ہو گیا۔

(۲) مولوی عبدالحی صاحب صاف طور پر حکم لگاتے ہیں کہ عیسائیوں کی پوری سلطنت کلکتہ سے لیکر دہلی اور ہندوستان خاص سے ملحقہ ممالک یعنی شمال مغربی سرحدی صوبے تک سب کی سب دارالحرب ہے کیونکہ کفر اور شرک ہر جگہ رواج پا چکا ہے اور ہمارے شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، جس ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں وہ دارالحرب ہے،

یہاں ان تمام شرائط کا بیان کرنا جو فتوٰی میں درج ہیں باعث طوالت ہوگا جن کے ماتحت جملہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کلکتہ اور اس کے ملحقات دارالحرب ہیں

ان فتوؤں سے عملی نتائج یوں مرتب ہوئے کہ، وہابیوں نے جن کا جوش ان کے علم کی نسبت بہت زیادہ ہے اس اصول سے کہ ہندوستان دارالحرب ہے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس ملک کے انگریز حاکموں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔ (صفحہ ۲۰۵)

اس سے پہلے بھی ہنٹر صاحب صفحہ ۱۸۱ پر لکھ آئے ہیں۔

وہابی اپنی رائے کی ابتداء اس اعلان سے کرتے ہیں کہ ہندوستان اب دارالحرب ہو چکا ہے لہٰذا اس کے انگریز حاکموں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہو گیا ہے۔

صفحہ ۱۹ پر ہنٹر صاحب لکھتے ہیں، موجودہ حالات میں بغاوت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے کیونکہ اگر ہندوستان ابھی تک دارالاسلام ہے تو انگریزوں نے طرح طرح سے اسلامی قوانین میں دخل اندازی کی ہے انہوں نے قاضیوں کو برطرف اور اسلامی دستور العمل کو منسوخ کر دیا ہے اندریں حالات مسلمانوں کے لئے بغاوت کرنا فرض ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ

(۱) بعض الناس کا خیال ہے کہ مجاہدین کا مقصد سکھوں سے جہاد تھا لیکن ہنٹر سے ذمہ دار دشمن اسلام کی مصرح تحریر سے ظاہر ہے کہ ہندوستان میں تحریک جہاد کا آغاز و ابتدا حضرت شاہ عبدالعزیز رح کے فتویٰ سے ہوا اور خاص کر انگریزوں ہی کے خلاف، ہوا مجاہدین نے جہاد کا آغاز چونکہ سرحد سے شروع کیا جس میں سکھ حکومت راستہ کا روڑہ تھی، لہٰذا اس روڑہ کو راستہ سے اٹھا کر دور پھینکنے کی غرض سے ابتدا سکھوں سے ضروری ٹھہری۔

بعض الناس

(۲) اس وہم میں بھی مبتلاء ہیں کہ تحریک جہاد کا آغاز شاہ عبدالعزیز رح کا فتویٰ یا ولی اللہی تحریک نہیں بلکہ حضرت سید احمد رحمۃ اللہ نے از خود تحریک جہاد کی ابتداء فرمائی ہے ہنٹر کی مذکورہ تحریر سے اس غلطی کا بھی پوری طرح سے ازالہ ہو جاتا ہے کہ تحریک جہاد کی اصل بنیاد شاہ عبدالعزیز اور مولانا عبدالحی کا فتویٰ ہے ان حضرات کے معتقدین چونکہ شمالی ہندوستان بھر اور بنگال تک پھیلے ہوئے تھے، لہٰذا ان کے فتویٰ نے پورے ہندوستان میں ہلچل بپا کر دی اور لوگ جہاد کی قیادت کے منتظر تھے۔

سید احمد شہید رح:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیادت کے سامان یوں ظاہر ہوئے کہ حضرت سید احمد رحمۃ اللہ اکتساب فیض کی غرض سے حضرت شاہ عبدالعزیز رح کی خدمت میں پہنچ گئے حضرت شاہ صاحب نے ان کی خاندانی وجاہت اور ہونہاری اور ذاتی جوہر کے تحت ان کو اپنے بھائی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر کی خدمت میں بھیجوا کر تاکید کر دی کہ حتی الامکان ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں۔

چنانچہ سید صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے میزان کافیہ اور مشکوٰۃ وغیرہ ابتدائی درسی کتب پڑھیں چونکہ

انجام یہ ہوا کہ اطراف ہند سے جوق در جوق لوگ سید صاحب کی بیعت کا شرف حاصل کرنے کی غرض سے آنے شروع ہوگئے اور ملک بھر میں سید صاحب سے بیعت کے شوق کی لہر دوڑ گئی بنا بریں دور دراز علاقوں سے محضر نامے موصول ہونے شروع ہوئے کہ سب کا پہنچنا مشکل ہے لہٰذا سید صاحب کو تکلیف فرما کر ہمیں زیارت و شرف بیعت سے سرفراز فرمانا چاہیئے، پس ان تمام محضر ناموں کو سید صاحب نے شہید علیہ الرحمہ کے ذریعے شمس الہند کی خدمت میں عرض کرتے ہوئے دریافت کیا کہ آپ کا کیا حکم اور مشورہ ہے شاہ صاحب نے جو کہ تحریک جہاد کی ابتداء و آغاز کے انتہائی بیتابی سے منتظر تھے یہ کیفیت دیکھ کر سید صاحب کو بلوا کر بطور تبرک اپنا خاص لباس عنایت فرماتے ہوئے حکم دیا بارک اللہ فیک ضرور تشریف لیجائیے اور ساتھ ہی شاہ صاحب نے بعض جگہ اپنے عقیدتمندوں کو زبانی پیغام بھجوائے اور بعض جگہ تحریری خطوط کہ سید صاحب ہمارے خاص آدمی ہیں ان کی تواضع اور خدمت میں کوتاہی نہ ہو۔ شہید علیہ الرحمۃ اور مولانا عبد الحی کی بیعت کی شہرت شاہ صاحب کی خلعت اور پیغامات و خطوط نے ولی اللہی عقیدتمندوں کے حلقہ میں سید صاحب سے حصول بیعت کا شرف حاصل کرنے میں جو شوق و جذبہ پیدا کیا وہ قلم و زبان کے بیان سے باہر ہے پورے دس سال چونکہ تنظیم جماعت میں صرف ہو چکے تھے اس لئے سید صاحب کو وطن کی واپسی کا خیال ہوا اور آپ جائے مسکن کی طرف روانہ ہوئے، ابھی آپ راستہ ہی میں تھے کہ آپ کو اپنے بڑے بھائی حضرت سید اسحاق صاحب کی وفات کی اطلاع موصول ہوئی اس صدمۂ جانکاہ سے آپ کی طبیعت نڈھال ہو گئی، کیونکہ سید اسحاق صاحب بلند پایہ عالم تھے اور آپ کی عدم موجودگی میں افراد خاندان کی خدمت گذاری کے فرائض بھی انہیں سے متعلق تھے بالآخر آپ انتیس ۲۹ شعبان ۱۲۳۴ھ بریلی تشریف فرما ہوئے، چونکہ آپ کی دعوت جہاد کا چرچا عام ہو چکا تھا اس لئے جگہ بجگہ عقیدت مندوں نے فنون حرب کی مشق شروع کر دی اور سید صاحب کسی مرکزی مقام کی تلاش اور غور و فکر میں مصروف تھے کہ ہجرت کا اعلان کر کے پوری جماعت کو مجتمع کر کے جہاد کا آغاز کر دیا جائے۔

اہل بدعت نے حج کے منسوخ ہونے کا فتویٰ دے دیا!

ہندوستان کے اسلام اور فقہی طرز کے علماء و فقہا کی عملی اور اعتقادی زندگی کا افسوسناک مظہر اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ روحہ نے جبکہ اہل ہند کو کتاب اللہ کی تعلیم سے آگاہ و آشنا کرنے کے لئے فتح الرحمان نام سے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کر دیا تو فقہاء ہند نے آپ کے کفر و الحاد کا فتویٰ دیتے ہوئے واجب القتل ٹھہرایا اور

حضرت شمس الہند کی صحبت شہید اور مولانا عبد الحی کی رفاقت سے جذبہ جہاد سے سرشار ہو چکے تھے لہٰذا دہلی سے رخصت ہو کر بریلی پہنچے اور چند ے قیام کے بعد اس عہد کے غیور حکمران نواب امیر خاں والئے ٹونک کی فوج میں فن سپاہ گری کے حصول کیلئے ملازم ہو گئے، اور سات برس مختلف جنگوں میں حصہ لینے کے بعد فوجی ملازمت کو ترک کر دیا اور شمس الہند کو ترک ملازمت کی اطلاع عرض کر دی اور چند ایک روز کے بعد حضرت شمس الہند کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بطور ہدیہ پچیس روپے نقد آپ کی خدمت میں عرض کئے اور شمس الہند نے آپ کے قیام کا اہتمام پھر اسی مسجد میں فرمایا جو مسجد اکبر آبادی قرار دیا جہاں آپ پہلے شاہ عبد القادر صاحب سے تعلیم حاصل کر چکے تھے، اسی دوران میں حضرت شمس الہند نے خواب دیکھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد دہلی میں تشریف فرما ہیں اور ان گنت و بے شمار لوگ آپ کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کرنے کیلئے برق رفتاری سے آرہے ہیں آپ کو سب سے اول مصافحہ و دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی اور حضور نے ایک عصا دیتے ہوئے حکم دیا کہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جایئے اور ملاقاتیوں کا ذکر ہم سے کرتے رہو، پس جس کو ہم اجازت دیں اسے ہی ملاقات کیلئے مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دیجئے۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہوئی کہ تحریک جہاد کا آغاز آپ کے مشورہ سے کسی آپ کے ہی عقیدت مند سے ہو گا، جب اس خواب و تعبیر کا حضرت شمس الہند نے ذکر کیا تو شہید رحمۃ اللہ اور مولانا عبد الحی رو پر بھی یہ حقیقت منکشف ہو گئی، بنا بریں باہم دونوں بھائیوں میں مشورہ اور مولانا عبد الحی نے اولاً شرف بیعت حاصل کیا اور جو اسرار و رموز آپ پر منکشف ہوئے وہ من وعن حضرت شہید سے عرض کیا۔ پس حضرت شہید نے بھی شرف بیعت حاصل کر لیا، لہٰذا جب کہ عوام و خواص سے شاہ ولی اللہی خاندان کے ان ہونہاروں کی بیعت کا ذکر سنا جن کی نسبت حضرت شمس الہند کی زبانی وہ بارہا یہ الفاظ سن چکے تھے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَنِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحَاقَ۔

سب تعریف کا مستحق وہی معبود حقیقی ہے جس نے بڑھاپے کے عالم میں مجھے اسماعیل اور اسحاق ایسے ذی علم عطا فرمائے۔

اور یہ بھی آپ فرمایا کرتے کہ عبد الحی تفسیر قرآن میں میرا مجسم و زندہ نمونہ ہے اور فقہ حدیث میں سید اسحاق رہ اور شہید علیہ الرحمۃ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا اسماعیل کا علم محدود نہیں وہ میرے عہد شباب کے علوم کے اتم مظہر ہیں۔

فقہاء کے عقیدت مندوں نے قتل کی سازش کر کے آپ پر حملہ بھی کر دیا، مگر اللہ تعالیٰ کو چونکہ ہندوستان میں خالص اتباع کتاب وسنت کی تحریک کا واحی طور پر جاری کرنا منظور تھا اس لئے اہل بدعت کی تمام مخالفتیں ناکام ہو کر رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے آثار نبوت اور فاروقی خاندان کی علمی وعملی زندگی سے آشنا کرنے کی غرض سے شاہ صاحب کو حج پر آمادہ کر دیا اور فراغت حج کے بعد آپ جوار نبوت میں مقیم ہوئے اور چودہ ماہ کی مسلسل اقامت سے اللہ تعالیٰ نے آپ پر تعلیم وتربیت کو مکمل کر دیا اور بعدہٗ جبکہ سید صاحب نے جہاد کی تیاری شروع کی تو اہل بدعت یا فقہاء ہند نے سقوط حج کا فتویٰ دیدیا اور دلائل یہ دیئے کہ سمندر میں کشتیوں کا سفر چونکہ موجب خطرۂ جان اور تضیع اوقات ہے اس لئے حج فرض نہیں، یہ فتویٰ جبکہ آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے شہید اسماعیل اور مولانا عبدالحی کے سامنے پیش کیا اس پر ان بزرگوں نے زبردست دلائل سے مفتیوں کی اسلام سے بے خبری اور لاعلمی ثابت کرتے ہوئے فریضۂ حج کو مستطیع مسلمانوں کے لئے تکمیل ایمان واسلام قرار دیا۔

پھر سید صاحب نے یہ فتویٰ معہ دلائل شہید ومولانا عبدالحی وشمس الہند کی خدمت میں بھجوا کر آخری فیصلہ طلب کیا شمس الہند نے جواباً لکھدیا کہ شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی کا علمی پایہ مجھ سے کسی طرح بھی کم نہیں، ان حضرات نے جو لکھا ہے وہ بالکل حق وصواب ہے جن مفتیوں نے آج حج کے منسوخ ہونے کا فتویٰ دیا آئندہ یہ نماز روزہ کو بھی منسوخ کرنے پر تیار ہو جائیں گے اور زکوٰۃ کی تو ان حضرات کے نزدیک سرے سے رخصت ہے یہ ضرور ہے کہ بعض دفعہ جہاز غرق ہو جاتا ہے مگر اکثر سلامتی وخیر وعافیت سے جاتے اور واپس ہوتے ہیں لہذا اتفاقی واقعہ سے منسوخی حج کا استدلال سراسر باطل وغلط ہے۔

سید صاحب کا ارادۂ حج

اللہ رب العزت کو چونکہ سید صاحب کی آخری تکمیل آثار نبوت سے منظور تھی اس لئے سید صاحب کا ارادہ جہاد کو ملتوی کر کے حج کا پختہ ارادہ ہو گیا۔ پس آپ نے کھلا اعلان کر دیا کہ جن احباب کو ہماری رفاقت منظور ہو وہ سفر حج کے لئے تیار ہو جائیں جو زادراہ کا اہتمام کر سکتے ہوں خود کر لیں اور جن دوستوں کے پاس نہ ہو ان کے جمیع اخراجات کا اہتمام ہم خود کریں گے جگہ بجگہ اس مضمون کے خطوط بھجوا دیئے، جس کے نتیجے میں کم وبیش چار سو افراد پر مشتمل حجاج کا قافلہ تیار ہوا جو کہ شوال کی آخری تاریخ ۱۲۳۶ھ پیر کے دن رائے بریلی سے بارادہ حج روانہ ہوا۔ (منعم ما قال)

نہ برگ و بار کی پروا نہ انتظار رفیق یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
اگر خدا پر بھروسہ ہے ہو بیگانہ رواں خدا سے بڑھ کر نہیں برگ و ساز کی توفیق

غرضیکہ یہ قافلہ کشتیوں پر سوار روانہ ہوا اور عقیدت مندوں نے اپنی اپنی بساط کے موافق ضروریات سفر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کلکتے پہنچ کر دس جہاز کرایہ پر لیے گئے جن کا کرایہ فی کس بمعہ سامان بیس۲۰ روپے طے ہوا۔ ہر جہازی قافلہ کیلئے ایک ایک ذی علم و متقی اصحاب کو امیر مقرر کر دیا گیا اور ہر طرح کی ہدایات فرما دیں۔

غرضیکہ یہ دس جہازوں نے لنگر اٹھایا اور سب سے آخر سید صاحب کا جہاز روانہ ہوا۔ خدا کے فضل و کرم سے جہاز سکون اطمینان سے چلتے ہوئے جب عدن کی بندرگاہ سے آگے مخا نامی بندرگاہ میں پہنچے تو قافلہ وہاں اترا اور ابھی حج میں چونکہ کچھ وقت باقی تھا اس لئے ایک ماہ یہاں شہر میں قیام کیا دوران قیام میں سید صاحب کو حضرت علامہ شوکانی کی کتاب "موضوعات" کا علم ہوا تو آپ نے مولانا عبدالحی صاحب کو اس کے حصول پر مامور کیا۔ مگر باوجود تلاش کثیر شہر مخا میں نہ مل سکی، بالآخر قاضی شہر نے عرض کیا آپ ایک خط لکھ دیجئے ہم آپ کی واپسی تک صنعا سے ایک نسخہ نقل کروا کر منگوا لیں گے اور آپ کے حوالہ کر دیا جائے گا، لہٰذا اس طرح قاضی صاحب کی موضوعات ہندوستان میں پہنچ گئی والله الحمد۔

قیام مخا کے بعد دوبارہ سوار ہو کر قافلہ جدہ پہنچ گیا اور جدہ سے روانہ ہو کر یہ مقدس قافلہ جبکہ مقام "احد بیر" میں پہنچا تو آثار نبوت سے سرفرازی کیلئے پورا قافلہ کافی دیر تک دعا میں مشغول رہا اور پھر وہاں سے رخصت ہو کر بالآخر مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور آپ بمعہ قافلہ اسی راستہ سے داخل شہر ہوئے جس راستہ سے حضور داخل ہوئے تھے، پھر باب اسلام سے حرم شریف میں داخل ہو کر طواف کیا اور مقام ابراہیم پر دوگانہ طواف ادا کرنے کے بعد سعی فرماتے ہوئے احرام کھول دیا۔ پھر معمول نبوی کے مطابق احرام باندھ کر ان تمام آثار پر پوری توجہ اور خشوع سے دعا فرماتے ہوئے حج سے فارغ ہوئے اور مدینہ منورہ کو روانگی شروع ہوئی اور منزلیں طے کرتے ہوئے بالآخر منزل مقصود پہنچے پورا ایک ماہ طیبہ میں قیام رہا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ارباب حکومت نجدیوں کا داخلہ حرمین میں بند کئے ہوئے جس شخص پر وہابیت کا ادنیٰ شبہ بھی ہو جاتا وہ گرفتار کر کے تختہ مشق بنایا جاتا، سید صاحب کے قافلہ کے ایک جوشیلے موحد مولوی عبدالحقؒ صاحب تھے بعض بدعات پر انہوں نے کچھ روک ٹوک کی، بس پھر کیا تھا وہابیت کے جرم میں دھر لئے گئے، چنانچہ مولانا عبدالحی نے ضمانت پر رہا کروایا اور تاریخی حیثیت پر صفائی پیش کی کہ ہم تو ہندوستانی ہیں نجدیوں

سے تو ہیں قطعاً راہ و رسم بھی نہیں لہذا عدالت نے مولوی صاحب کو بری کر دیا۔ اور آخر پورا ایک ماہ قیام اور جمیع آثار نبوت پر دعائیں کرنے کے بعد ۹ ربیع الاول ۱۲۳۶ھ کو واپس لوٹے رات ذوالحلیفہ میں گزاری اور عمرے کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور عمرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد واپس وطن لوٹے اور ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ بمبئی اترے۔

عقیدت مندوں کا جھرمٹ

بمبئی میں تشریف فرما ہونے کی خبر بجلی کی رو کی طرح پھیل گئی ملاقاتیوں اور بیعت کنندگان کا ہجوم اس درجہ تھا کہ بیعت و مصافحہ محال تھے، اس لئے آپ نے ایک لمبا کپڑا پھیلا دیا اور فرمایا جس جگہ سے کپڑے کا کوئی حصہ کسی کو میسر ہو پکڑے، بس یہی ہمارا ہاتھ ہے اسی پر بیعت ہو جائے گی، غرضیکہ حج سے واپسی پر مریدوں اور عقیدتمندوں کی تعداد میں دن بدن ترقی اور اضافہ ہوتا گیا اور آپ ہمہ تن جہاد کی تیاری اور فراہمی سامان میں مصروف ہو گئے اور دعوت جہاد کو عام کرنے کی غرض سے باقاعدہ دور دراز شہروں اور قصبوں میں داعی بھجوائے اور داعیوں کے سرخیل وانچارج شہید علیہ الرحمۃ اور مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ مقرر ہوئے، چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے اپنی علمی قابلیت اور سحر بیانی سے ہندوستان کے کونہ کونہ میں مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پروانوں کی طرح وارفتہ ہو کر لوگ شمع جہاد پر قربان ہونے کیلئے پہنچنے شروع ہوئے،

حرمین الشریفین سے واپسی کے بعد ایک برس دس ماہ کی مدت میں معرکہ بدر واحد کی یاد کو ہندوستان میں تازہ کرنے والے قدوسیوں کی جماعت تیار ہو گئی۔

جہاد کی ابتداء کہاں سے ہو؟

مجاہدین جبکہ نعرہ جہاد کی صدا پر شوق شہادت میں مضطرب و بے قرار ہو رہے تھے تو اب فیصلہ طلب یہ امر تھا کہ جہاد کہاں سے شروع کیا جائے، کافی غور و فکر کے بعد متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ صوبہ سرحد میں مرکز قائم کر کے وہاں سے جہاد کی ابتداء کی جائے۔ لہذا مجاہدین کو جمع کر کے سرحد کی طرف، جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ مارچ کا حکم دیا گیا اس وقت غازیوں کی تعداد پانچ سو سے اوپر چھ سو سے کم بتائی جاتی ہے اور زاد راہ کے لئے صرف پانچ ہزار روپیہ نقد موجود تھا، پس رائے بریلی سے روانہ ہو کر گوالیار کے راستہ سے منزل منزل طے کرتے ہوئے ٹونک پہنچ گئے اور پھر یہاں سے روانہ ہو کر اجمیر کے راستہ سے سندھ پہنچے اور حیدر آباد ہوتے ہوئے شکار پور اور کوئٹہ کے راستہ سے درۂ بولان سے گزرتے ہوئے قندھار تشریف لے گئے، بطور قصہ یا داستان کے یہ سن لینا تو معمولی بات ہے مگر ان

کٹھن راستوں کو پیدل چل کر عبور کرنا سوائے مجاہدین کے کسی دوسرے سخت جان سے سخت جان کے لئے ناممکن نہیں تو انتہائی کٹھن و دشوار ضرور ہے اور پھر بشوق جہاد و شہادت ان کٹھن راستوں کو راحت جان سمجھ کر عبور کرنا یہ انہیں اہل اللہ کا کام ہے، عامۃ الناس اور اہل دنیا تو اس سفر کو سراسر جنون نا نہ حرکت قرار دیں گے۔

قصہ مختصر یہ کہ مجاہدین نے چارسدے میں قیام کیا، سکھ حکومت کو چونکہ مجاہدین کے جذبۂ جہاد سے اطلاع مل چکی تھی بنابریں حکومت نے جاسوسی کا خاطر خواہ اہتمام کیا، چنانچہ مجاہدین نے ایک مشتبہ آدمی کو گرفتار کر کے سید صاحب کے سامنے پیش کر دیا پس جبکہ سید صاحب نے اس سے حقیقت واقعہ بیان کرنے کو کہا تو شیر خاں نے اصل واقعہ بیان کر دیا کہ فی الواقعہ سکھوں نے جاسوسی پر ہی مجھے مامور کیا ہے اور بدھ سنگھ آپ کے مقابلہ کیلئے خیر آباد میں جرار لشکر لیکر پہنچ چکا ہے پس یہ کیفیت معلوم کر کے سید صاحب نے شیر خاں کی جان بخشی فرماتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا یہ پیغام غیر مبہم الفاظ میں بدھ سنگھ کو پہنچانا تمہارے ذمہ فرض ہے "کہ جس طرح تو رنجیت سنگھ کا فرمانبردار و اطاعت گذار ہے ویسے ہی ہم بھی اپنے حقیقی مالک کے فرمانبردار اور اس کے حکموں کے پابند و عامل ہیں۔

کرشمۂ قدرت

یہی شیر سنگھ جو سکھوں کی طرف سے جاسوسی پر مامور تھا سید صاحب کے اخلاق کی تلوار سے گھائل ہو کر بصد خوشی بیعت جہاد کرتا ہوا شریک مجاہدین ہو گیا اور عرض کیا کہ انشاء اللہ بدھ سنگھ کو آپ کا پیغام لفظ بلفظ پہنچاتا ہوا اس کے لشکر وغیرہ کی پوری کیفیت واپسی پر عرض کروں گا۔ غرضیکہ سکھوں کے جاسوسی کے بجائے اب یہ سید صاحب کا خاص جاسوس ہو گیا۔

ایک غلطی کا ازالہ

جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا کہ سید صاحب کے جہاد کا اصل مقصود و مدعا انگریز کو ہندوستان سے نکال کر خلافت راشدہ کے نہج پر اسلامی آئین کی مظہر حکومت کرنا تھا، مگر ہندوستان میں رہتے ہوئے انگریز سے جنگ ناممکن تھا اسلئے سرحد کو اپنا مرکز قرار دیا، اب چونکہ سید صاحب کے مرکز اور انگریزوں کے درمیان سکھ حکومت حائل تھی اسلئے راستہ صاف کرنیکی غرض سے سکھ حکومت کے روڑہ کو راستہ سے اٹھا پھینکنا ضروری تھا اسلئے جہاد کی ابتداء سکھوں سے شروع ہوئی، چونکہ سکھوں کی سلطنت کے خاتمہ پر پورے ہندوستان پر انگریزی حکومت مسلط ہو چکی تھی اسلئے عیار انگریز نے تذکرہ نویسوں سے یہ لکھوا دیا کہ مجاہدین محض سکھوں کی ظالم حکومت ہی سے جہاد کے خواہشمند تھے اور انگریزی سلطنت جس میں مسلمانوں کے جان

وہاں محفوظ ہیں کوئی تعرض نہیں چاہتے تھے، یہ محض انگریز کی سیاسی عیاری اور مکاری ہے جس کا شکار بعض مخلص مسلمان بھی ہو گئے اور بعض احباب نے یہ بھی سمجھا ہے کہ سید صاحب کا مقصود و مدعا تو انگریز ہی کو خارج کرنا تھا، مگر انگریز نے عیاری سے سید صاحب کی تحریک کا رخ سکھوں کی طرف پلٹ دیا، یہ اور اس قسم کے دوسرے سب توہمات غلط و باطل ہیں سید صاحب نے راستہ کے روڑہ کی حیثیت سے سکھوں کے ساتھ جہاد شروع کیا۔ اور چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے قطع نظر ایسے مستقل جنگوں سے چھکے چھڑا دئے کہ جن میں سکھوں کی فوج کی تعداد لاکھوں پر مشتمل باقاعدہ تربیت یافتہ اور جدید جنگی سامان سے مسلح تھی، چونکہ سکھ فوج میں تجربہ کار انگریز افسر موجود تھے انہوں نے عیاری و فریب سے سرحدی مسلمانوں کو مال و دولت اور مستقل حکومت وغیرہ کا چکمہ لالچ دے دلا کر مسلمانوں کو سید صاحب سے علیحدہ کرنے اور خود سید صاحب کو زہر دلوانے میں بھی کامیاب ہو گئے مگر باینہمہ جبکہ سید صاحب کے عزم و استقلال میں ایک بال برابر بھی فرق نہ پایا تو مال و زر کا لالچ دیکر منافقین کا ایک ایسا گروہ بھی تیار کر لیا جو بروقت منافقت سے مجاہدین کو شہید کروانے اور سکھوں کو کامیاب کرنیکے فرائض سرانجام دے، چنانچہ اس گروہ کی منافقت سے سید صاحب اور شہید اور ان کے اکثر خاص رفقاء مقام بالاکوٹ میں شہادت سے سرفراز ہوتے ہوئے شہداء احد کے زمرہ میں شامل ہو گئے، رحمہم اللہ۔

کیا سید صاحب اور ان کے رفقاء ناکام رہے؟

ظاہر بین سمجھتے ہیں کہ سید صاحب اپنے مقصد میں ناکام و فیل رہے، لیکن جب سید صاحب رحمۃ اللہ کے مقصد کو بنظر غائر دیکھا جائے تو عیاں ہو جاتا ہے کہ آپکو فتح و شکست سے کوئی سروکار نہ تھا آپ کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ کی رضا اور مسلمانوں میں جذبۂ جہاد کا احیا تھا جس سے مسلمان غافل ہو چکے تھے، بطور مثال و نمونہ سید صاحب اور ان کے رفقا کا جذبہ طلب رضاء الٰہی ملاحظہ فرمائیے،

"سید احمد شہید" مصنفہ غلام رسول مہر ص۴۳۲ میں ہے، جو غازی فوت ہوئے انکے کفن کیلئے کپڑا میسر نہ تھا شیخ ولی محمد یا تو انہیں کی چادریں اوڑھا دیتے یا جاجم کے ٹکڑے کاٹ کر ان سے کام نکال لیتے۔ آٹا پیسنے کیلئے چکیاں خرید رکھی تھیں، حکم یہ تھا کہ جو بھائی چاہے، قیمتاً پسوائے اور جسے پسند ہو خود پیس لے، ایک روز سید صاحب پھرتے پھراتے اپنی اس جماعت کی طرف نکل گئے جس کے نائب سالار شیخ ولی محمد تھے آپ نے دیکھا کہ مولوی الٰہی بخش رامپوری اپنے ہاتھ سے چکی میں آٹا پیس رہے ہیں۔ سید صاحب بے تکلف ان کے سامنے بیٹھ گئے اور دستہ پکڑ کر آٹا پسوانے لگے حتی کہ ایک سیر آٹا پیس دیا، جو جگہ نماز کے لئے مخصوص تھی وہ محض ایک احاطہ

تھا نہ چھت تھی نہ فرش نماز پڑھتے وقت غازیوں کو کنکر چبھتے تھے، اسلئے ایک دن فرمایا کہ درانتیاں لیکر چلو اور جنگل سے گھاس کاٹ لائیں، خود بھی درانتی لی اور ساتھیوں کے ہمراہ گھاس کاٹ لائے حضرت کی تعلیم کے مطابق کسی صاحب کو کسی کام سے عار نہ تھا۔ سب اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے کھانا پکاتے، جنگل سے لکڑیاں اٹھالاتے چکی پیستے، بیماروں اور معذوروں کی قے اور نجاست اپنے ہاتھ سے اٹھاکر باہر پھینکتے، جو لوگ بعد میں آئے انہوں نے پہلوں سے سبق حاصل کیا۔ لشکر بھر کی زبان فحش ودشنام سے بالکل محفوظ تھی ص۲۳۸ وص۴۲۹)

دوسری جگہ لکھا ہے کہ قلت غذا کا یہ حال تھا کہ بعض دفعہ فی کس ایک ایک مٹھی جوار ملتی جسے بعض حضرات تو بھون کر چبا لیتے اور بعض پیس کر ستو بنا کر پی لیتے۔ بیماروں کو یہی جوار ابال کر مثل جو آش پلائی جاتی اور بطور دوا رجو کھچڑ دیا جاتا وہ کھٹکل بوٹی جو زمین پر پھیلی ہوتی ہے اکھاڑ کر پہلوا کر یا جوش دلاکر اسمیں قدرے نمک کا اضافہ کر کے پلایا جاتا۔

گلہ وشکوہ نہ تھا!

ان انتہائی کٹھن ومشکل حالات میں بھی کبھی کسی مجاہد کی زبان سے بے صبری کا اظہار نہ ہوا اور نہ ہی کبھی یہ سننے میں آیا کہ میں غلطی سے غازیوں میں آگیا ہوں غرضیکہ دکھ سکھ، جنگ واطمینان ہر حال ہر متنفس طالب رضاء الٰہی روز خوش وخرم نظر آتا تھا۔

سکھ حکومت!

رہی سکھ حکومت کی رفتو اس کا نتیجہ دنیا کے سامنے ہے کہ مجاہدین کے تلوار نے اس کی جڑیں کھوکھلی کر کے خانۂ عنکبوت بنادیا اور انگریز نے ایک ہی حملہ میں اسکو اس بری طرح سے نیست ونابود کر دیا کہ دنیا میں قیامت تک اس کا نام لیوا بھی پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ دالئی حکومت کی اولاد سکھ قوم سے متنفر وبیزار عیسائیت کی آغوش انگلستان میں وقت گذار رہی ہے۔

مسلک اہل حدیث کے بارے میں چند اہم سوالات اور انکے جوابات

مسلک اہل حدیث کے بارے میں جناب عبد الخالق صاحب ابی۔ اے۔ ایل۔ ایل، بی نے چند اہم استفسارات شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی امیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کی خدمت میں ارسال کئے تھے، آپ نے اُن کے نہایت تشفی بخش جوابات دیئے ہیں۔

سوالات

۱:۔ مسلک اہل حدیث کی بحیثیت فقہی مذہب تعریف کیا ہے؟ مختصر اور جامع الفاظ میں تحریر فرمایئے،

۲:۔ مسلک اہل حدیث کی اصول فقہ، کی کتاب کونسی ہے کتاب کا نام اور مصنف کا نام تحریر فرمائیں۔

۳:۔ اہل حدیث کے اصول فقہ کونسے ہیں۔

۴:۔ مذہب اہل حدیث کے مجتہدین کون سے ہیں، جن کی فقہ اہل حدیث میں جامع تصانیف موجود ہیں،

۵:۔ مذہب اہل حدیث میں مجتہدین کے لئے اقسام ہیں اور ہر قسم کے لئے کونسے اوصاف ضروری اور لازمی ہیں۔

۶:۔ مسلک اہلحدیث میں مفتی کے لئے کیا شرائط ہیں، کیا مجتہد ہونا ضروری ہے؟

۷:۔ ہند و پاکستان میں ایسے کتنے علماء موجود ہیں جن کو مسلک اہلحدیث کا مجتہد مانا جاتا ہو۔ نام اور مصنف کا نام تحریر فرمائیں۔

۸:۔ کیا مسلک اہلحدیث کی فقہ مدون اور مرتب صورت میں موجود ہے؟ اگر ہے تو اس فقہ کی تدوین کن حضرات نے کی اور کب ہوئی؟ فقہ اہل حدیث کی کوئی جامع کتاب موجود ہو تو اس کا نام اور مصنف کا نام تحریر فرمائیں۔

۹:۔ کیا ایسی مرتب اور مدون فقہ اہل حدیث پر ہمیشہ عمل کرتے رہنا عامی کے لئے حنفی شافعی بنے رہنے کے مترادف تو نہیں ہے، ایسے مقلد اور حنفی شافعی میں کیا فرق ہے،

(۱۰):۔ مسلک اہل حدیث کی فقہ اگر مرتب و مدون نہیں ہے تو علماء اہلحدیث اجتہادی مسائل ہیں جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچ سکتی ہے کیسے فتوے دیتے ہیں؟ کیا وہ خود اجتہاد کر کے فتوے دیتے ہیں؟ یا کسی

امام فقہ کے قول واجتہاد پر فتوے دیتے ہیں! اگر دوسری صورت ہے تو کیا یہ اُس امام فقہ کی تقلید کروانی نہیں ہے اگر پہلی صورت ہے تو کیا ایسا کرنے سے اُمت میں وہ نظم اور یکجہتی قائم رہ سکتی ہے جو ایک مسلک متعین کی اتباع میں نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ مختلف علمار اہل حدیث کا ذاتی اجتہاد باہم دیگر مختلف ہو سکتا ہے کیا ایسا کرنے سے اختلاف اور تفرقہ بڑھ تو نہیں جائے گا۔

۱۱۔ ایک اہل حدیث عالم دین کے ذاتی اجتہاد اور امام ابوحنیفہ رح، امام شافعی رح وغیر ہم کی مدون اور مرتب فقہ میں سے کونسی چیز عمل کرنے کے لئے افضل ہے اگر عامی اجتہادی مسائل میں ان ائمہ میں سے کسی ایک امام فقہ کی اتباع کرتا ہے تو کیا ایسا آدمی عامل با لحدیث نہیں ہے؟ خصوصاً جب کہ وہ اپنے امام کے خلاف قرآن وحدیث مسائل کو چھوڑ دینے کے لئے بھی تیار ہو۔

نوٹ:۔ کتاب معیار الحق مصنفہ سید نذیر حسین محدث دہلوی میں مندرجہ تقلید کے چار اقسام نظر میں رکھیں۔

(۱۲) کیا علمار اہل حدیث ہر فقہی مسئلہ کے لئے قرآن مجید یا حدیث شریف سے نص صریح پیش کرتے ہیں، جیسا کہ ابن حزم ظاہری رح کا معمول بتایا جاتا ہے، نیز اہلحدیث اور ظاہریوں کے مسلک میں کیا فرق ہے،

(۱۳) اگر مذکورہ بالا سوال کا جواب اثبات میں ہے تو براہ کرم ہر فقہی مسئلہ کے لئے صریح آیات و احادیث پیش کرنے کا اعلان فرمائیں تاکہ مخالفین کو اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے۔

(۱۴) اگر جواب نفی میں ہے تو پھر آپ کو فقہی مسائل کے بارے میں ایسا اجتہادی فتوے مخالفین کو پیش کرنا ہوگا، جو ائمہ اربعہ میں سے کسی سے منقول نہ ہو۔ نیز قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو اور علماء اہلحدیث کا متفقہ قول بھی ہو۔

اگر آپ ائمہ مجتہدین کے کسی قول کو موافق قرآن وحدیث پاکر اس پر فتوے دینگے تو پھر آپ کو اُس قول کا ماخذ قرآن وحدیث سے ضرور پیش کرنا ہوگا ورنہ اس مسئلہ میں اُسی امام کی اندھی تقلید ہوگی! بخلاف اتباع کے) جو کہ آپ کے نزدیک خود ان ائمہ مجتہدین کے قول د کر دلیل کے بغیر ہمارے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے وغیرہ) کے مطابق جائز ہیں، والسلام (عبد الخالق کندہ کوٹ)

جوابات

محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مکتوب گرامی سے مسرت ہوئی، کہ آپ قانون کے ساتھ شغف کے

باوجود مذہب سے لگاؤ رکھتے ہیں، سوالات سے ظاہر ہے کہ ان فقہی اختلافیات میں بھی آپ کے مطالعہ کا انداز مناظرانہ ہے آپ نے سوالات کی ترتیب میں قانون اور مناظرہ دونوں کو ملحوظ رکھا ہے نیز سوالات اس ذہن کی غمازی کرتے ہیں کہ اہل حدیث کو آپ ایک ایسا فرقہ سمجھتے ہیں جو ائمہ اجتہاد کی ضد ہے اور شاید ہر مسئلے میں ان سے الگ ہے آج کل دیوبند اور بریلی سے جس طرح جمود کی دعوت دی جا رہی ہے اور متاخرین شوافع بھی قریباً اسی انداز سے دعوت دیتے ہیں اس سے تو اہل حدیث کو کلی اختلاف ہے ہم اس جمود کو واقعی قطعاً پسند نہیں کرتے بلکہ اس جمود کو اسلام کی دعوت عام کے بھی خلاف سمجھتے ہیں ایک انصاف پسند طالب علم ان حضرات کی اس تعصب آمیز دعوت سے یہی نتیجہ اخذ کریگا جو جناب نے اخذ کیا ہے۔

لیکن فی الحقیقت اہلحدیث کی دعوت عام اور جامع ہے اس میں مذاہب اربعہ اور دیگر ائمہ اجتہاد کی فقہی مساعی بھی شامل ہیں، اس دعوت کا مقصد یہ ہے کہ ان مقدس مساعی کا تحقیقی جائزہ لیا جائے اور انہیں کتاب اللہ اور سنت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے، اور ان اختلافات کی تطبیق اور ترجیح کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کی روش کو سامنے رکھا جائے، مروجہ فقہوں سے اہلحدیث کو جزوی طور پر یقیناً اختلاف ہے لیکن ائمہ اجتہاد کے علوم و آثار سے تحقیقی استفادہ تحریک کا اساسی مقصد ہے یعنی فقہی جزئیات کا ترک یا اختیار علم و بصیرت کی بنا پر عمل میں آئے اس کے باوجود ان مختلف نظریات کو گوارا کرنا اور ائمہ کے علوم کا احترام اور ان سے استفادہ اس تحریک کی روح ہے اس بنیادی اور اجمالی گذارش کے بعد استفسارات کے جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ مسلک اہل حدیث ایک ایسی دعوت ہے جس کی بنیاد اصول اور فروع یعنی عقائد اور اعمال میں ظاہر کتاب و سنت اور ائمہ سلف یعنی صحابہ کرام کی روش پر ہے جس میں آنحضرت کے بعد کسی شخصیت کے نام پر دعوت کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔

۲۔ اصول فقہ میں روضۃ الناظر ابن قدامہ الرسالہ للامام الشافعی ارشاد الفحول شوکانی حصول المامول للصدیق الحسن احکام الاحکام ابن حزم احکام للآمدی التوضیح والتلویح تفتازانی، کشف الاسرار شرح اصول بزدوی الاحکام فی اصول الاحکام لعز بن عبد السلام القواعد لابن رجب القواعد والفوائد الاصولیہ لعلی بن عباس البعلی ۸۰۳ القواعد النورانیہ لابن تیمیہ موافقات شاطبی وغیرہ کا۔ قدماء احناف کی کتابوں میں اصول کی حیثیت سے بیان ہوئے ہیں جیسے مسلم الثبوت وغیرہ

متاخرین حنفیہ ملا جیون شاشی وغیرہ کی تصانیف محققانہ نہیں کاتب چلپی حنفی نے کشف الظنون میں فرمایا سب سے پہلے اصول فقہ پر معتزلہ اور اہل حدیث نے لکھا لیکن ان کی کتابوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے، اس لئے معتزلہ عقائد میں ہمارے مخالف ہیں اور اہل حدیث فروع میں۔

اصول فقہ میں اختلاف خاص نوعیت کا ہے فن کے ماہر اس سے غلطی نہیں کھا سکتے، اس کے علاوہ بھی اہلحدیث نے اصول فقہ میں کافی ذخیرہ جمع فرمایا ہے ہر حق پسند آدمی کو اس میں وقت محسوس ہوتی ہے اس لئے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف کے تلامذہ عام طور پر اعتزال کا شکار ہو گئے، قاضی عیسیٰ بن ابان، بشر مریسی، سرخسی، کرخی، کم و بیش معتزلہ سے متاثر ہیں، جو لوگ اعتزال سے متاثر نہیں ان کی روش اصول میں چنداں غلط نہیں، اس موضوع میں تفصیلاً لکھنا وقت چاہتا ہے نیز یہ مسئلہ تدریسی ہے اخباری نہیں۔

عٮ، ۲، سے اس کا جواب کافی حد تک سمجھا جاسکتا ہے اس کا مقصد پہلے جواب میں آچکا ہے۔

عٮ۔ مجتہدین میں کوئی بٹوارہ نہیں، مذاہب اربعہ کے مجتہدین اہلحدیث کے بھی امام اور مجتہد ہیں، ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جریر طبری، ابوعبد الرحمٰن اوزاعی، ابو یوسف، محمد، یہ سب اہل حدیث کے مجتہد ہیں البتہ حق کسی میں محصور نہیں۔ نہ کسی کو مقام نبوت ملا ہے نہ مقام عصمت حاصل ہے غزارت علم کے باوجود غلطی ممکن بھی ہے اور واقعہ بھی اس لئے کسی کے تمام اجتہادات واجب القبول نہیں ہو سکتے، اور نہ واجب الاتباع،

۵۔ مجتہدین کی تقسیم کوئی شرعی مسئلہ نہیں فوق کل ذی علیم کے مطابق اصطلاحی الفاظ وضع کر لئے گئے ہیں تقلید کی حفاظت کیلئے یہ اغلال سلاسل بنائے گئے ہیں تاکہ انکے محققانہ اختلافات کو ترک تقلید کا نام نہ دیا جا سکے ورنہ یہ سب اساتذہ اور تلامذہ دلائل کی بنا پر باہم اختلاف فرماتے تھے اور ایک دوسرے کی تقلید سے بے نیاز تھے رحمۃ اللہ علیہم

۶۔ مفتی کیلئے ضروری ہے وہ کم از کم آیات احکام ۔ ۔ ۔ اور احادیث احکام کو جانتا ہو مذاہب علماء پر اسکی نظر ہو عربیت سے آشنا ہو اصول فقہ، اصول حدیث پر اسکی فی الجملہ نظر اور اسکے ساتھ باعمل اور متقی ہو اجتہاد ضروری نہیں۔

۷۔ مجتہدین کی مردم شماری نہ پہلے کبھی ہوئی نہ اب اسکی ضرورت، علمی فیوض تدریس و تذکیر سے خود بخود مقام متعین ہو جاتا ہے، مسلمہ مجتہدین کو انکی زندگی میں انکے اقران اتنے بڑے نہیں سمجھتے تھے جسقدر مقام اب انکو حاصل ہے اہلحدیث علماء کا بھی یہی حال ہے مولانا سید نذیر حسین، مولانا شمس الحق، مولانا شرف الحق ڈیانوی، مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری مولانا عبد العزیز رحیم آبادی، مولانا حافظ محمد لکھوی، مولانا حافظ عبد المنان صاحب وزیر آبادی مولانا عبد الجبار صاحب غزنوی کو شاید آنیوالے لوگ امام سمجھیں اور مجتہد ماننے لگیں ہیں اس معاملہ میں قطعاً مردم شماری یا مجتہد شماری کی ضرورت

نہیں سمجھتا۔ اَلْاِنَاءُ یَتَرَشَّحُ وَتَفُوْحُ بِمَا فِیْہِ۔

آپ قانون کے طالب علم ہیں مجتہد شماری سے پہلے اس اصطلاح کے مفہوم پر غور فرمائیں مجتہد کو اصطلاحاً جن علوم کا مکلف قرار دیا گیا ہے اس لحاظ سے تو صحابہ میں کوئی مجتہد معلوم نہیں ہوتا، بلکہ تابعین میں بھی کسی کو مجتہد کہنا مشکل ہے حتیٰ کہ مسلمہ ائمہ اجتہاد ان مصطلح راہوں سے مقام اجتہاد پر فائز نہیں ہوئے عجیب بات ہے کہ یہ اصطلاحی پابندیاں ائمہ اجتہاد پر وہ حضرات عائد فرما رہے ہیں جو خود مجتہد نہیں، آنحضرت نے سچ فرمایا اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا ارباب تقلید ائمہ اجتہاد کیلئے اجتہاد کی راہیں تجویز فرماتے ہیں، پھر کہیں محرم ۳۰۰ھ سے اجتہاد کو کلیتاً بند فرماتے ہیں حالانکہ علوم اجتہاد اب بھی موجود ہیں رسالہ حمیدیہ صفحہ ۲۲۸۔ وَلٰكِنَّ مِنْ عَصْرِ اَرْبَعَمِائَةٍ مِنَ الْهِجْرَةِ النَّبَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا اَزْكَى الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ قَالَ الْعُلَمَاءُ الْاَعْلَامُ كَمَا يُنْقَلُ عَنْ عُلَمَاءِ الْحَنَفِيَّةِ اِنَّ بَابَ الْاِجْتِهَادِ قَدْ اِنْسَدَّ مِنْ ذٰلِكَ التَّارِيْخِ اھ علماء حنفیہ نے فرمایا کہ چوتھی صدی کے ختم ہوتے ہی اجتہاد کا دروازہ مقفل ہو گیا ہم جب مجتہد کی تقلید ہی پسند نہیں کرتے، ہم مجتہد شماری کی سردردی کیوں اختیار کریں، ہمیں قرون خیر کا ایک غریب مسلمان تصور فرمائیے جو اپنے وقت کے علماء سے بلا تعیین شخص مسائل دریافت کرتا ہے اور اپنے فہم اور بساط کے مطابق ان پر عمل کرتا ہے وہ تقلید کو واجب سمجھے نہ مجتہد کی تلاش میں نکلے۔

۳۔ مروجہ مذاہب کی فقہیں ہماری ہیں، ہم بلا تخصیص وقت کے تقاضوں اور اپنے فہم کے مطابق قرآن وسنت کی رہنمائی میں ان پر عمل کرتے ہیں انسے مسائل انتخاب کرتے ہیں ایک فقہ کا تعین اصل مرض ہے جس نے تقلید کی بندشوں کو مضبوط کیا، اور فکر و نظر، فہم و شعور کے دروازوں کو مقفل کیا، زاد المعاد، نیل الاوطار، فتح الربانی، بدور الاہلہ دلیل الطالب الیٰ ارجح المطالب، فتاویٰ وغیرہ کافی کتابیں اس فقہی نہج پر لکھی گئیں لیکن تقلید نہ ہونیکی وجہ سے وہ مروجہ فقہوں کا مقام حاصل نہیں کر سکیں نہ ہی حائل ہونا چاہیئے، علماء کو اپنے علم کے مطابق تحقیق کرنا چاہیئے عوام کو بلا تخصیص علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جسطرح قرون خیر میں لوگ کرتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ تذکرہ اس طرح فرمایا ہے۔ وَبَعْدَ الْقَرْنَيْنِ حَدَثَ فِيْهِمْ شَيْءٌ مِنَ التَّخْرِيْجِ غَيْرَ اَنَّ اَهْلَ الْمِائَةِ الرَّابِعَةِ لَمْ يَكُوْنُوْا مُجْتَمِعِيْنَ عَلَى التَّقْلِيْدِ عَلٰى مَذْهَبِ التَّفَقُّهِ لَدٰى الْحِكَايَةِ لِقَوْلِهِ كَمَا يَظْهَرُ مِنَ التَّتَبُّعِ بَلْ كَانَ فِيْهِمُ الْعُلَمَاءُ وَالْعَامَّةُ وَكَانَ مِنْ خَبَرِ الْعَامَّةِ اَنَّهُمْ كَانُوْا فِي الْمَسَائِلِ الْاِجْمَاعِيَّةِ الَّتِيْ لَا اخْتِلَافَ فِيْهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ جُمْهُوْرِ الْمُجْتَهِدِيْنَ لَا يُقَلِّدُوْنَ اِلَّا صَاحِبَ الشَّرْعِ وَكَانُوْا يَتَعَلَّمُوْنَ صِفَةَ الْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ وَالصَّلٰوَاتِ وَالزَّكٰوةِ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَمُعَلِّمِيْهِمْ فَيَمْشُوْنَ حَسَبَ ذٰلِكَ وَاِذَا وَقَعَتْ لَهُمْ وَاقِعَةٌ اِسْتَفْتَوْا فِيْهَا اَيَّ مُفْتٍ وَجَدُوْا مِنْ غَيْرِ تَعْيِيْنِ مَذْهَبٍ وَكَانَ مِنْ خَبَرِ

الخاصة انه کان اهل الحدیث منهم یشتغلون بالحدیث یتخلص الیهم من احادیث النبی صلعم وآثار الصحابة مالا یحتاجون معه الی شیئ آخر الخ (حجۃ البالغہ ص۱۲۲ ج ۱) دوسری صدی کے بعد تخریج کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن چوتھی صدی تک لوگ تقلید پر جمع نہیں ہوئے تھے نہ ہی ایک مذہب کی تقلید اور اس پر تفقہ کا خیال اور چرچا ہوا تھا، اس وقت علماء بھی تھے اور عوام بھی عوام کا یہ حال تھا کہ اتفاقی مسائل اپنے بزرگوں اور اپنے شہر کے علماء سے دریافت کرتے اور صرف آنحضرت کا اتباع فرماتے، جیسے وضو، نماز، زکوٰۃ کے متفقہ مسائل اور جب کوئی خاص حادثہ ہو جاتا ہے تو بلا تعیین مذہب کسی مفتی سے دریافت فرما لیتے خواص کا یہ حال تھا وہ بھی اہلحدیث کو حدیث میں غور و فکر کے بعد ایسی احادیث و آثار ان کو مل جاتے، جس کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی انہیں ضرورت ہی نہ رہتی، یہ صحیح اسلام کی صورت ہی محسوس نہیں ہوتی موجودہ فقہوں پر بلا تعیین عمل کیا جائے، لوگوں کو ایک مذہب کی پابندی پر خواہ مخواہ تنگ نہ کیا جائے، تو مسلک اہلحدیث کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے،

اسی نہج پر حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ سنہ ۷۵۱ھ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں فانا نعلم بالضرورۃ انہ لم یکن فی عصر الصحابة رجل واحد اتخذ رجلا منهم یقلده فی جمیع اقواله فلم یسقط منها شیئا واسقط اقوال غیره فلم یاخذ منها شیئا وتعلم بالضرورة ان هذا لم یکن فی التابعین ولا تابعی التابعین فکذبنا المقلدون برجل واحد سلك سبیلهم الوخیمة فی القرون الفضیلة علی لسان رسول الله وانما حدثت هذه البدعة فی القرن الرابع علی لسانه صلعم ص۲۲۳ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ایک آدمی بھی اس وقت اس طرح کا مقلد نہیں تھا جو ایک ہی شخص کے تمام مسائل کو قبول کرے اور باقی علماء کے فتووں کو رد کر دے، اور ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ کا بھی یہی حال تھا، ایک ایسے آدمی کا پتہ دے کر حضرات مقلدین ہماری تکذیب کریں جو اسی ناہموار راہ پر چل رہا ہو۔ یہ بدعت چوتھی صدی کی پیداوار ہے جس کی آنحضرت نے مذمت فرمائی ہے۔

ان گذارشات سے آپ پوری طرح سوچ لیں، کہ مجتہدین کی تقسیم اصول فقہ کی تقسیم کا تصور کہاں سے پیدا ہوا، یہ صرف تار عنکبوت کا ایک حصار ہے جو تقلید شخصی کی کمزور عمارت کو بچانے کیلئے بنایا گیا، جس سے آپ جیسا قانون کا طالب بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں بچ سکا مجھے تعجب ہے آپ کا ذہن اس سوال کی طرف منتقل کیونکر ہوا۔

ص۹:۔ اس کا جواب قریباً ص۸ میں ہو چکا ہے، واقعی اگر ان مخصوص فقہوں کی طرح فقہ اہلحدیث کی پابندی واجب قرار دی جاتی، تو یہ بھی تقلید ہی ہوتی۔

ص۱۰:۔ میں نے عرض کیا ہے سابقہ ساری فقہیں قابل عمل ہیں، ظروف و احوال کے لحاظ سے اہل علم ان سب پر

بلا تخصیص عمل کرینگے، فرعی اختلافات کو گوارا کرنے کی عادت ڈالیں گے، اس سے قرونِ خیر کی وحدت قائم ہوگی، نزاع تقلید کی پیداوار ہے، جس کی وجہ سے تنگ نظری ہم پر محیط ہو چکی ہے، بیماری کا نام صحت سمجھ لیا گیا ہے آپ اس جامد اختلاف کا نام یکجہتی فرماتے ہیں عجیب ہے،

جب چاروں مذاہب حق پر ہیں، اور دنیا میں موجود ہیں تو یکجہتی جناب نے کہاں سے سمجھی بلکہ چار جہتی کو تو سمجھ کر گوارا کیا گیا ہے، اگر اس میں مسلک اہلحدیث کو بھی اسی طرح گوارا کر لیا جائے تو یہ مصطلح یکجہتی بھی قائم رہے گی، ذرا اس میں وسعت ہو جائیگی کاش کہ حضرات علماء کرام اسے گوارا کریں پہلی بیماری مروج تقلید ہے دوسری بیماری گوارا نہ کرنیکی عادت غرض اس وجوب اور پابندی کو آپ ختم کر دیں، ساری دقتیں دور ہو جائیں گی، بعض نظریاتی دقتیں عمل سے خود بخود درست ہو چکا ہے بلکہ اس صدی کے سفر میں بہت کچھ درست ہو چکا ہے اختلاف رائے کو گوارا فرمایئے تفرقہ خود بخود ختم ہو جائے گا، اختلاف اور تفرقہ میں لطف تفسیری تھیں، بلکہ فقہی اختلاف رہنا چاہیئے، اور تفرقہ کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔

۱۱:- اجتہاد کسی عالم کا ہو اسے کتاب و سنت پر پیش کرنا چاہیئے، اگر کتاب و سنت میں صراحت موجود نہ ہو تو عام کو کسی کے اجتہاد کا پابند نہ کیجئے، جس پر حسب مصالح حل کرے اسپر کوئی ملامت اور ضیق نہ ہونی چاہیئے، بہر حال علماء کی طرف رجوع کرینگے تہیں عادت ڈالتی ہے کہ مشہور مجتہدین یا متعارف فقہوں کی بجائے شریعت کتاب و سنت کے نام سے مسائل دریافت کریں، اور علماء اپنی صوابدید کے مطابق جواب دیں اگر مقلد قرآن و سنت کے خلاف مسائل چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ تقلید جہل برداشت اور مناسب ترین صورت ہے میاں صاحب حافظ ابن قیم نے اسے گوارا فرمایا ہے تجربہ کی بناء پر ضروری استفتا مخصوص فقہوں کی بجائے شریعت کی بناء کرنا چاہیئے، میاں صاحب نے معیار کے اس مقام میں یہ شرح فرمادی تھی۔

۱۲:- ابن حزم قیاس کے بالکل منکر ہیں، اہل حدیث کو مانتے ہیں، نظائر کے حکم میں مساوات کو مانتے لیکن اگر قیاس کہیں قرآن اور سنت سے متصادم ہو تو اہل حدیث نصوص کو مقدم سمجھتے ہیں، مدۃ رضاع کے نزدیک ۲½ سال اور خمر کا سرکہ بنانا نصوص کے خلاف ہے اسمیں نصوص مقدم ہونگی۔

۱۳:- اسکا جواب ۱۲ میں آچکا ہے، قیاس نصوص کا تابع ہو تو قابل قبول ہے اس لئے ہر پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق کسی نئے اعلان کی ضرورت نہیں۔

ج ۱ : سابقہ گذارشات کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فرضی تنقیص جناب کی قانون دانی کی مرہون ہیں کوشش تو یہی ہے کہ ائمہ کرام کے جو اقوال اختیار کئے حضرت ائمہ کے ارشاد کے مطابق ان کے نظر ہو، اس کے باوجود قصور نظر کا اعتراف ہے غلطی بھی ہو سکتی ہے ممکن ہے ماخذ نہ ملے تو کوئی اور راہ اختیار کرنا پڑے،
من ذالذی ماجاء قط ومن لہ الحسنی فقط قلت فرصت کے باوجود انتہائی اختصار سے بھی جوابی گذارشات آپ کے حسب الحکم الاعتصام میں بھیج رہا ہوں اُمید ہے بعد ملاحظہ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے یہ ملحوظ رہے کہ مناظرانہ انداز سے ان مباحث کو طول نہیں دینا چاہتا، نہ ہی اتنی فرصت ہے ورنہ آپ جانتے ہیں کہ ان مباحث میں کوئی چیز بھی حرف آخر نہیں سمجھی جا سکتی، اور مزید در مزید بسط اسی طرح ہو سکتا ہے اعلام الموقعین مترجم مل جائے تو ملاحظہ فرمائیں، اگر عربی زبان پر عبور ہو تو اعلام ابن عبد البر کی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ احکام ابن حزم وغیرہ کتب ملاحظہ فرمائیں، والسلام ۔

(محمد اسماعیل گوجرانوالہ) اخبار الاعتصام ۳ رجون ۱۹۷۳ء

ؐ ؐ ؐ ؐ ؐ

سوال:۔ حدیث قدسی کسے کہتے ہیں مفصل جواب عنایت فرمایئے۔

جواب:۔ حدیث قدسی کی دو تعریفیں مشہور ہیں۔

ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف نسبت کریں، خواہ صیغہ غائب ہی ہو جیسے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي الحدیث (مشکوٰۃ باب ذکر اللہ الخ) دوسری یہ کہ خدا براہ راست بندوں کو خطاب کرے، جیسے عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا الحدیث (مشکوٰۃ باب الاستغفار الخ)

نوٹ:۔ اس میں اختلاف ہے کہ الفاظ خدا کے ہوتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہو سکتے ہیں اور مطلب خدا کا ظاہر یہی ہے کہ الفاظ بھی خدا ہی کے ہوتے ہیں صرف ان میں اعجاز نہیں ہوتا، جیسے قرآن مجید میں اعجاز ہے، اگر الفاظ خدا کے نہ ہوں اور مطلب خدا کا ہو تو پھر حدیث قدسی اور دوسری حدیثوں میں یہ فرق ہوگا کہ حدیث قدسی میں خدا کی طرف نسبت کی تصریح ہوتی ہے جیسے اضافت تشریفی (بیت اللہ، ناقۃ اللہ وغیرہ) ورنہ مطلب کے لحاظ سے سب احادیث خدا کی طرف سے ہیں۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ ج ۱۳ شمارہ ۲)

سوال ۲:۔ کیا حدیث کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

جواب:۔ مطلق حدیث کا انکار کفر ہے یہ تواتر کا انکار ہے، (اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۳ ش ۱۳)

سوال ۳:۔ اذان کے وقت قرآن پڑھنے والا تلاوت چھوڑ دے یا نہیں، اسی طرح اذان یا تلاوت میں سلام کا جواب دینا کیسا ہے (ایضاً)

جواب:۔ خواہ تلاوت کرتا ہے یا نہ اذان کے ساتھ مسنون جواب دیتے رہنا چاہیے اذان اور تلاوت میں سلام کا جواب دے دینا جائز ہے، (جلد ۱۳ ش ۹)

سوال ۴:۔ گندم کا بھاؤ بازار میں ۴۲ روپے بوری ہے ایک شخص ۵۰ روپے بوری بیچتا ہے، کیا یہ جائز ہے (ایضاً)

جواب: - اگر لینے دینے والا راضی ہے تو شرعاً جائز ہے صرف تجارتی نقطہ نگاہ سے وہ گراں فروش مشہور ہو کر بدنام ہو گا۔ (سوہدرہ اخبار اہلحدیث جلد ۱۰ ش ۱۲)

سوال: - میری بیوی بچپن میں ایک سید صاحب سے قرآن شریف پڑھا کرتی تھی، کیا اب بھی اُن سے پڑھ سکتی ہے۔

جواب: - اگر پردہ میں بیٹھ کر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتی ہے، بشرطیکہ گھر کے اور لوگ بھی موجود ہوں تنہائی نہ ہو، اور اگر خاوند یا کوئی محرم پڑھا سکے تو بہت بہتر ہے، (اخبار اہلحدیث سوہدری جلد ۱۰ ش ۱۲)

سوال: - کیا نماز میں کوئی امام قرآن کریم بلا ترتیب یعنی کوئی پچھلی سورت پہلی رکعت میں اور پہلی سورت پچھلی رکعت میں پڑھ سکتا ہے۔ (دیکھئے از جھونوالی)

جواب: - ہاں پڑھ سکتا ہے، حدیث سے ثابت ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۰ ش ۲۲)

سوال: - حرف ضاد (ض) دال سے مشابہ ہے یا ظ (ثناء اللہ گوان آزاد کشمیر)

جواب: - مخارج حروف کا تعلق علم قرأت و تجوید سے ہے ضاد دراصل دال اور ظاء کے درمیان ہے جب کہ زبان کو بائیں جانب گھمانا پڑتا ہے، اسے صحیح طور پر پڑھا جائے تو نزاع ختم ہو جاتی ہے مگر چونکہ اصل مخرج سے نکالنے کی کوشش نہیں کرتا، اس لئے کشمکش اور مسلکی افتراق و امتیاز کی علامت بن گیا ہے، اگر اصل مخرج سے آزاد رہ کر ہی اسے ادا کرتا ہے، ظاء کے مشابہ ہی بلا تکلف بولا جاتا ہے،

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۵ ش ۱۲/۱۳)

سوال: - چند نفوس کا ایک جگہ بیٹھ کر حصہ داری سے قرآن کریم ختم کرنا کیسا ہے یا پڑھنے کی بجائے آیت پر انگلیاں پھیرتے جانا یا ہر آیت کے بدلے صرف بسم اللہ مکمل پڑھتے جانا اور اس طرح ختم قرآن سمجھنا کیا حکم رکھتا ہے، (بابو محمد سلیم کراچی)

جواب: - یہ سب حیلے بہانے ہیں نہ حضور ؐ اور صحابہ رضؓ نے یہ کام کئے نہ ائمہ عظام نے یہ ترکیبیں بتائیں یہ سب امور بدعت اور ایجاد بندہ ہیں اور خود فریبی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتیں۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۵ ش ۶)

سوال : ۔ایک امام صاحب نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ والتین پڑھتے ہیں اور دوسری میں الم نشرح پڑھتے ہیں، یعنی تقدم تاخر کر دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے (رخ نمبر ۲۰۲)

جواب : ۔ ہاں جائز ہے احادیث سے ثابت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرأت نماز میں سورتیں آگے پیچھے کی ہیں، احناف بھی اس کے قائل ہیں، فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ ج ۱۲ ش ۲۳)

سوال : ۔ زینب بچپن میں ایک شاہ صاحب سے قرآن پڑھتی تھی اب اس کی شادی ہوگئی ہے کیا اب بھی وہ شاہ صاحب سے قرآن پڑھ سکتی ہے یا نہیں! (غلام محمد)

جواب : ۔ صغر سنی میں تو جائز ہے بلوغت کے بعد جائز نہیں خواہ شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، بہتر یہی ہے کہ وہ کسی عورت سے پڑھے، یا کسی محرم سے پڑھے، غیر محرم سے تعلیم حاصل کرنا خطرات سے خالی نہیں۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲ ش ۴۲)

سوال : ۔ ایک امام صرف قرآن پڑھا ہوا ہے نہ ترجمہ جانتا ہے نہ حدیث نہ فقہ، بلکہ بسا اوقات قرآن بھی غلط پڑھتا ہے کیا اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہئے یا نہ

جواب : ۔ اگر کوئی اس سے اچھا قرآن پڑھنے والا موجود ہو تو اسے امام نہ بنانا چاہئے عوام کو ضد نہیں کرنی چاہئے، نہ امامت کے سلسلہ میں پارٹی بازی ہونی چاہئے بلکہ امام ہمیشہ ایسا انتخاب کرنا چاہئے جو ذی علم ہو۔ قرآن اچھا جانتا ہو۔ اچھا پڑھتا ہو اور نیک و پارسا بھی ہو۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲ ش ۱۹)

سوال : ۔ قرآن مجید کی کن کن آیات کا جواب دینا ضروری ہے۔

جواب : ۔ قرآن مجید پڑھنے والا سورۃ والتین کے آخر پر یہ کہے۔

بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۔

اور سورۂ اعلیٰ میں، سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھے تو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہے، مگر یہ جواب ضروری نہیں، اور مقتدی جب یہ سنتے تو اس کے متعلق کہیں ذکر نہیں آیا، جو کہتے ہیں کہ مقتدی بھی جواب دے وہ قیاس سے کام لیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۃ الرحمٰن پڑھی تو صحابہ خاموش ہو کر سنتے رہے، آنحضرت نے فرمایا جن تم سے بہتر جواب دیتے تھے جب

میں فبای الآء ربکما تکذبان پڑھتا تو کہتے لا بشیء من نعمک ربنا نکذب لک الحمد ولک الشکر۔ **توضیح:** جو مقتدی بھی جواب دیتے ہیں وہ قیاس نہیں بلکہ نص علی حدیث پر عمل ہے (سعیدی)

سوال:۔ حفظ قرآن مجید کے لئے جو حضور نے حضرت علی کو نماز اور دعا سکھلائی تھی، کیا یہ نماز صرف جمعرات کو پڑھنی چاہیئے یا اوّل جمعہ سے ساتویں جمعہ تک ہر رات کو پڑھنی چاہیئے۔

جواب:۔ یہ دعا صرف جمعرات کو پڑھنی چاہیئے، ہر رات نہیں پڑھنی چاہیئے۔

سوال:۔ یہ دعا جو خاص حفظ کے لئے ہے، کیا نماز میں التحیات کے بعد سلام سے قبل پڑھنی چاہیئے یا سلام کے بعد پڑھیں۔

جواب:۔ تشہد پڑھ کر سلام پھیر کر دعا پڑھیں، اگر سلام سے قبل پڑھے تو بھی صحیح ہے۔

سوال:۔ اگر اُم القرآن قرآن میں شامل نہیں ہو سکتی، تو اُم الانسان (حوا) انسان میں شامل نہیں ہو سکتی۔

اگر اُم القرآن قرآن ہے تو اُم الانسان بھی انسان ہے۔

اگر اُم انسان بھی انسان ہے، تو اُم القرآن بھی قرآن ہے، تو قرأت سے منع کیا گیا، لہٰذا فاتحہ سے بھی منع کیا گیا، معلوم ہوا کہ فاتحہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔

(شیخ محمد یوسف ناظم اعلیٰ جمعیۃ اہلحدیث ہڑپہ شہر ضلع ساہیوال)

جواب:۔ اُم القرآن قرآن کا حصہ ہے، مگر قرآن ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام کے پیچھے اس کو نہ پڑھا جائے، کیونکہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اور حدیث میں فاتحہ قرآن کے ہر حصہ کا عوض بن سکتی ہے مگر قرآن مجید کا کوئی حصہ فاتحہ کی جگہ بدل نہیں بن سکتا، لہٰذا فاتحہ کو قرآن مجید کے دوسرے حصہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، فاتحہ بے مثل سورۃ ہے، قرآن مجید کی دوسری سورتوں کی طرح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(اخبار اہلحدیث الاعتصام جلد ۲۹ ش ۳۳/۳۴)

سوال:۔ کیا قرآن و حدیث میں کوئی ایسا علم ہے جس سے بیمار کی بیماری وغیرہ معلوم ہو جائے،

جواب:۔ حدیث میں صرف استخارہ کا ذکر ہے مگر استخارہ میں معلوم ہونا ضروری نہیں۔

سوال:۔ کیا کوئی ایسا علم ہے جس سے رات کی تاریکی میں جادو کرنے والے کی شکل وغیرہ سامنے آئے۔

جواب:۔ قرآن و حدیث میں تو اس کا ذکر نہیں مگر فلسفہ اور نعوذ بذات کی کتب میں اس قسم کے عملیات ہیں،
اخبار الاعتصام (جلد نمبر ۲ ش نمبر ۳۸)

سوال:۔ کیا قرآن کی تعلیم و تلاوت کی اجرت لینا جائز ہے۔

جواب:۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے جمہور جواز کے قائل ہیں حنفیہ منع کہتے ہیں مگر متاخرین حنفیہ نے تعلیم کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے بعض حنفیہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے قرون اولیٰ میں علماء کو روزینہ ملتا تھا اس واسطے ان کو اجرت لینا عوام سے درست نہیں تھا اب چونکہ علماء کو بیت المال سے کچھ نہیں ملتا اس واسطے اب لے سکتے ہیں۔ (جلد نمبر ۲ ش نمبر ۴ الاعتصام)

سوال:۔ ابوداؤد وغیرہ میں جو احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم پر اجرت لینا منع ہے اس کا کیا مطلب ہے۔

جواب:۔ جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ایک شخص نے استاد کو ایک کمان دی آپ نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے کہ مجھے آگ کی کمان پہنائی جائے تو قبول کر ابن حزمؒ نے اس حدیث کو بوجہ انقطاع ضعیف قرار دیا ہے جن احادیث میں یہ ذکر ہے قرآن کے ساتھ نہ کھاؤ اس کا یہ مطلب ہے قرآن پڑھ کر سوال نہ کرو۔

حضرت عمرؓ معلمین کو مشاہرہ کے طور پر کچھ روپے پیسے دیا کرتے تھے جیسا کہ محلی میں ابن حزم نے ذکر کیا ہے، ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بیت المال سے گذارہ کے لئے لیا کرتے تھے اور خلیفہ کا کام عبادت کی صورت میں ہوتا ہے نماز پڑھانا امر بالمعروف نہی عن المنکر وغیرہ۔
الاعتصام (جلد نمبر ۲ ش نمبر ۴۴)

سوال:۔ قرآن و حدیث پڑھا کر تنخواہ لینا درست ہے یا نہیں۔

جواب:۔ درست ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللهِ (بخاری) جن کاموں پر تم مزدوری لیتے ہو تو قرآن کی مزدوری لینا اس سے زیادہ حقدار ہے اور ایک صحابی رضہ سے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے پر تیس بکریاں اجرت میں لی تھیں، (بخاری) علامہ نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ هٰذَا تَصْرِيحٌ لِجَوَازِ اَخْذِ الْاُجْرَةِ عَلَى الرُّقْيَةِ بِالْفَاتِحَةِ وَالذِّكْرِ اَنَّهَا حَلَالٌ لَا كَرَاهِيَةَ فِيهَا وَكَذَا الْاُجْرَةُ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْاٰنِ وَهٰذَا مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ مَالِكٍ

وَاَحْمَدَ وَاِسْحٰقَ وَاَبِیْ ثَوْرٍ وَاٰخَرِیْنَ مِنَ السَّلَفِ وَمَنْ بَعْدَھُمْ وَمَنَعَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ فِیْ تَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ وَاَجَازَھَا فِی الرُّقْیَۃِ (نووی) خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رح امام مالک رح وغیرہ کے نزدیک تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناجائز ہے (واللہ اعلم بالصواب)

(اخبار اہلحدیث جلد ۲۱ ش ۵)

سوال: (۱) کیا تنخواہ لیکر امامت جائز ہے؟

(۲) کیا کوئی مسلمان کسی نجومی سے کوئی چیز گم ہو جانے پر پوچھ سکتا ہے اگر وہ بتادے تو اس کے کہنے پر قسم کھا کر گم شدہ چیز وصول کر سکتا ہے یا نہیں۔

(۳) غیب تو کسی کو نہیں مگر فرعون کے نجومیوں نے پہلے ہی بتادیا تھا، کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا، اور وہ بچہ موسیٰ پیدا بھی ہو گئے، یہ کیوں؟

جواب:۔ (۱) امامت پر تنخواہ کے عدم جواز پر کوئی صحیح صریح معلوم نہیں، حدیث اِتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا یَاْخُذُ عَلٰی اَذَانِہٖ اَجْرًا اَخْرَجَہُ الْخَمْسَۃُ وَحَسَّنَہُ التِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَہُ الْحَاکِمُ (بلوغ المرام) کے تحت سبل السلام میں لکھا ہے، "اِنَّہٗ لَا یَدُلُّ عَلَی التَّحْرِیْمِ وَقِیْلَ یَجُوْزُ اَخْذُھَا عَلَی التَّاْذِیْنِ فِیْ مَحَلٍّ مَخْصُوْصٍ اِذْ لَیْسَتْ عَلَی الْاَذَانِ حِیْنَئِذٍ بَلْ عَلٰی مُلَازَمَۃِ الْمَکَانِ کَاُجْرَۃِ الرَّصَدِ (انتہیٰ)

۲-۳:۔ اس طریقے سے خبریں جہیا کرنے والے کو شریعت میں "عرّاف" اور کاہن کہا جاتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل ایسے لوگوں کا کافی چلن تھا، لہذا آپ نے اس فعل سے سختی سے منع فرمایا ہے ایسے لوگوں کی بعض باتیں سچی بھی ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ بھی حدیث شریف میں فرمادی گئی ہے ان لوگوں کی بات کی تصدیق تو کجا۔ ان سے نفس پوچھنا ہی ناجائز ہے، رہے اسرائیلی قصے تو اولاً ان کی تاریخی حیثیت کا قابل اعتماد ہونا ضروری نہیں ثانیاً ان سے کوئی مسئلہ نہیں، ثابت کیا جا سکتا ہے، جبکہ ہماری شریعت میں صراحۃً اس سے منع کر دیا گیا ہو۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ سَاَلَ اُنَاسٌ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْکُھَّانِ فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاِنَّھُمْ یُحَدِّثُوْنَ اَحْیَانًا بِالشَّیْءِ یَکُوْنُ حَقًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِلْکَ الْکَلِمَۃُ مِنَ الْحَقِّ یَخْطِفُھَا الْجِنِّیُّ فَیَقُرُّھَا فِیْ اُذُنِ وَلِیِّہٖ قَرَّ الدَّجَاجَۃِ فَیَخْلِطُوْنَ فِیْھَا اَکْثَرَ مِنْ مِائَۃِ کَذْبَۃٍ۔ (متفق علیہ) یعنی کچھ لوگوں کے دریافت کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا، نجومی کی بعض بات سچی بھی ہو جاتی ہے کیونکہ جن اکثر بتا جاتے ہیں، لیکن اس میں سو فیصد جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی کَاھِنًا فَصَدَّقَہٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ (مشکوٰۃ)

۳۔ عَنْ حَفْصَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسَاَلَہٗ عَنْ شَیْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَہٗ صَلٰوۃٌ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً رَوَاہُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ) قَالَ الْبَغَوِیُّ الْعَرَّافُ الَّذِیْ یَدَّعِیْ مَعْرِفَۃَ الْاُمُوْرِ بِمُقَدَّمَاتٍ یَسْتَدِلُّ بِھَا عَلَی الْمَسْرُوْقِ وَمَکَانِ الضَّالَّۃِ وَنَحْوِ ذٰلِکَ (کتاب التوحید ص۴۳ طبع منیریہ مصر)

خلاصہ یہ ہے کہ چوری وغیرہ کے معلوم کرنے کیلئے نجومیوں فال نکالنے والوں اور اس قسم کے استخارے کرنے والے لوگوں کے پاس جانا پھر اس پر کوئی حکم لگانا اور نتیجہ مرتب کرنا شرعاً ناجائز اور ایمان کو خطرہ میں ڈالنے والا کام ہے لہٰذا قسم کھا کر گم شدہ چیز کی وصولی جائز نہ ہوگی، افسوس! اس مرض میں ناواقفی کے سبب بعض اہل توحید بھی مبتلا ہو رہے ہیں۔ (جلد ۲۱ سش ۹)

سوال :۔ کیا بخاری و مسلم معصوم عن الخطاء تھے، کیا ان سے حدیثوں کے جمع کرنے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔

جواب :۔ انسانی طاقت کے لحاظ سے بخاری و مسلم کو بھی غلط کہنا صحیح ہے گو امام بخاری اور مسلم معصوم عن الخطاء نہیں تھے۔ (اخبار اہلحدیث جلد ۳۳ امرتسر ش ۵)

سوال :۔ کیا صحابہ سے حدیثوں کے روایت کرنے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی ہوگی۔

جواب :۔ صحابہ سے غلطی ہوئی یا نہ ہوئی دونوں باتیں صحیح ہیں بعض اوقات فہم حدیث یا تشریح میں فہم کی غلطی ہو جاتی تھی مگر شاذ (اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۳۳ ش ۵)

سوال :۔ کیا قنوت میں اِھْدِنِیْ پڑھنا مکروہ ہے۔

جواب :۔ قنوت میں اِھْدِنِیْ پڑھنا مکروہ نہیں بلکہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ صفحہ ۱۲ میں مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی کا قنوت میں امام کے لئے اِھْدِنِیْ بلفظ مفرد پڑھنا مکروہ بلکہ ممنوع بتانا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی توہین اور جرأت عظیمہ ہے سنت

نبوی کو بنظر کراہیت دیکھنا ہے جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بحالت امام جماعت قنوت میں اِھْدِنِیْ بلفظ مفرد پڑھا جیسا کہ مولانا عبدالوہاب صاحب محدث دہلوی کا فتویٰ ہدایۃ المستفتی میں مولانا عبدالجلیل صاحب سورتی کا تعلیم الدین میں لکھا ہوا ہے اب نبوی فتویٰ ملاحظہ کیجئے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ رَافِعَ يَدَيْهِ فَيَدْعُوْا بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ الخ (مستدرک حاکم) کذا فی التلخیص جلد ۱ صـ ۹۵ ۔

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں بحالت امام اِهْدِنِيْ اور عَافِنِيْ اور تَوَلَّنِيْ اور بَارِكْ لِيْ۔ اور قِنِيْ بلفظ مفرد بغیر لفظ جمع کے پڑھتے تھے، اس شرح صاف۔ صریح حدیث کے ہوتے ہوئے امام نوی رحمۃ اللہ کا قول پیش کرنا دوسری جرأت عظیمہ ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فعل (قال الھدنی) پر مکروہ وممنوع کا دھبہ آتا ہے حالانکہ شان رسالت خاص کر احکام الٰہی ان عیوب سے پاک صاف ہے جو کچھ آپ نے کیا پس اہلحدیث کیلئے وہی سُنَنُ الْهُدٰى وسواء الطریق الی المطلوب واُسوۂ حسنہ ہے بارشاد خدا تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔

نتیجہ آپ کے عمل کے خلاف اِهْدِنَا بلفظ جمع پڑھنا خلاف سنت ہے پس ان اَقوال الرِّجال سے نبوی تعامل زیادہ قابل قدر ولائق عمل ہے ورنہ اتباع سنت کا دعویٰ غلط فقط۔

(العاجز احمد بن محمد مرحوم مفتی اہلحدیث دہلی فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ صـ ۵۹)

سوال:۔ تعویذ کا باندھنا یا گلے میں لٹکانا درست ہے یا نہیں۔

جواب:۔ اگر تعویذ میں حدیث یا قرآن مجید کی کوئی دعا لکھی ہوئی ہے یا اللہ کا نام لکھا ہوا ہے تو نا بالغ بچوں کے گلے میں لٹکانا یا باندھنا درست، اور بالغ مردوں اور عورتوں کے لئے درست نہیں ہے بالغین کو یہ دعائیں خود ہی پڑھنا چاہئیں، جو تعویذ کے بارے میں ہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص خواب میں ڈرے تو اسے یہ دعا پڑھنا چاہیئے۔ اَعُوْذُ بِكَلِمٰتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ تو شیطان کے وسوسوں سے اس کو نقصان نہیں پہنچے گا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضہ اپنے بالغ لڑکوں کو یہ دعا سکھا دیتے تھے اور نابالغ

بچوں کے لئے اس دعا کو لکھ کر گلے میں لٹکا دیتے تھے، ترمذی۔ اس روایت سے نابالغ بچوں کے گلے میں تعویذ کا لٹکانا جائز ثابت ہوتا ہے اور بالغوں کیلئے اس لئے ناجائز ہے کہ پاکی ناپاکی کی حالت میں ساتھ رکھیں گے، جس سے توہین لازم آئے گی۔ مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی رح

(اخبار الاعتصام جلد ۲۱ ش ۵)

توضیح۔ برائے بالغ تعویذ کو ناجائز قرار دینے کیلئے پاکی ناپاکی کی حالت قرار دینے میں نظر ہے۔ کیونکہ نابالغوں کی نسبت بچوں میں پاکی ناپاکی میں امتیاز کم اور مشکل ہے، تعویذ کو کسی چمڑے وغیرہ میں محفوظ سلا جاتا ہے پھر توہین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ورنہ لازم آئیگا کہ جس مکان میں قرآن مجید ہو، اس مکان میں بچوں کو نہ سلایا جائے کیونکہ وہ مٹی کر کے بدبو پھیلائیں گے جس مکان میں قرآن مجید ہو اس مکان کے بیت الخلا ور نہ ہو نہ کوئی چھت پر جائے کیونکہ بے ادبی ہو گی، بہر صورت تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن قرآن یا اسکی آیت کے اور گندگی کے درمیان چھت ہو یا دیوار یا کوئی اور پردہ ہو تو پھر بے ادبی نہیں جیسا کہ گندے نالے کے اوپر مسجد اور مسجد میں نماز اور قرآن مجید ہوتے ہیں۔ بہرحال قرآن اور حدیث کے مطابق تعویذ جائز ہے اگر نہ لکھے اور نہ گلے ڈالے تو افضل ہے۔ باقی تفصیل فتاوٰی علماء حدیث کی جلد میں ہے فاہم وتدبر الراقم علی محمد سعیدی جامع سعیدیہ خانیوال۔

سوال:۔ قرآن پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو پہنچایا جا سکتا ہے،

جواب:۔ اس عمل کے لئے قرآن اور صحیح حدیث میں کوئی ثبوت نہیں اس واسطے قرآن پڑھ کر مردے کو ثواب پہنچانے کو سنت نہیں کہہ سکتے،

تحریر۔ مولانا ابوالبرکات احمد شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ۔

تصدیق حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی اخبار الاسلام گوجرانوالہ جلد ۱ ش ۲۳)

توضیح بطریق مروجہ قرآن خوانی کے متعلق کوئی صحیح حسن یا ضعیف حدیث بھی مروی نہیں تعامل صحابہ اور تابعین بھی نہیں پایا گیا یہ صرف رواج ہے ہذا ما عندی واللہ اعلم حررہ علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال۔

سوال:۔ قرآن وحدیث پڑھا کر تنخواہ لینا درست ہے یا نہیں۔

جواب:۔ درست ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ (بخاری)

جن کاموں پر تم مزدوری لیتے ہو تو قرآن کی مزدوری لینا اس سے زیادہ حقدار ہے، اور ایک صحابی رض نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے پر تیس بکریاں اجرت میں لی تھیں، بخاری۔ علامہ نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ:۔ هٰذَا تَصْرِيْحٌ لِجَوَازِ اَخْذِ الْاُجْرَةِ عَلَى الرُّقْيَةِ بِالْفَاتِحَةِ وَالذِّكْرِ اِنَّهَا حَلَالٌ لَا كَرَاهِيَةَ فِيْهَا وَكَذَا الْاُجْرَةُ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَهٰذَا مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ وَاَحْمَدَ وَاَبِيْ ثَوْرٍ وَاٰخَرِيْنَ مِنَ السَّلَفِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَمَنَعَهَا اَبُوْحَنِيْفَةَ رح فِيْ تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَاَجَازَهَا فِي الرُّقْيَةِ ۔

شرح مسلم، نووی۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی امام مالک وغیرہ کے نزدیک تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ناجائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاعتصام لاہور جلد ۲۱ ش ۵)

سوال:۔ ماہ رمضان المبارک میں جب مساجد میں قرآن مجید ختم ہوتا ہے تو مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب:۔ بعون الوہاب

بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رض نے جب سورۂ بقرہ ختم کی تو دس اونٹ ذبح کئے اس سے معلوم ہوا کہ کسی دینی کتاب کے ختم ہونے پر اگر کوئی ایسی خوشی کی جائے تو حرج نہیں۔ لیکن اس کا التزام کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا جیسے آج کل ہوتا ہے یہ طریقہ مناسب نہیں، کیونکہ سلف میں اس قسم کے التزام کا ثبوت نہیں۔

(مولانا حافظ عبداللہ روپڑی)

(تنظیم اہل حدیث، جلد ۱۸ ش ۳۲)

سوال:۔ قرآن کریم کھولتے اور بند کرتے وقت اسے چومنا چاہیئے یا نہیں۔

جواب:۔ نہیں چومنا چاہیئے نہ شرعی مسئلہ ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۲ء)

سوال:۔ حرف ضاد. ض. دال سے مشابہ ہے یا ظ۔

جواب:۔ مخارج حروف کا تعلق علم قرأت و تجوید سے ہے ضاد دراصل دال اور طاء کے درمیان ہے جبکہ زبان کو بائیں جانب گھمانا پڑتا ہے اُسے صحیح طور پر پڑھا جائے تو نزاع ختم ہو جاتی ہے مگر چونکہ اصل مخرج سے نکالنے کی کوشش نہیں کرتا! اسلئے کشمکش اور مسلکی افتراق و امتیاز کی علامت بن گیا ہے اگر اصل مخرج سے آزاد رہ کر ہی اُسے ادا کرتا ہے تو اُردو، فارسی، اور عام عربی بول چال میں حرف ضاد حرف ظاء کے مشابہ ہی بلا تکلف بولا جاتا ہے۔ (اخبار اہلحدیث ۵ جون و یکم جولائی ۱۹۶۲ء)

سوال:۔ کیا قرآن مجید کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔

حضرت مولنا مولوی عبدالواحد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

الجواب:۔ الحمد للہ رب العلمین ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰی (بخاری)

قبرستان میں دعائے مغفرت کریں یا قرآن کریم پڑھیں، تمہاری نیت کے مطابق مردوں کو تقسیم ہوگی۔ البتہ مشرکوں اور منافقوں کو نہ ملیں گے مشرکوں کے بارہ میں تو قرآنی حکم ہے مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى (الآیۃ) اور منافقو کے بارہ میں فرمایا۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ الآیۃ اور فرمایا سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ الآیۃ جب اللہ عزوجل کے رسولؐ کی دعائے مغفرت ان کو نہیں پہنچ سکتی ہے تو ہماری دعا اور تلاوت کیونکر پہنچیں گے، لہذا ان کے لئے نیت نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ وہ تو رب عزوجل کو بُرے لگتے ہیں، پھر ایمان دار جو اللہ ہی کے ساتھ اس کو تعلق و محبت قلبی ہے) کیونکر دعا کرے گا۔ (اخبار الاعتصام جلد ۲۶ اش ۴۷)

لہ:۔ دعا صحیح احادیث سے ثابت ہے قرآن کریم پڑھنے کا مسئلہ ضعف پر مبنی ہے اور تقسیم محض قیاسات پر کتاب الروح الابن القیم سے تفصیل مل سکتی ہے (ع۔ح)

سوال :۔ قرآن مجید کی بعض سورتوں کے آخر میں جوابات صرف امام دے یا مقتدی بھی دے سکتے ہیں

جواب :۔ احادیث میں نص صرف قاری کے متعلق ہے قاری پر قیاس کر کے اگر سامع بھی جواب دے تو اس کی گنجائش ہے ۔

تحریر مولانا ابو البرکات احمد شیخ الحدیث جامع اسلامیہ گوجرانوالہ ۔

تصدیق :۔ حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی ۔

(اخبار الاسلام گوجرانوالہ جلد ۱ ش ۲۳)

توضیح :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل دونوں امت کے لئے حجت ہیں صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي قاری اور سامع دونوں کو شامل ہے قاری پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں ہذا ما عندی واللہ اعلم

(حررہ علی محمد سعیدی جامع سعیدیہ خانیوال)

سوال :۔ کتب صحاح ستہ کو اگر بنظر عمیق دیکھا جائے، تو ان سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دن میں سارا قرآن ختم کرنا خلاف سنت ہے، بخاری شریف میں اس کے متعلق متعدد حدیثیں آئی ہیں، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دن سے پہلے قرآن ختم نہ کیا جائے، ابوداؤد میں ہے کہ جس نے تین دن سے پہلے قرآن ختم کیا۔ اس نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں ۔ مگر بعض صحابہ کا عمل اس کے برعکس پایا جاتا ہے، حضرت تمیم داری کے متعلق مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے کہ ایک رات میں قرآن ختم کیا کرتے تھے، بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ میرے صحابہ مثل آسمان کے تاروں کے ہیں جن کی بھی تم پیروی کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے لہذا ان کے عمل کو دیکھتے ہوئے ایک دن، یا ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنا جائز معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق جو آپ کی تحقیق ہو ارقام فرمادیں ۔

جواب :۔ شریعت اسلام میں سوا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرمان کے کوئی تیسری چیز قابل حجت نہیں، قَالَ اللهُ أَطِيعُوا اللهَ وَالرَّسُولَ جب احادیث نبویہ سے ثابت ہو گیا، کہ تین دن سے قبل قرآن نہ ختم کیا جائے، تو ہمیں کسی اور کے قول و فعل کی پرواہ نہ کرنی چاہیے حضرت تمیم داری کا عود اپنا فعل ہے حدیث اصحابی کالنجوم، قطع نظر اس سے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس سے مراد کہ ان کا عمل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو ۔

(اخبار اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۳ ش ۱۵)

سوال:۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ یہاں الارض سے کون سی جنت کی زمین مراد ہے۔

جواب:۔ اس آیت کے متعلق حضرت مفسرین کے تین قول ہیں، پہلا قول یہ ہے قِيلَ الْمُرَادُ الْجَنَّةُ یعنی اللہ کے نیک بندے جنت کی زمین کے وارث ہوں گے، دوسرا قول اس طرح ہے هِيَ الْأَرْضُ الْمُقَدَّسَةُ یعنی اللہ کے نیک بندے ملک شام کی زمین کے ملک ہوں گے۔

تیسرا قول یہ ہے هِيَ الْأَرْضُ الْأُمَمُ الْكَافِرَةُ يَرِثُهَا نَبِيًّا صلی اللہ علیہ وسلم وَأُمَّتُهُ بِفَتْحِهَا۔ یعنی اس سے مراد اگلی امتوں کے ملک ہیں، جن کے وارث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ہوگی اس تیسرے قول کو اکثر مفسرین نے ترجیح دی ہے، چنانچہ تفسیر فتح القدیر للشوکانی میں ہے وَالظَّاهِرُ إِنَّ هٰذَا تَبْشِيرٌ لِأُمَّتِهِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم بِوِرَاثَتِهِ أَرْضَ الْكَافِرِينَ وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ الْمُفَسِّرِينَ۔ (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۱۳)

علماء کی تقاریر ٹیپ ریکارڈ کرنا۔

سوال:۔ گذارش ہے کہ آج کل ایک مشین کے ذریعہ علماء کرام کی تقاریر ٹیپ ریکارڈ کی جاتی ہے پھر یہ ٹیپ شدہ تقاریر علماء کی موجودگی میں یا بعد وفات عام لوگوں کو سنائی جاتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں یہ ناجائز بلکہ شرک ہے اور گانے بجانے کے مشابہ ہے سوال یہ ہے کہ تقریر کو ٹیپ ریکارڈ کرنا اور پھر آگے لوگوں کو سنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے۔

الجواب:۔ بعون الوہاب

شرک وکفر والی اس میں کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ رہا جواز یا عدم جواز۔ اس میں بھی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ نیک چیز کا کسی آلہ کے ذریعے سے ٹیپ ریکارڈ کرکے آگے، پہنچانا بظاہر یہ اچھی چیز ہے، اگر اس آلہ کو نیکی میں استعمال کیا جائے، تو پھر اس کے جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں، مگر چونکہ وہ آلہ بُرے ریکارڈ کا بھی ذریعہ بنتا ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ تردد رہتا ہے ہاں قرآن وسنت کے مطابق تقریر کو ٹیپ ریکارڈ کرکے لوگوں کو سنانا مفید اور اچھا ہے، اس کو منع کہنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی سردست اس سے زیادہ اس مسئلہ پر کچھ نہیں لکھا جاسکتا، حالات کے تحت

تفصیل پھر کسی موقع پر خدا کو منظور ہوا تو ہو جائے گی۔

(حافظ۔ عبداللہ امرتسری۔ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۱۹)

سوال:۔ اگر قرآن مجید ہاتھ سے گر جائے تو اس کا کیا کفارہ ادا کرنا چاہیئے،

جواب:۔ بغیر قصد اور ارادہ گر جانے سے شرعاً کوئی کفارہ نہیں ہے البتہ بے ادبی سے بچانا ضروری ہے ہاتھ سے چھوٹ جانے سے جو بعض لوگ اسے اٹھا کر چومنے لگتے ہیں اس کا شرعاً ثبوت نہیں ہے۔

(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۹ ش ۳)

سوال:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے حضرت علی رضؓ علم کا دروازہ تھے، ایضاً۔

جواب:۔ یہ روایت مشہور تو بہت ہے مگر صحیح نہیں ہے علامہ ابن تیمیہ رحؒ نے اسے موضوع قرار دیا ہے، اور اس کی سند پر کسی کو اعتماد نہیں ہے، نیز علم کا دروازہ ہونا ذو معنی سی چیز ہے، اگر دروازہ سے یہ مفہوم ہے کہ آپ کے بغیر کسی کو علم ہی حاصل نہیں ہوا تو بھی غلط ہے صحابہ رضؓ کرام نے حضور سے براہ راست علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا، حضور کی حدیث جتنی دیگر صحابہ کرام نے پھیلائیں۔ حضرت علی رضؓ نے تو ان کا ہزارواں حصہ بھی روایت نہیں کیا، پھر علم لدنی سے مراد اگر وہ علم روحانی یا کشفی مراد ہے جو الہام سے حاصل ہوتا ہے تو بھی بہت سے بزرگوں کو ہوتا رہا اس میں بھی حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے امت محمدیہ میں بے شمار ایسے اولیاء اللہ ہوئے ہیں جن کو الہام اور کشف ہوتے ہیں، حضرت کی فضیلت سے ہمیں انکار نہیں مگر ان کی علمی یا شجاعت کی فضیلت کو اُن سے مختص یا مخصوص کر دینا صحیح نہیں ہے صحابہ کرام میں بے شمار ایسے لوگ تھے جو علم میں اور شجاعت میں حضرت علی رضؓ سے بھی بڑھ چڑھ کر تھے بیشک حضرت علی رضؓ نے غزوات میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے مگر خالد بن ولید۔ عمرو بن عاص، طارق بھی کچھ کم نہ تھے شیعہ حضرات اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو خود ہی اس کا اعتراف کر لیں۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۳ ش ۴۸)

سوال:۔ مردہ کیلئے قرآن خوانی کرانا اُسے نفع پہنچاتا ہے یا نہیں۔

جواب:۔ قرآن خوانی کے ایصال ثواب کا تذکرہ کسی حدیث میں نہیں آیا اور نہ کسی صحابی سے

مروجہ اجتماع ثابت ہے یہ فرد قرآن خوانی کا مروجہ اجتماع و اہتمام غیر شرعی ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۲ ش ۴)

سوال:۔ جمع قرآن سے متعلق جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ کام اتنا مشکل ہے کہ اگر مجھ پر پہاڑ ٹوٹ پڑتا تو وہ آسان تھا اس کام سے کہ میں قرآن مجید کو جمع کردوں۔

اعتراض:۔ اس وقت اکثر صحابہ حافظ قرآن تھے تو قرآن جمع کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ زید بن ثابت جب خود حافظ تھے تو اُن کو جمع قرآن کے لئے کیوں اتنی تکلیف پیش آئی۔

جواب:۔ قرآن مجید کے سارے حافظ نہ تھے بلکہ متفرق مقام یاد رکھتے تھے، اور اس لئے جمع کی ضرورت ہوئی اور قرأتیں بھی کئی تھیں اسلئے یہ کام کوئی آسان نہ تھا ؎

واہ پیا جائے یا راہ پیا جائے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۲ ش ۱۳)

سوال:۔ ہمارے ہاں رواج ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پیش آجائے تو وہ کچھ لوگوں کو بلا کر ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ آیت کریمہ یا درود شریف پڑھاتے ہیں اور اپنی کھانا کھلاتے یا کچھ نقدی بھی دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے اور اس کا ثبوت کتاب اور سنت سے ملتا ہے۔

جواب:۔ یہ محض قیاسی اور رواجی چیز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بعض عاملین کا اپنا عمل اور تجربہ ہے کہ اس سے مقصد براری ہو جاتی ہے ہاں اسے بدعت کہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اسے اسلام کا رکن یا جزو سمجھ کر نہیں کیا جاتا اگر ایسا کرے یا سمجھے تو پھر گنہگار ہوگا۔

دکھ تکلیف اور مصیبت کے وقت آیۃ کریمہ کی تلاوت کو قیاسی اور رواجی کہنے میں نظر ہے، کیونکہ بوقت تکلیف آیت کریمہ ہی تلاوت تو قرآن اور حدیث کی نص کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ قرآن میں منصوص ہے جب آیت مذکورہ کا پڑھنا ثابت ہوا تو اجتماعی میں پڑھنے کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں بلکہ سلف کا تعامل ثابت ہے۔ باقی رہا کھانا کھلانا یا نقدی دینا تو یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے تو گھر والے اخلاقی طور سے کھانا کھلا دیں تو۔ اِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ غَضَبَ رَبِّ کے تحت

کوئی حرج کی بات نہیں ہذا ماعندی، واللہ اعلم۔ (الراقم علی محمد سعیدی جامع سعیدیہ خانیوال)

سوال:۔ کیا "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ" حدیث ہے،

سوشلزم کی حمایت میں مولوی صاحبان کا ایک گروہ بھی کافی سرگرم عمل ہے، یہ بزرگ اپنی تائید میں ایک روایت اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ (علم طلب کرو، خواہ چین جانا پڑے) کا سہارا لیتے اور اسکو حدیث نبوی مشہور کرتے ہیں اس سلسلہ میں ہمارے پاس ایک سوال آیا ہے مع جواب درج ذیل ہے۔

مکرم و محترم جناب حافظ عبدالقادر صاحب مدظلہ العالی اسلام علیکم امید ہے کہ جناب بخیریت سے ہونگے درج ذیل حدیث کی تحقیق کی خاطر یہ تحریر ارسال خدمت ہے اسناد حدیث کے تحت تحقیقی جواب سے مستفید فرمائیں، شکریہ۔ آج کل ایک گروہ ملک چین کی عظمت ظاہر کرنے کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو منسوب کرتا ہے پاکستان میں گروہ اس حدیث کو اپنے جلسوں میں جلی حروف کے ساتھ بینر کے طور پر آویزاں کرتا ہے حدیث یہ ہے۔ "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ" تحقیق حق کی خاطر میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے۔ (قدسی۔ صحیح، موضوع۔ ضعیف، ناقابل حجت باطل یا دیگر اقسام حدیث) نیز حدیث کی کون کون سی کتب میں صحیح اسناد کے ساتھ درج ہے اور ائمہ محدثین کی نظر میں اس حدیث کا کیا مقام ہے کیا اس حدیث کا انکار کرنے والا منکر حدیث شمار ہوگا یا اس کے مؤید اور داعی مغضوب ہیں۔

ڈاکٹر رانا محمد اسحاق تھانہ بازار ننکانہ والا
ضلع لائلپور۔

الجواب بعون الوہاب

یہ روایت موضوع یعنی من گھڑت ہے اس کا کوئی اصل نہیں اسکو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا اپنی جان پر ظلم ہے چنانچہ ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیصلہ اس کے متعلق یہ ہے۔

(۱) علامہ ابن طاہر مقدسی کی کتاب تذکرۃ الموضوعات کے صفحہ پر اسکو موضوع لکھا ہے۔

(۲) ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات جلد اول صفحہ ۲۱۶ پر اسکو موضوع لکھا ہے۔

(۳) علامہ سخاوی کی کتاب المقاصد الحسنہ کے صفحہ ۶۳ پر اسے موضوع قرار دیا گیا ہے۔

(۴) علامہ شوکانی رح کی کتاب الفوائد المجموعہ ص۲۷ مطبوعہ مصر پر اسے موضوع لکھا ہے،

۵۔ تمیز الطیب ص۲۱ پر اسے موضوع لکھا ہے۔

۶۔ اسنیٰ المراتب فی احادیث مختلفۃ المراتب ص۱۹۹ پر اسے موضوع لکھا ہے،

۷۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر جلد اول ص۲۳۵ پر ص۲۳۴ پر اسے موضوع لکھا ہے،

۸۔ تنزیہ الشریعۃ حافظ عراق کی کتاب ص۲۵۸ پر اسے موضوع لکھا ہے۔

(۹) حافظ عراق نے تخریج احیاء العلوم جلد اوّل ص۹ پر اسے موضوع لکھا ہے۔

۱۰۔ یہ حدیث ابو عاتکہ طریف بن سلیمان کی گھڑی ہوئی ہے جس کی بابت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ وہ منکر حدیث ہے (التاریخ الکبیر ج ۲ ق ۲ ص۳۵۹ (۱۱)۔ علامہ ذہبیؒ میزان الاعتدال جلد ۴ ص۵۲۲ میں فرماتے ہیں مُجْمَعٌ عَلیٰ ضُعْفِہٖ قَالَ البخاری منکر الحدیث یعنی اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے اور امام بخاری نے اس کو منکر حدیث لکھا ہے۔

۱۲۔ امام سیوطی رحمہ اللہ المصنوعہ جلد ا ص۱۹۳ پر موضوع لکھا ہے۔

۱۳۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص۱۴۲ میں ابو عاتکہ کو من گھڑت حدیثیں بیان کرنے والا لکھا ہے

۱۴۔ ابن حبان رح فرماتے ہیں باطل لا اصل لہ جلد اول ص۱۹۳)۔

۱۵۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان جلد ۶ ص۳۰۳ میں موضوع لکھا ہے

۱۶۔ تاریخ بغداد للخطیب جلد ۹ ص۳۶۴ میں ابو عاتکہ والی روایت ذکر کر کے لکھا ہے، یہ ثابت نہیں ہے۔

یہ قابل استشہاد بھی نہیں پس ایسی موضوع۔ من گھڑت روایت کو حدیث رسول اللہ کہنے والوں اور اس کو اپنی تائید میں پیش کرنے والوں کی حالت قابل رحم ہے یہ لوگ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کرتے ہیں جو سخت خطرناک گناہ ہے اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق بخشے آمین

حافظ عبد القادر روپڑی

(تنظیم اہل حدیث جلد ۳ ش ۲)

سوال:۔ قرآن مجید و کتب احادیث کا ادب شرح محمدی نے سوائے عمل کے کہاں تک بتایا ہے اور فی زمانہ جو قرآن شریف و کتب حدیث کا ادب کیا جاتا ہے مثلاً پشت ان کی جانب نہیں کی جاتی اور

ان سے اوپر نہیں بیٹھا جاتا یہ کہاں تک صحیح وقابل عمل ہے) (مسائل محمد از جودھپور۔

جواب:۔ قرآن مجید وکتب حدیث کا سب سے مقدم اور بڑھ کر ادب یہی ہے کہ جو کچھ ان میں اوامر ونواہی ہیں ان کی تعمیل کی جائے اور ان کو بسر وچشم بلاچون وچرا کے قبول وتسلیم کر لیا جائے، اور سب سے بڑی اور مضر تر بے ادبی یہی ہے کہ ان کے احکام کی قبولیت میں کسی شے کو حارج سمجھا جائے وہ ادب کہ جو مطلوب من اللہ اور دونوں گروہ ثقلین یعنی انس اور جن جس کے منجانب اللہ مکلف ہیں وہ تو یہی ہے رہا ظاہری ادب سو یہ تکلیف مالایطاق بدلیل لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہے جو شخص کرے بہت اچھا نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ورنہ کوئی مواخذہ نہیں ہاں جو شخص بنظر حقارت ظاہری ادب نہ بجالائے تو بیشک وہ شخص مجرم اور عذاب الیم کا مستوجب ومستحق ہے،

(فتاویٰ ستاریہ صفحہ ۶۵)

سوال:۔ عورتوں کو خط وکتابت کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں (سائل ٹھیکیدار محمد صادق ضلع ڈیرہ دغل)

جواب:۔ جائز ہے (کتب حدیث) بشرطیکہ نیت فاسد نہ ہو۔

کَمَا هُوَ لَيْسَ بِمَخْفِيٍّ عَلٰى مَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ نیز امام بخاری کا فتویٰ بھی جواز پر ہے۔

کما بَوَّبَ فِي الْاَدَبِ الْمُفْرَدِ۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۷)

سوال:۔ قرآن شریف کی آیات پڑھ کر دھاگے میں دم کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو حدیث مَنْ عَقَدَ فَقَدْ سَحَرَ اَوْ كَمَا قَالَ کا کیا مطلب ہے،

جواب:۔ جو لوگ دھاگوں میں گرہ دے دے کر پڑھتے اور ٹوٹکے کرتے ہیں ان کے متعلق قرآنی تعلیم یہ ہے وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ان آیات میں خدائے تعالےٰ نے ایسے کاموں سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے قرآنی آیات کو بھی اسی طرح استعمال کرنا چاہئے جس طرح سلف سے منقول ہو وَاِذْ لَيْسَ فَلَيْسَ۔ فقط (مفتی) (فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۸۷)

سوال:۔ زیر زبر والا قرآن مجید یعنی معرب کی تلاوت کرنا بدعت ہے یا جائز۔

جواب:۔ جو شخص بدعت کہے اس کا قول خود بدعت ہے معرب قرآن شریف کی تلاوت کرنا برابر جائز ودرست ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکماً فرمایا ہے اَعْرِبُوا الْقُرْآنَ (الحدیث) یعنی قرآن پر (اعراب) زیر زبر لگاؤ ملاحظہ ہو کتب حدیث (فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۸۳)

سوال: جو لوگ قرآن کی تلاوت کرتے وقت قرآن مجید کو بوسہ دیتے ہیں درست ہے یا نہیں، نیز جلسوں میں جب قرآن پاک پڑھا جاتا ہے تو لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں درست ہے یا نہیں (مسائل مذکور)

جواب: ہر دو فعل ثابت نہیں خلاف سنت و تعامل صحابہ ہیں۔

(فتاوٰی ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۲)

سوال: رمضان شریف میں جو حفّاظ بوقت ختم قرآن شریف آخیری رکعت میں پھر سورۃ بقرہ کو مُفلِحُون تک پڑھ کر آیات دعائیہ پڑھتے ہیں آپ صاحبان کے نزدیک جائز ہے یا نہیں،

جواب: اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ رمضان مبارک میں قرآن مجید اثنائے تراویح یا دیگر کسی وقت اور کسی حالت میں ختم کر کے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ از اول تا مُفلِحُون پڑھنی شریعت اسلامیہ سے ثابت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ اور زرارہ بن ابی اوفیؓ ہر دو صحابی سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک کونسا عمل زیادہ بہتر اور محبوب تر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا۔ اَلْحَالُ الْمُرْتَحِلُ قِیْلَ وَمَا الْحَالُ الْمُرْتَحِلُ قَالَ صَاحِبُ الْقُرْاٰنِ یَضْرِبُ مِنْ اَوَّلِ الْقُرْاٰنِ اِلٰی اٰخِرِہٖ وَمِنْ اٰخِرِہٖ اِلٰی اَوَّلِہٖ کُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ .... یعنی افضل و محبوب تر عمل اُترنا اور کوچ کرنا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا اترنے اور کوچ کرنے کا کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا وہ صاحب قرآن جو اوّل قرآن مجید سے پڑھنا شروع کرتا ہے اور آخر تک مسافر کی مانند منزلیں طے کرتا ہوا پہنچتا ہے اور آخر کی طرف سے ختم کر کے پھر اوّل کی طرف سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے الخ اس حدیث کو حضرت امام الحجۃ الاوحد الثقۃ الحافظ المتقن ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی ترمذی اپنی کتاب جامع ترمذی کے ابواب القرأت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور جناب الامام الحافظ شیخ الاسلام قدوۃ الجہابذۃ النقاد الاعلام ابو محمد عبدالرحمان (تمیمی سمرقندی) اپنی کتاب مسند دارمی کے باب فی ختم القرآن میں اور جناب السید المجتہد المحقق الہمام المؤید من مولاہ القدیر الباری ابو الطیب صدیق حسن قنوجی بخاری) والی ریاست بھوپال تفسیر فتح البیان میں لائے ہیں۔ حضرت الفاضل الورع الماہر شمس المفاخر مولانا محمد طاہر صاحب مجمع بحار الانوار میں حدیث مذکور کی مزید تشریح و توضیح یوں فرماتے ہیں۔ اَلْحَالُ الْمُرْتَحِلُ فِیْ جَوَابِ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ وَنَسَّہٗ بِالْخَاتِمِ الْمُفْتَتِحِ وَھُوَ مَنْ یَّخْتِمُ

الْقُرْآنِ بِتِلَاوَتِهٖ ثُمَّ يَفْتَتِحُ التِّلَاوَةَ مِنْ أَوَّلِهٖ شَبَّهَهٗ بِالْمُسَافِرِ يَبْلُغُ الْمَنْزِلَ فَيَحِلُّ فِيهِ ثُمَّ يَفْتَتِحُ سَيْرَهٗ أَيْ يَبْتَدِئُهٗ وَكَذَا قُرَّاءُ مَكَّةَ إِذَا خَتَمُوا الْقُرْآنَ ابْتَدَأُوا وَقَرَءُوا الْفَاتِحَةَ وَخَمْسَ آيَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ الْبَقَرَةِ إِلٰى مُفْلِحُوْنَ۔

یعنی کونسا عمل افضل ہے کے جواب میں آپ نے اترنا اور کوچ کرنا فرمایا ہے اور اس کی تفسیر فرمائی ختم کرنے والا اور شروع کرنے والا ایں طور کے قرآن شریف کو ختم کر کے پھر اول سے تلاوت شروع کر دے جیسا کہ مسافر ایک منزل طے کر کے دوسری شروع کر دیتا ہے اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے حفاظ مکہ مکرمہ قرآن مجید ختم کر کے پھر سورۃ فاتحہ اور پانچ آیتیں سورۃ بقرہ کی مُفْلِحُوْن تک پڑھتے ہیں،

پس علامہ موصوف کی اس تشریح اور مکہ معظمہ کے قُرّاء کے عمل سے بالوضاحت ثابت ہوا کہ قرآن مجید ختم کر کے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ مُفْلِحُوْن تک پڑھنی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور حفاظ قرآن شریف عمل در آمد کرتے آئے ہیں۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۹۱)

سوال:۔ احناف میں سے بعض اہل علم میت کے چالیسویں پر قرآن شریف بہ نیت ایصال ثواب پڑھتے ہیں کیا یہ کتاب و سنت اور تعامل صحابہ سے ثابت ہے۔

جواب:۔ کتاب و سنت و تعامل صحابہ سے یہ فعل بہ ہیئت کذائیہ بالکل ثابت نہیں، نتیجہ۔ دسواں چالیسواں کرنا کرانا بدعت ہے حدیث شریف میں ہے، إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ یعنی دین میں نئے کاموں سے بچو پس تحقیق ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم رسید کرنے والی ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۱)

سوال:۔ کیا باجا فوٹوگراف سے قرآن مجید کا سننا جائز ہے اور اس کے سننے سے کچھ ثواب بھی حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔

جواب:۔ باجوں کو خریدنا بیچنا سننا منع ہے قال اللہ تعالٰی وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (سورۃ لقمان) وقولہ تعالٰی وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ الآیۃ (بنی اسرائیل) جملہ تفاسیر مبسوط میں یہی لکھا ہے:۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد اول صفحہ ۱۳)

توضیح فتاویٰ علماء حدیث: چونکہ راگ خود حرام ہے اسلئے باجے وغیرہ میں قرآن مجید سننا حرام ہے جب سننا حرام ہے تو اس پر ثواب کا مرتب ہونا محال ہے نمقہ علی محمد سعیدی خانیوال)

خواتین کی تعلیم اور ملازمت کا مسئلہ

امام غزالیؒ اور علامہ اقبالؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتے تھے یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیئے کہ وہ خدانخواستہ عورتوں کی تعلیم کے مخالف تھے وہ مخالف ہر گز نہ تھے وہ بس یہ چاہتے تھے کہ عورتیں صرف وہ تعلیم حاصل کریں جو ان کی فطرت، خلقت اور فرائض مخصوص کے مطابق زندگی میں انکے اور خاندان کے کام آئے اور صحیح یہ ہے کہ قدرت نے عورتوں کیلئے الگ دائرہ کار مقرر کیا جس کی تشریح کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ بے شمار کام ایسے ہیں جو مرد نہیں کر سکتے اور لاتعداد کام ایسے ہیں جو عورتوں کی طاقت سے باہر ہیں لہذا ہر گروہ کو ان کے کاموں کی نسبت سے تعلیم دینی چاہیے یہ اعلٰے اور ادنی تعلیم کا معاملہ نہیں بلکہ ہر کسی کو اسکے مزاج اور فطری تقاضوں کے مطابق مناسب تعلیم دینے کا مسئلہ ہے اور یہ خیالات صرف غزالی اور اقبال ہی کے نہیں خود سر سید احمد خان کے بھی ہیں جو مغربی انداز کے ہمارے یہاں اولین بڑے علمبردار تھے، سر سید احمد خاں کی یہ سرگذشت دیکھنی ہو تو ان کا سفرنامہ پنجاب مرتبہ سید اقبال علی پڑھیئے!۔

اور جہاں تک مخلوط کا تعلق ہے مذکورہ بالا بزرگ اور دوسرے ہزاروں علماء و حکماء اسے خطرناک سمجھتے تھے کیونکہ اس کا ان معاشرتی و اخلاقی احکام سے تصادم ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یا جن کا اوپر ذکر آیا یہ امر عورتوں پر پابندی یا سختی کے ضمن میں نہیں آتا اس میں عورتوں کیلئے برکتیں اور حکمتیں ہیں ان میں سب سے بڑی حکمت عورتوں کا معاشرتی تحفظ ان کی عزت کی حفاظت اور خاندانی زندگی کا استحکام ہے۔

عورتوں کو ہر سطح تک تعلیم دی جا سکتی ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مصلحتوں اور حکمتوں کو گزند نہ پہنچے اور یہ سب عورتوں کے فائدے کی خاطر ہے، اسپر زیادتی نہیں۔

مخلوط تعلیم اور یکساں نصاب پر بحث کی ضرورت نہیں اسکا نفع نقصان سب کو معلوم ہے اگر تعلیم مخلوط نہ ہو تو عورتوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ ہر شعبہ تعلیم میں جسے وہ اپنے لئے مفید سمجھتی ہیں داخلہ لے لیں یعنی ان سب شعبوں میں جو انہیں اپنے لئے مفید نظر آئیں یا معاشرے کے لئے مفید ہوں لیکن مخلوط ملازمتوں کا، مسئلہ بڑا ہے مخلوط ملازمتوں کے سلسلے میں جو قباحتیں ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔

ظاہر ہے کہ عورتیں اپنے لئے جن مضامین کو مفید خیال کریں گی اس میں اکثر ایسے ہونگے جو مردوں کیلئے بیگانہ اور ناما نوس ہونگے اس لئے اگر عورتوں کی تعلیم کا نظام یکسر علیحدہ ہوگا، تب جا کر انہیں فائدہ ہوگا، اسکا واحد علاج عورتوں کے لئے بالعموم الگ نصابات اور ایک الگ خواتین یونیورسٹی ہے مردوں اور عورتوں کیلئے یکساں نصاب کا فلسفہ غیر قدرتی اور غیر معقول ہے یہ بات اور ہے کہ آج کی دنیا میں اس غیر معقول فلسفے کو اپنایا جا رہا ہے اگرچہ اس میں عورتوں کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے لیکن رواج عام کا غلبہ زبردست شے ہے اسکے سامنے ہر کوئی دب جاتا ہے اس رواج کو تبدیل کرنے کے لئے ایک معاشرتی انقلاب کی ضرورت ہے مگر ایسا انقلاب کوئی آسان کام نہیں سب سے پہلے فکری تبدیلیوں کی ضرورت ہے اور یہ تبدیلیاں مغربی معاشرتی فلسفوں پر مسلسل و منظم تنقید کرتے رہنے سے اور عملی تجربوں کے حوالے سے ان کے خطرات سے آگاہ کرتے رہنے سے ممکن ہوں گی جب تک ہمارے یہاں مغربی معاشرتی فلسفہ غالب ہے ہماری سب دلیلیں بے کار بے اثر ہونگی لہٰذا بقول علامہ اقبال مغربی معاشرتی حکمت پر بھرپور حملہ (علمی ہتھیار سے) لازمی ہے،

ملازمتوں میں عورتوں کی شرکت ایک اہم اور نازک معاشرتی افکار کے زیر اثر نقطہ نظر کے بدل جانیکا نتیجہ ہے اگر ہم اس معاملے میں اسلام کی معاشرتی حکمتوں سے ہدایت لیں تو ہمیں اس شرکت میں بے شمار قباحتیں نظر آئیں گی بلکہ آج کل کے حالات میں ملازمت بڑی حد تک غیر اخلاقی اور نامناسب نظر آئیگی کیونکہ اسلام کی معاشرتی حکمت میں عورتوں کا فرض بچوں کی پرورش اور خانہ داری ہے اور اس کے بدلے مردوں کا فرض عورتوں (بیویوں) کی معاشی کفالت ہے تاکہ وہ بے فکر ہو کر اپنے دائرے میں خاندان کی خدمت کر سکیں یہ خدمت ایک بہت بڑا منصب ہے اور جیسا کہ بعض "روشن خیال" حضرات باور کراتے ہیں یہ کوئی کمتر فریضہ نہیں بلکہ اصل تعمیر انسانیت اسی فریضے میں مضمر ہے اور اسکی انجام دہی میں مرد کا کام واگران اصطلاحوں میں سوچیں تو خادم کا ہے جو نبی نوع کی اس معمار (دبنوی) کو اس کے اہم فریضے کی ادائیگی کے قابل بناتا ہے اس عمل باد وطرفہ عمل میں عورت کا درجہ بلند تر ہے شوہر کا درجہ دوسرے نمبر پر آتا ہے، مگر مغربی معاشرتی تصورات نے اس تقابل کو منقلب کر کے معاملہ زیر زبر کر دیا ہے!

یہ تو تھا اصولی عقیدہ ایک مسلمان کی حیثیت سے لیکن سوال آج کل کے حالات کا ہے اسلئے موجودہ حالات میں عورتوں کی ملازمت کے جواز یا عدم جواز پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے،

پہلے اس سوال کا جواب چاہیئے کہ عورتیں ملازمتوں کی شائق یا طلب گار کیوں ہیں! مغربی ماحول میں

نوان کا شوق ملازمت اس لیئے ہے کہ وہاں خاندان اور گھر کا تصور ایک فرسودہ عمل ہے عورتیں نہ صرف ہم مرتبہ ہونیکا دعوے کر کے گھر بلو آزادی کی طلب گار ہیں بلکہ معاشی طور سے آزاد ہو کر ان تمام نبدشوں سے بھی آزاد ہو جانا چاہتی ہیں جو خاندانی زندگی میں ان پر عائد ہوتی ہیں وہ خود کفیل ہو کر ہر رنگ آزاد شہری بننا چاہتی ہیں اس میں انہیں ہزار مشکلات بھی پیش آتی ہیں لیکن وہ آزادی کامل کے لئے ہر مشکل کو برداشت کرتی ہیں۔

لیکن اس میں انہیں ایک آسانی بھی ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ معاشرہ اس مسئلے میں ان کا ہم خیال ہے اور ہر چند کہ اس میں بے اخلاقی کے سارے عیب پائے جاتے ہیں لیکن وہ معاشرہ ان خلاف اخلاق باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن ہمارے ملک میں ایک مسلم خاتون کی مشکل یہ ہے کہ ہمارے مسلم معاشرے کے نزدیک ملازمت بغیر مردوں سے خلا رملا ہر حال میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان عورت ملازمت کی طرف کیوں راغب ہوتی ہے اس کے کئی اسباب ہیں جن میں سے بعض واقعی قابل توجہ ہیں اگرچہ عمومی رویہ محض مغرب کی نقالی سے ابھرا ہے مغرب کی تقلید میں ہماری انتہا پسند خواتین عورتوں کی کامل آزادی کی قائل مردوں کی ہر قسم کی بالادستی کی مخالف اور ان کی ہر قسم کی دست نگری سے گریزاں ہیں یہ مغربی تعلیم اور نقالی کا نتیجہ ہے اور تسلی کا پہلو صرف یہ ہے کہ یہ ابھی سرمایہ دار بورژوا اور دانشور طبقے تک محدود ہے اور معاشرے میں ان طبقات کے خلاف یک گونہ تعصب بھی موجود ہے، تاہم عورتوں میں ملازمت کا میلان بڑھ رہا ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں جن میں عورتیں حق بجانب معلوم ہوتی ہیں اور یہ اسباب قابل تجزیہ ہیں۔

ایک بڑا سبب عورتوں کا یہ خوف ہے کہ معلوم نہیں کہ شادی کے بعد مرد حضرات کسوقت انسے بے وفائی پر اتر آئیں اور دوسری شادی کر کے پہلی بیوی کو بے سہارا چھوڑ دیں اور سچ یہ ہے کہ مردوں کا یہ رویہ اور عورتوں کا یہ خوف ہر دو مفروضے فرنگی تہذیب کے آوردہ ہیں تعدد ازدواج پہلے بھی تھا مگر مردوں کی روش کفالت کے معاملے میں غیر ذمہ دارانہ نہیں تھی، سارا خاندان اسکے باوجود متوازن چلتا تھا شادی ایک مقدس عہد نامہ تھا جسکا ہر حال پاس رکھا جاتا تھا، اور اس کی پاسداری کرانے میں خاندانوں کا بڑا حصہ تھا پہلی بیویاں بے سہارا رہتی تھیں ان کا خاندان کا بڑا حصہ تھا پہلی بیویاں بے سہارا نہ رہتی تھیں ان کی خاندان پرورش کرتے تھے لیکن مغربی فکر میں پلا ہوا مرد انفرادیت اور فردیت کا قائل ہے اور آزاد

انتظام ضروری معلوم ہوتا ہے، یقیناً اس میں کچھ وہم اور کچھ مغربی پروپیگنڈے کا اثر بھی ہے لیکن خوف حقیقی بھی ہے اور اس میں ذمہ داری مردوں کی زیادہ ہے۔

جب تک یہ خوف اور وہم ہے اور اس مغربی رواج کو قبول عام حاصل ہے، جیسے اب ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ طبقے نے مستحکم کر دیا ہے عورتیں ضرورتاً یا بے ضرورتاً ملازمت کی طلب گار رہیں گے خصوصاً جب کہ عورتوں میں اعلیٰ تعلیم کی شرح مردوں کے برابر بلکہ زیادہ ہوتی جاتی ہے ورنہ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کی جدوجہد اور مقصد کوئی نہیں انہیں سے اکثر گھریلو زندگی کو بوجھ خیال کرتی ہیں اور جب سے شانہ بشانہ کا افسانہ چلا ہے، ملازمتوں کی ترغیب اور بھی زیادہ ہو گئی ہے اور تعجب یہ ہے کہ صدیوں سے رائج خانگی زندگی میں عورتوں کی اندرون خانہ خدمت اور فرض کی بجا آوری کو بے کاری کا نام دیا جا رہا ہے حالانکہ موجودہ روش درحقیقت بے کاری کے برابر ہے کیونکہ اس سے گھر اور خاندان ویران ہو رہے ہیں!

اگلے زمانے کی عورتیں خاندان (گھر) کی زندگی کا بڑا بوجھ اٹھاتی تھیں اسے بیکار کہنا حماقت وجہالت سے کم نہیں ایک خیال یہ بھی چل نکلا ہے کہ ملازمتوں کے ذریعے گھر کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے یہ افسانہ ہے کیونکہ عورتوں کی گھر سے عدم موجودگی کی وجہ سے ملازم رکھنے پڑتے ہیں جو عام خاندانوں کے بس کی بات نہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود عورتوں کی ملازمت کا رواج اب جڑ پکڑ چکا ہے اور اسے وعظ وتلقین سے ہٹایا نہیں جا سکتا ضرورت اس امر کی ہے کہ عورتوں کے لئے تعلیمی نصاب شروع ہی سے اس طرح مرتب کیا جائے کہ ان کے حسب حال ملازمتوں میں ان کے کام آئے!

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ معاملہ خود عورتوں کے اپنے سوچنے کا ہے اس میں مردوں کی مداخلت ناگوار اور ناپسندیدہ ہے معاشرہ اب صنعتی ہے، زرعی ہے خاندانی نظام ختم ہو رہا ہے اور خاندانی کفالتیں ختم ہو چکی ہیں لہذا نئے حالات میں عورتوں کو بھی اپنی تعلیم اور اپنے نظام کفالت پر خود غور کرنے کا موقع دینا چاہئے مجھے امید ہے کہ وہ فضا میں اسلام کی معاشرتی حکمتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں گی اور ایسی تعلیم اور ایسی ملازمتوں کی خواہشمند ہوں گی جو ان کے لئے مفید اور باوقار ہوں۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین احادیث مذکورہ ذیل کے بارہ میں، کہ یہ صحیح ہیں یا ضعیف یا موضوع اور ان میں سے نمبر اول نمبر ۳ کو حدیث قدسی کہنا کیسا ہے وغیرہ امام شوکانی علیہ الرحمۃ کا سماع مرزا صبر کو جائز کہنا کیسا ہے اور مرزا غلام احمد کا مسیح موعود ہونیکا دعوے کرنا کیسا ہے وہ حدیثیں یہ ہیں (۱) لولاک لما خلقت الأفلاک (۲) من زار العلماء فکانما زارنی ومن صافح العلماء فکانما صافحنی ومن جالس العلماء فکانما جالسنی ومن جالسنی فی الدنیا اجلس لدیوم القیمۃ (۳) علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (۴) انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین (۵) رجب شہر اللہ وشعبان شہری ورمضان شہر امتی۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ماسوائے حدیث نمبر ۴ کے باقی سب حدیثیں موضوع ہیں، اور حدیث موضوع کو موضوع جان کر بیان کرنا حرام ہے، اور داخل وعید ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔

یحرم[1] روایۃ الحدیث الموضوع علی من عرف کونہ موضوعا او غلب علی ظنہ وضعہ فمن روی حدیثا علم وضعہ اوظن وضعہ فھو مندرج فی الوعید

ہاں حدیث نمبر ۱ کی نسبت ملا علی قاری اپنے موضوعات میں لکھتے ہیں:۔ قال[2] الصنعانی انہ موضوع کذا فی الخلاصۃ لکن معناہ صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس مرفوعا اتانی جبرئیل فقال یا محمد لولاک ماخلقت الجنۃ ولولاک ماخلقت النار وغیرہ حدیث نمبر ۳ کی نسبت لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں سکوت[1] کیا ہے اور بعد ثبوت وضع حدیث نمبر ۱ کے اس کو حدیث قدسی کہنا محض خطا ہے۔ وغیرہ حدیث نمبر ۴ یہ بھی قدسی نہیں ہے، اس لئے کہ عبارت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دال ہے اس پر کہ یہ قول اللہ عزوجل کا نہیں، کیونکہ حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جو بواسطہ جبرئیل یا بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ سے پہنچی ہو، اسی وجہ سے

---

[1] حدیث موضوع کی روایت کرنا اس آدمی پر حرام ہے جس کو اس کے موضوع ہونیکا علم ہو، یا غالب ظن اس کے موضوع ہونیکا ہو اور جو ایسی حدیث جانتے ہوئے روایت کرے جو موضوع یا بظن غالب موضوع ہو، تو وعیدہ میں شامل ہے [2] صنعانی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے لیکن اسکا معنے صحیح ہے ابن عباس نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جبرائیل نے میرے پاس آکر بیان کیا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تو نہ ہوتا، تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔

---

(۱) لکن امام شوکانی نے الفوائد المجموعہ میں لکھا ہے قال ابن حجر والزرکشی لا اصل لہ انتہی، ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ۔

جو حدیث قدسی ہوتی ہے، عبارت اس کی یوں ہوتا ہے :۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل۔

امام شوکانی علیہ الرحمۃ کا سماع مزامیر کو جائز کہنا بجا ہے مگر وہی جس کو شارع نے مباح کہا ہے جیسا کر نیل الاوطار جلد سادس باب الدف واللھو فی النکاح میں مذکور ہے اور حد مباح سے جو باہر ہے ہرگز جائز نہیں، بلکہ اس پر وعید ہے چنانچہ نیل الاوطار جلد سابع باب ما جاء فی آلۃ اللھو میں مذکور ہے ابن ماجہ کی حدیث میں ہے، لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونہا بغیر اسمہا یعزف علی[1] رؤسہم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بہم الارض ویجعل منہم القردۃ والخنازیر، غرضکہ سماع بامزامیر مجاوز حد ممنوع ہے جسکے عدم جواز میں صحیح حدیثیں مروی ہیں، ہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، جماعت صوفیہ اباحت مطلقہ کے قائل ہیں اور امام شوکانی بھی انہیں میں سے ہیں، حالانکہ جس حدیث سے اباحت ثابت کی جاتی ہے اس میں حضرت عائشہ رض کا قول ولیستا بمغنیتین ثبوت اباحت کی نفی کرتا ہے بخاری شریف پارہ ۴ باب سنۃ العیدین میں ہے، عن[2] عائشۃ رض قالت دخل ابو بکر رض وعندی جاریتان من جواری الانصار تغنیان بما تقاولت الانصار یوم بعاث ولیستا بمغنیتین ونیز بہت سے علماء نے حرام لکھا ہے۔

اور مرزا غلام احمد کا مسیح موعود ہونیکا دعوے سراسر غلط اور محض باطل ہے، وہ مسیح موعود نہیں ہے

حررہ عبدالوہاب عفی عنہ

ہوالموفق :۔ حدیث نمبر ۴ کو ابن جوزی نے موضوع کہا ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے حاکم نے مستدرک میں اس کو صحیح کہا ہے، اور حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے، کما فی القوائد المجموعۃ للعلامۃ الشوکانی رح حافظ ابن حجر تلخیص الجبیر صفحہ ۲۷ میں لکھتے ہیں۔ واما الثانی[1] ای حدیث اللھم احینی مسکینا الخ فرواہ الترمذی من حدیث انس رض واستغربہ

---

[1] میری امت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے، اور اس کا نام کوئی اور رکھ لیں گے، اور ان کی مجالس میں باجے اور راگ رنگ ہوگا، اللہ بعض کو ان میں سے زمین میں غرق کر دے گا، اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا ڈالے گا۔

[2] حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ میرے پاس ابو بکر آئے، اس وقت انصار کی دو چھوکریاں میرے پاس وہ شعر گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث میں کہے تھے، اور وہ پیشہ ور گانے والیاں نہ تھیں۔

---

[1] اے اللہ مجھ کو مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ،، الحدیث اس کو ترمذی نے انس سے روایت کیا ہے اور اس کی

واسنادہ ضعیف وفی الباب عن ابی سعید رواہ ابن ماجہ
وفی اسنادہ ضعف ایضا ولہ طریق اخری فی المستدرک من حدیث
عطاء عنہ وطولہ البیہقی ورواہ البیہقی من حدیث عبادۃ بن
الصامت واسرف ابن الجوزی فذکر ھذا الحدیث فی الموضوعات انتہی۔

مجیب نے مسئلہ غناء وسماع میں اجمال سے کام لیا ہے، و نیز علامہ شوکانی کو اباحت مطلقہ کے قائلین سے شمار کیا ہے حالانکہ علامہ ممدوح اباحت مطلقہ کے ہرگز قائل نہیں ہیں، علامہ ممدوح نے اس مسئلہ پر نیل الاوطار میں دو مقام میں بحث کی ہے دونوں مقام سے ان کی عبارت مع ترجمہ نقل کی جاتی ہے تاکہ اس مسئلہ میں جوان کی تحقیق ہے، وہ ظاہر ہو، اور فی الجملہ اس مسئلہ کی توضیح بھی ہو۔ نیل الاوطار صفحہ ۱۰۶ جلد ۲ باب الدف واللہو میں لکھتے ہیں۔ وفی ذلک رای فی حدیث فصل مابین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح دلیل علی انہ یجوز فی النکاح ضرب الادفات ورفع الاصوات بشئ من الکلام نحو اتیناکم ونحوہ لا بالاغانی المھیجۃ للشرور المشتملۃ علی وصف الجمال والفجور ومعاقرۃ الخمور فان ذلک یحرم فی النکاح کما یحرم فی غیرہ وکذلک سائر الملاھی المحرمۃ یعنی اس حدیث میں کہ حلال نکاح اور حرام نکاح دف اور صوت کا فرق ہے دلیل ہے اس بات کی کہ جائز ہے نکاح میں دف بجانا اور آواز بلند کرنا ایسے کلام کے ساتھ جو اتیناکم اتیناکم کے مثل ہو۔ نہ ایسا گیت گانا جو برائیوں کو ہیجان میں لانیوالا ہو۔ یعنی جو بیان حسن وجمال اور فجور وشراب نوشی پر مشتمل ہو، اس واسطے کہ ایسا گیت نکاح میں بھی حرام ہے اور غیر نکاح میں بھی اور اسی طرح تمام ملاہی محرمہ نکاح میں بھی حرام ہیں اور غیر نکاح میں بھی حرام ہیں۔

اور نیل الاوطار جلد سابع صفحہ ۱۳۲ میں لکھتے ہیں۔ قد اختلف العلماء فی الغناء مع آلۃ من آلات الملاھی وبدونھا فذھب الجمھور الی التحریم مستدلین بما سلف وذھب اھل المدینۃ ومن وافقھم من علماء الظاھر وجماعۃ من الصوفیۃ الی الترخیص فی السماع ولو مع العود والیراع یعنی غناء کی حلت وحرمت میں علماء کا اختلاف، آلات ملاہی میں سے کسی آلہ کے ساتھ ہو یا بدوں اس کے ہو جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے، اور ان کی دلیل وہ

سند ضعیف ہے اور ابن ماجہ نے ابو سعید سے روایت کیا ہے اور اسکی سند بھی ضعیف ہے مستدرک حاکم میں اس کے اور بھی طرق ہیں اور بیہقی نے اسکو عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے اور ابن جوزی نے زیادتی کی جو اسکو موضوع لکھ دیا۔ ۱۲

احادیث وروایات ہیں جو پہلے مذکور ہو چکیں اور اہل مدینہ اور بعض علمائے ظاہر کے نزدیک اور صوفیہ کی ایک جماعت کے نزدیک جائز ہے، اگرچہ عود اور یراع کے ساتھ ہو۔

پھر دلائل طرفین کے مع مالہا وما علیہا بیان کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔ واذا تقرر جمیع ما حررناہ من حجج الفریقین فلا یخفی علی الناظر ان محل النزاع اذا خرج عن دائرۃ الحرام لم یخرج عن دائرۃ الاشتباہ والمؤمنون وقافون عند الشبہات کما صرح بہ الحدیث الصحیح ومن ترکہا فقد استبرء لعرضہ ودینہ ومن حام حول الحمی یوشک ان یقع فیہ ولا سیما اذا کان مشتملا علی ذکر القدود والخدود والجمال والدلال والہجر والوصال ومعاقرۃ العقار وخلع العذار والوقار فان سامع ما کان کذلک لا یخلو عن بلیۃ وان کان من التصلب فی ذات اللہ علی حد یقصر عنہ الوصف وکم لہذہ الوسیلۃ الشیطانیۃ من قتیل دمہ مطلول واسیر بھموم غرامہ وھیامہ مکبول نسأل اللہ السداد والثبات ومن اراد الاستیفاء للبحث فی ہذہ المسئلۃ فعلیہ بالرسالۃ التی سمیتہا ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع ۔ یعنی جب فریقین کے دلائل کو مع مالہا وما علیہا ہم تحریر کر چکے تو اب ناظرین پر مخفی نہیں ہے کہ محل نزاع دائرہ حرام سے خارج ہو تو ہو مگر دائرہ اشتباہ سے خارج نہیں ہو سکتا ہے اور مومنین کی شان یہ ہے کہ شبہات کے پاس ٹھہر نہیں جاتے جیسا کہ حدیث صحیح میں اسکی تصریح آئی ہے اور جو شخص شبہات کو ترک کرتا ہے وہ اپنی آبرو اور دین کو پاک کرتا ہے اور جو شخص چراگاہ کے گرد گھومتا ہے اس کا اس میں واقع ہو جانا کچھ بعید نہیں ہے بالخصوص جب کہ غنا مشتمل ہو۔ ذکر قد و قامت اور خد و خال اور بیان حسن و جمال اور ہجر و وصال وغیرہ پر، اس واسطے کہ ایسے غنا اور راگ کا سننے والا بلا اور مصیبت سے خالی نہیں ہو سکتا، اگرچہ نہایت درجہ کا دیندار ہو، اور دین میں نہایت سخت ہو۔ اور اس شیطانی وسیلہ کے کتنے قتیل ہیں جن کا خون ہدر و رائگان ہے اور کتنے قیدی ہیں، جو اس کے عشق و شیفتگی میں گرفتار و مقید ہیں، اللہ تعالےٰ سے ہم میانہ روی اور ثابت قدمی کا سوال کرتے ہیں اور اس مسئلہ کی بحث کو پورے طور پر جو شخص دیکھنا چاہے اس کو ہمارا رسالہ موسومہ ابطال دعوے الاجماع علے تحریم مطلق السماع ضرور دیکھنا چاہئے۔

نیل کی ان دونوں عبارتوں سے صاف معلوم ہوا کہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ جماعت صوفیہ کی طرح

اباحت مطلقہ کے قائل نہیں ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مابین اہل اسلام ملک کشمیر کے تنازع در بارہ صحابیت معمر حبشی اور تابعیت علی ہمدانی کے واقع ہو کر دو فریق ہو گئے ہیں، دعوئے ایک فریق کا یہ ہے، کہ " ایک شخص معمر حبشی نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھا، آپ کی دعا کی برکت سے ہمارے حضرت علیہ السلام کے زمانہ بابرکت تک زندہ رہ کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف صحبت حاصل کیا من بعد بدعائے حضرت علیہ السلام لغایت ۸۰۰ھ ہجری تک زندہ رہ کر حضرت علی ہمدانی سے ملاقات کی جس کی وجہ سے فریق مذکور حضرت علی ہمدانی کے تابعی ہونے کا مدعی ہے "، اور فریق ثانی کا دعویٰ ہے، کہ " معمر حبشی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ہونا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک زندہ رہ کر شرف صحبت حاصل کرنا بالکل غلط و باطل ہے کیونکہ یہ بات کسی دلیل سے ثابت نہیں و نیز معمر حبشی کا ۸۰۰ھ ہجری تک زندہ رہنا چونکہ مخالف صحیح حدیث بخاری و مسلم (ما من نفس منفوسة یاتی علیہا مائة سنة الحدیث) کے ہے باطل و مردود ہے، پس جب کہ معمر حبشی کا صحابی ہونا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، تو اس سے علی ہمدانی کا تابعی نہ ہونا بھی اظہر من الشمس ہے "، اور در میان دونوں فریقوں کے نوبت بایں جا رسید کہ ایک فریق دوسرے کو گمراہ و بے دین تصور کرتا ہے، اب ان ہر دو فریقوں میں سے حق بجانب کس کے ہے، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ ان دونوں فرقوں میں حق بجانب فریق ثانی ہے اور فریق اوّل کا دعوئے بلا شبہ باطل و مردود ہے فریق اوّل کا دعویٰ چار باتوں پر مشتمل ہے۔

(۱) معمر حبشی کا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین میں سے ہونا۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اسکا زندہ رہنا۔

(۳) اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف صحبت حاصل کرنا۔

(۴) بدعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ۸۰۰ھ ہجری تک زندہ رہ کر علی ہمدانی سے ملاقات کرنا۔

ان چار باتوں میں سے ایک بھی کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں، بلکہ چاروں باتیں بالکل غلط و سراسر باطل ہیں بناءً علیہ فریق اوّل کا دعویٰ باطل و مردود ہے بہت سے معمرین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

بابرکت میں حاضر ہونے اور شرف صحبت حاصل کرنے کا جھوٹا دعوی کیا ہے یا ان کی طرف اس بات کی غلط نسبت کی گئی ہے، ان معمرین کے دعوی کی تردید، اور ان کی طرف اس بات کی نسبت کی تغلیط محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے خوب اچھی طرح سے کردی ہے علامہ شوکانی نے الفوائد المجموعہ صفحہ ۱۴۵ میں بہت سے معمرین کذابین مدعیان صحبت کا ذکر مع ان کی تکذیب کے کیا ہے پھر آخر میں لکھتے ہیں۔

ومما یدفع دعاوی ھؤلاء اجماع اھل العلم علی ان اخر الصحابۃ موتا فی جمیع الامصار ابو الطفیل عامر بن واثلۃ الجھنی وکان موتہ سنۃ اثنتین ومائۃ بمکۃ انتہی اور علامہ محمد طاہر مجمع البحار صفحہ ۱۴۵ جلد ۲ میں لکھتے ہیں:۔ وقد اتفقوا علی ان آخر من مات فی جمیع الارض من الصحابۃ ابو الطفیل عامر بن واثلۃ سنۃ مائۃ واثنین بمکۃ وقد ثبت انہ قال قبل موتہ بشھر اونحوہ فان علی راس مائۃ سنۃ لا یبقی علی وجہ الارض فانقطع المقال قال وقد بسطت القول فی المعمرین فی تذکرۃ الموضوعات فطالعہ ینفعک فانہ کتاب نفیس تلقتہ علماء الحرمین بالقبول انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

(سید محمد نذیر حسین)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضوع علم حدیث کا کیا ہے، اور اس کی تعریف اور اس کی غایت کیا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ موضوع علم حدیث کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اس حیثیت سے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور موضوع باعتبار شرعی احوال کے ہیں۔ موضوع علم الحدیث ھو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انہ رسول اللہ من الاحوال الشرعیۃ

ف۱:۔ ان کے دعویٰ کی تردید کیلئے علماء کا اجماع کافی ہے کہ صحابہ میں آخری صحابی ابو طفیل عامر بن واثلہ جہنی ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے ۱۲۔

ف۲:۔ اس پر اتفاق ہے کہ تمام روئے زمین پر آخری صحابی جو فوت ہوئے، وہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ ہیں جو ۱۰۲ھ میں مکہ میں فوت ہوئے اور یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی موت سے ایک مہینہ پہلے یہ حدیث سنائی تھی، کہ آج سے سو سال بعد روئے زمین پر آج کا کوئی انسان زندہ نہ رہے گا، اس حدیث سے ساری بحث ہی ختم ہوگئی اور میں نے معمرین کے متعلق موضوعات کے تذکرہ میں بڑے بسط سے کلام کیا ہے اسکا مطالعہ کرو۔ وہ بڑی نفیس کتاب ہے علمائے حرمین شریفین نے اس کو قبول کیا ہے ۱۲۔

اور علم حدیث ان قوانین کا نام ہے جن سے احوال سند اور متن کے باعتبار صحت اور حسن اور ضعف اور علو اور نزول اور کیفیت تحمل اور ادا یعنی پڑھنے پڑھانے اور رجال یعنی راویوں کے حالات وغیرہ معلوم ہوں، اور سند متن کے طریق سے خبر دینے کا نام ہے اور متن وہ ہے کہ جس پر کلام ختم ہو سیوطی نے اتمام الدرایہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ علم الحدیث علم بقوانین یعرف بہا احوال السند من صحة وحسن وضعف وعلو ونزول وکیفیة التحمل والاداء وصفات الرجال وغیر ذلک والسند الاخبار عن طریق المتن والمتن ما ینتہی الیہ غایة الکلام انتہی ملخصا من اتمام الدرایة اور حدیث کی غایت اور فائدہ سعادت دارین کی کامیابی ہے واما غایتہ وفائدتہ فہی الفوز بسعادة الدارین۔ سید محمد نذیر حسین۔

بدانکہ حقیقت سحر و وجود آن ثابت است بخلق ایزد پروردگار نزدیک علمائے نامدار کہ پیروان ہستند سنت سنیہ سید مختار وخیر الابرار، چنانکہ صاحب معالم التنزیل کہ یکے از زمرہ مفسرین ذی اعتبار است گفتہ کہ السحر لوجودہ حقیقة عند اہل السنة وعلیہ اکثر الامم انتہی کلامہ۔ وقال السید وملا علی القاری فی شرح المشکوٰة ان للسحر حقیقة عند عامة العلماء خلافا للمعتزلة وابی جعفر الاسترابادی انتہی کلامہ۔ می گویم کہ از قصہ ہاروت ماروت وجود سحر وحقیقت صریح معلوم شد، چرا او تعالیٰ خود بر آن نص فرمودہ کہ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ہو علم السحر ابتلاء للناس من تعلمہ منہا وعمل بہ کان کافرا ان کان فیہ رد ما لزم فی شرط الایمان انتہی۔ وشیخ عبد الحق محدث دہلوی در ترجمہ مشکوٰة بیان کردہ کہ تاثیر سحر و وقوع آن بخلق خدا تعالیٰ صحیح است

۱؎ علم حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بحیثیت شرعی ہے ۱۲

۲؎: علم حدیث ایسے قوانین کا نام ہے جس سے سند کے حالات، صحت، حسن، ضعف بلندی، پستی اور رد و قبول اور آدمیوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور سند طریق متن کی خبر کا نام ہے اور متن وہ ہے جہاں کلام کی انتہا ہو ۱۲۔

۳؎ علم حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ دونوں جہانوں میں آدمی کامیاب ہو ۱۲۔

جادو کی حقیقت و وجود علمائے اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے، خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے چنانچہ صاحب معالم التنزیل اور ملا علی قاری نے تصریح کی ہے کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک جادو کی حقیقت ثابت ہے، معتزلہ اور ابو جعفر استرآبادی اسکے قائل نہیں ہیں، میں کہتا ہوں کہ ہاروت اور ماروت کے قصہ سے اس کی حقیقت ثابت ہوتی ہے، کہ خدا تعالیٰ نے اس پر نص فرمائی ہے،

دوارد گشتہ کہ السحر حق انتہی۔ امّا معرفت او بوجہ تفصیل از معنے لغوی واصطلاحی منکشف می شود کہ بندیان ازان بہرہ گیرند وحظ کافی پذیرند۔

فاعلم ان السحر فی اللغۃ عبارۃ عن کل ما لطف، ماخذہ ودق امرہ وخفی سببہ ومنہ الساحر العالم وفی الشرع فی تعریفہ اختلاف کثیرا واولاہ منعًا وطردًا ما ذکرہ یعقوب بنیانی فی حاشیۃ البیضاوی حقیقۃ السحر علم بکیفیۃ استعداد یقتدر خارق من مزاولۃ فعل او قول محرم فی الشرع اجری اللہ تعالیٰ عادتہ بحصولہ عندہ ابتداء فان کان کفرا کعبادۃ الکواکب او انضم معہ اعتقاد تاثیر من غیرہ تعالیٰ کفر صاحبہ والا فہو فسق انتہی کلام المحشی وغیرہ وقیل ہو فی الشرع مختص بکل امر یخفی سببہ و یتخیل من غیر حقیقۃ ویجری مجری التمویۃ والخداع ومتی اطلق ولم یقید افاد ذم فاعلہ قال تعالیٰ سَحَرُوٓا اَعْيُنَ النَّاسِ یعنی مَوَّهُوا علیہم حتی ظنوا ان حبالہم وعصیہم تسعی انتہی ما فی نیشاپورے فہذا التعریف بلوازمہ الخارجیۃ من شرارۃ الساحر لشرط وجودہ لا من اجزائہ الداخلیۃ وقد یستعمل مقیدا فیما یمدح ویحمد وہو السحر الحلال قال صلی اللہ علیہ وسلم ان من البیان لسحرا سمی بعض البیان سحرا لان صاحبہ یوضح الشئ المشکل ویکشف عن حقیقۃ بحسن بیانہ ولطف عبارتہ ویقدر علی تحسین القبیح و تقبیح الحسن

ماروت یہ جادو ہی کا علم ہے جسے لوگوں کی آزمائش کے لئے نازل کیا گیا ہے اگر ایمان کی شرائط کی تردید کرے تو اس کا کرنے والا اور سیکھنے والا کافر ہے شیخ عبدالحق نے ترجمہ مشکوۃ میں کہا ہے کہ جادو کی تاثیر اور اس کا وقوع خدا کی تخلیق سے حق اور ثابت ہے جادو کی بالتفصیل معرفت لغوی اور اصطلاحی معانی سے کھلی جاتی ہے مبتدی اس سے کافی فائدہ اٹھائیں گے۔

لغت کے لحاظ سے سحر (جادو) ہر وہ چیز ہے جس کا ماخذ لطیف ہو اسباب مخفی ہوں، چنانچہ کہتے ہیں، کہ عالم آدمی جادوگر ہوتا ہے مطلب یہ کہ بڑی باریک باتیں عالم کو معلوم ہوتی ہیں شریعت کے لحاظ سے اس کی تعریف میں اختلاف ہے سب سے بہتر تعریف یہ ہے۔ کہ "سحر ایک ایسا علم ہے جس سے خرق عادت کی قوت پیدا ہوتی ہے کسی قول یا فعل حرام کی ہمیشہ مزاولت سے پھر اگر اس چیز کو جادوگر خدا کے سوا کسی اور چیز کی طرف اس طرح نسبت کرے کہ وہ موثر بالذات ہے جیسے کہ ستاروں کو موثر بالذات سمجھ کر ان کی طرف کسی چیز کو منسوب کرے تو وہ کافر ہے، اگر ان کو موثر بالذات نہ جانے، اور فعل یا قول حرام سے جادو کرے، تو وہ فاسق ہے اور اگر قول یا فعل حرام نہ ہو۔ اور کسی چیز کو موثر بالذات نہ سمجھے تو وہ مومن ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض بیان

هذا خلاصة ما فی التفسیر النیسابوری وغیرہ من حواشی البخاری والمشکوٰۃ وقال القاضی ناصر الدین البیضاوی ان المراد بالسحر ما یستعان فی تحصیله بالتقرب الی الشیطان مما لا یستقل به الانسان وذلك لا یستتب الا لمن یناسبه فی الشرارة وخبث فی النفس فان التناسب شرط فی التضام والتعاون وبهذا یتمیز الساحر عن النبی والولی انتهی کلامه قال محشیة قوله لا یستتب اشارة الی ان شرارة الساحر من شروط وجود السحر لا من اجزائه الداخلیة فی حقیقة السحر کما یفعله اصحاب الحیل والشعبذة وقوله الادویة کشحم الضفدع اذا وضع فی السراج یری البیت مملوًا بالماء ویسمی هذا النوع بالتسریجات وفی القاموس اخذة السریع اخذة کالسحر ولیس به وکالاخذة بالضم رقیة کالسحر انتهی کلام المحشی۔

پس از تقریر قاضی بیضاوی واضح شده، که درمیان جادو و معجزه و ولایت ہمیں فرق است که جادو بتقرب شیطان و بے توسل اسے الرحمٰن حاصل می شود چہ بالاستقلال تاثیرات آنہا را از غیر خدا ساحران می دانند، و معجزه و کرامت بوسیله کامله و قدرت بالغه جناب الٰہی که مؤثر حقیقی در ہمه افعال است وانسته می شود، و درین جا مابه الامتیاز در سحر و معجزه وسیله و تاثیرات مستقله است یعنی ہمیں را اگر بسوئے خدا منسوب کرده شود، معجزه گفته آید، و اگر تاثیرات مستقله بجانب شیطان و خبیثان و کواکب وغیره گردانیده شود بزعم زاعم جادو گفته نشود، چنانچه درین مقام باحسن مرام مولانا جامع کمالات و حامل روایات و درایات حضرت شاه عبدالعزیز قدس الله سره العزیز اشکال کرده اند عبارته ہکذا۔ درین جا شبه البته، که اکثر بخاطرها می رسد، حاصلش آنکه افعال خارقه عادت که محض بقدرت الٰہی صدور می یابد اکثر اوقات از اولیاء بظہور می رسد، مثل تقلیب اعیان و تبدیل صور تنہا و ہمیں آن افعال که شبیه معجزات پیغمبران اند مثل احیائے موتی و قطع مسافت طویله در یک ساعت و مانند آن نیز از اولیاء کثیر الوقوع است و احوال نویسان آن اولیاء آن افعال را در کرامات و مناقب آن اولیاء می نویسند می نویسند، پس اگر نسبت فعل الٰہی بغیر کفر باشد،

جادو ہیں، اور یہ سحر حلال ہے کہ اس سے مشکل چیز کی وضاحت ہو جاتی ہے بیان سے قبیح چیز خوبصورت معلوم ہونے لگتی ہے اور خوبصورت قبیح۔

خرق عادت کئی قسم کا ہے اگر دعوے نبوت ہو اور اس سے خرق عادت ظاہر ہو، تو وہ معجزہ ہے اگر کسی مومن

درین جا ہم کفر باشند، واگر نظر بسببیت ظاہر کرآن غیر دارد کفر نہ باشد، پس در حق ساحران چرا حکم بکفر کردہ اند؛ بلکہ در حال دعوتیان وعزائم خوانان کہ بسیفی ودعوت وامثال این عجائب بسیار ظاہر می کنند، مشابہت تمام باساحران بہم می رسد وجہ فرق چیست، جواب‌ش آنکہ افعال خارق عادت خواہ شبیہ معجزات پیغمبران باشند خواہ از جنس دیگر ہمہ مقدور قدرت الٰہی اند بارادہ وایجاد او صادر می شوند، ودر افعالے کہ از دست اولیاء ظاہر می شوند، وافعالے کہ از ساحران صادر می گردند، درین باب فرقے نیست، فرق آنست کہ اولیاء ودعوتیان وعزائم خوانان آن افعال نسبت بغیر خدا نمی کنند، بل بقدرت او تعالےٰ یا خواص اسماء او تعالےٰ نسبت می نمایند پس شرکے لازم نمی آید وساحران آن افعال را در قابوے خود می آرند، ودر حکم خود می آرند ودر حکم خود می انگارند وبران اجرت می گیرند وحلوان می خواہند وتمدو وقربانی برائے آن ارواح خبیثہ وآن افعال باطلہ درخواست می کنند، پس شرک صریح لازم می آید وموجب کفر می گردد، بشابہ آنکہ افعال عادی الٰہی را مثل بخشیدن فرزند وتوسیع رزق وشفاء مریض وامثال ذلک را مشرکان نسبت بارواح خبیثہ واصنام می نمایند کافر می شوند، وموحدان در ہمہ افعال از تاثیر اسمائے الٰہی یا خواص اسماء می دانند، یا از خواص مخلوقات وموہید اند از ادویہ وعقاقیر یا دعاء صلحاء وبندگان او کہ ہم از جناب او درخواستہ انجاح مطالب می کنانند می فہمند، پس در ایمان ایشان خلل نمی افتد، آمدیم برآنکہ حقیقت سحر چیست واقسام او چند است وکدام قسم موجب کفر است وکدام موجب فسق وکدام مباح کہ در شریعت جائز است تفصیل این مبحث طولے می خواہد مجملش آنکہ حقیقت سحر حاصل کردن قدرت است بر افعال عجیبہ خارقہ عادت بغیر ادلہ اسباب خفیہ بے توسل بجناب الٰہی بدعا یا تلاوت اسماء او تعالےٰ وبے نسبت آن افعال بقدرت او تعالےٰ وچون اسباب خفیہ در عالم چند قسم است سحر نیز چند قسم شدہ الخ انتہےٰ کلام المحدث الالمعی دہر کرا استیعاب بکماحقہ منظور باشد در تفسیر مولانا مرحوم نظر بکند۔

متقی سے بغیر دعوے نبوت بغیر ظاہری اور خفیہ اسباب کے کوئی چیز خرق عادت ہو تو وہ کرامت ہے، اگر مومن سے کوئی چیز اسباب خفیہ کے ماتحت ظاہر ہو، تو وہ جادو حلال ہے، اور اگر عامی آدمی سے خفیہ اسباب کے تحت کوئی خرق عادت ظاہر ہو اور اسکو غیر خدا کی طرف مجازاً منسوب کرے، تو اس کا کرنے والا فاسق ہے، اور اگر حقیقت غیر خدا کی طرف منسوب کرے تو وہ جادو حرام ہے اور اس کا کرنے والا کافر ہے۔

اس کی مثال بالکل یہی ہے کہ مومن آدمی ادویہ اور جڑی بوٹیوں سے علاج معالجہ کرتے ہیں، لیکن ان کی تاثیر کو منجانب اللہ سمجھتے ہیں، ان کے ایمان میں کوئی خلل نہیں پڑتا، یا کسی نیک آدمی سے دعا کراتے ہیں، کہ وہ بھی ایک غیر حسی علاج ہے اور اس آدمی کو مؤثر بالذات نہیں سمجھتے، تو وہ مومن ہی رہتے ہیں، اور اگر کوئی ادویات کو مؤثر بالذات جانے یا کسی نیک آدمی یا بد کو مؤثر بالذات سمجھ کر اس چیز کو اسکی طرف منسوب کر دے، تو وہ کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں وغیرہ سے جا کر طلب رزق یا فرزند وغیرہ کرتے ہیں۔

پس از کلام معجز نظام مولانا علیہ الرحمۃ معلوم گردید کہ حقیقت سحر و تاثیر او متحقق است چنانکہ معجزہ و کرامت مگر فرق ہمیں است، کہ نسبت جادو و تاثیر بالاستقلال بسوئے غیر خدا مانند شیاطین و اصنام و کواکب و ارواح خبیثہ می کنند و نسبت معجزہ و کرامت بطرف حق تعالیٰ و باسمائے کریمہ و صفات شریفہ می نمایند والا باعتبار خرق عادات و تاثیرات ہر دو متساوی اند، و ہم دانستہ شد کہ سحر باعتبار مفہوم جنس است و باعتبار فصول کہ امور خفیہ و اسباب غریبہ تحت او ہستند انواع متعددہ دارد، زیرا کہ بعضے نوعش کفر و بعضے فسق چنانچہ از تفسیر نیشاپوری نبذے بقلم می آید، عبارتہ ہکذا۔

ثم السحر علی اقسام منہا سحر الکلدانیین الذین کانوا فی قدیم الدھر وھم قوم یعبدون الکواکب ویزعمون انہا ھی المدبرۃ لھذا العالم ومنہا تصدر الخیرات والشرور والسعادۃ والنحوسۃ ویستحدثون الخوارق بواسطۃ تمزیج القوی السماویۃ بالقوی الارضیۃ وھم الذین بعث اللہ تعالیٰ ابراھیم علیہ السلام مبطلا لمقالتھم وردا علیھم من اھبھم ومنہا سحر اصحاب الاوھام والنفوس القویۃ بدلیل ان الجذع الذی یتمکن الانسان من المشی علیہ لوکان موضوعا علی الارض ولا یمکنہ المشی علیہ لوکان کالجسر وما ذاک الا لکان تخییل السقوط متی قوی اوجبہ وقد اجمعت الاطباء علی نھی المرعوف عن النظر الی الاشیاء الحمر والمصروع عن النظر الی الاشیاء القویۃ اللمعان و الدوران وما ذاک الا لان النفوس خلقت مطیعۃ للاوھام وحکی فی الشفاء عن ارسطوان الدجاجۃ اذا تشبھت کثیرا بالدیک فی الصوت وفی الحراب

پھر جادو کی کئی قسمیں ہیں، ایک تو کلدانیوں کا جادو تھا، یہ قدیم زمانہ کے لوگ تھے، ستاروں کی پوجا کرتے تھے، ان کو مدبر عالم مانتے تھے، ان کے مقالات کو باطل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، اور جادو کی ایک قسم وہمی لوگوں کی ہے کہ ان پر نفوس قویہ اثر انداز ہوتے ہیں، وہم کی کیفیت کا اثر انسانی طبیعت پر ہوتا ہے، مثلاً اگر ایک لکڑی زمین پر پڑی ہو تو انسان اس پر آسانی سے چل سکتا ہے اور اگر وہی لکڑی کسی نہر یا دریا پر پل بنا کر رکھ دی جائے، تو اس پر انسان نہیں چل سکتا، کیونکہ قوت وہمیہ نے غلبہ پا لیا، کہیں اس سے گر جاؤں گا، حکماء کہتے ہیں۔ جس کو نکسیر بہتی ہو۔ وہ سرخ چیزوں کی طرف نہ دیکھے، اور مرگی والا چمک دار اور سریع الحرکت چیزوں کو نہ دیکھے، کہ قوت وہمیہ اس پر اثر انداز ہوگی، اور بیماری کا حملہ ہو جائیگا، اس سے معلوم ہوا کہ احوال جسمانیہ احوال نفسانیہ کے ماتحت ہیں، تمام امتوں کا اجماع ہے کہ دعا و ہی قبولیت کا گمان ہوتا ہے بعض بادشاہوں کو فالج کی بیماری ہو گئی۔ حاذق حکیم نے

مع الديك نبتت على ساقها مثل الشئ النابت على ساق الديك وهذا يدل على ان الاحوال الجسمانية تابعة للاحوال النفسانية واجمعت الامم على ان الدعاء مظنة الاجابة وان الدعاء باللسان من غير طلب نفسا فى قليل الاثر ويحكى ان بعض الملوك عرض له فالج فدخل عليه بعض الحذاق من الاطباء على حين غفلة منه وشافهه بالشتم والقدح فى العرض فاشتد غضب الملك وقفز من مرقده قفزة اضطرارية وزالت تلك العلة المزمنة ومنها الاصابة بالعين مما اتفق عليه العقلاء والتحقيق فيه ان النفس اذا كانت مستعلية على البدن شديدة الانجذاب الى عالم السمٰوات كانت كانها روح من ارواح السماوية وكانت قوية التاثير فى مواد هذه العالم اما اذا كانت ضعيفة شديد التعلق بهذه اللذات البدنية فحينئذ لا يكون لها تصرف البتة الا فى هذا البدن فاذا اراد ان يتعدى تاثيرها الى بدن اخر اتخذ تمثال ذلك الغير ووضعه عند الحس فاشتغل الحس به وتبعه الخيال عليه واقبلت النفس الناطقة بالكلية الى ذلك فقوى التاثيرات النفسانية والتصرفات الروحانية وبعض الانقطاع عن المالوفات والمشتبهات وتقليل الغذاء والاعتزال عن الناس ثم ان كانت النفس مناسبة لهذا الامر بحسب ماهيتها وخاصيتها عظم التاثير واما الرقى فان كانت بالفاظ معلومة فالامر فيها ظاهر لان الغرض منها ان حس البصر كما اشتغل بالامور المناسبة للغرض فحس السمع ايضا يشتغل بها فان الحواس متى تطابقت

اس کو گالی دے کر اس کی حرارت غریزی کو تیز کر دیا، تو وہ فوراً تندرست ہو گیا، نظر کا لگ جانا بھی اسی قبیل سے ہے کہ روح جب بدن پر غالب آجاتی ہے تو عالم بالا کی طرف جاتی ہے تو وہ روح سماوی کی طرح قوی التاثیر ہو جاتی ہے پھر اگر اس کو بیرونی امداد بھی مل جائے، مثلاً غذا کم کھائے، لوگوں سے علیحدہ رہے خواہشات نفسانی سے آزاد ہو جائے تو اس روح کی تاثیر دوسرے بیرونی جسم پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور اگر اتنی طاقت نہ ہو، تو کم از کم اپنے بدن پر اثر کرتی ہے جھاڑ پھونک کی بھی یہی کیفیت ہے اگر اس میں الفاظ معلوم ہوں تو پھر ان کی تاثیر طبیعت انسانی پر ظاہر ہے ورنہ انسانی طبیعت پر حیرت اور دہشت غالب آجاتی ہے اور وہ طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہے بعض جادو تاثیرات

متوجهة الى الغرض الواحد كان توجه النفس اليه اقوى وان كانت بالفاظ غير معلومة حصلت للنفس هناك حالة شبيهة بالحيرة والدهش و يحصل لها اذ ذاك الجذب والانقطاع عن المحسوسات واقبال على ذلك الفعل ليقوى التاثير النفسانى فيحصل الغرض وهكذا القول فى الدخن قالوا فثبت ان هذا القدر من القوة النفسانية مستقل بالتاثير فان انضم اليه الاستعانة بالقسم الاول وهو تاثيرات الكواكب قوى الاثر جدا لاسيما ان حصل لهذه النفس مدد من النفوس المفارقة المشابهة لها ومن الانوار الفائزة من النفوس الفلكية ومنها سحر من يستعين بالارواح الارضية وهو المسمى بالعزائم وتسخير الجن ومنها التخيلات الآخذة بالعيون ويسمى الشعوذة وذلك لان اغلاط البصر كثيرة فان راكب السفينة اذا نظر الى الشط رأى السفينة واقفة والشط متحركا والقطرة النازلة ترى خطا مستقيما والغبة ترى فى الماء الزجاجة وترى العظيم من البعد صغيرا وقد لا تقف القوة الباصرة على المحسوس وقوفا تاما اذا ادركت المحسوس فى زمان صغير جدا فيختلط البعض بالبعض ولا يتميز فان الرحى اذا اخرجت من مركزها الى محيطها خطوط كثيرة بالوان مختلفة ثم ادبرت فان البصر يرى لونا واحدا كانه مركب من كل تلك الالوان وايضا النفس اذا كانت مشغولة بشئ فربما حضر عند الحس شئ آخر فلا يشعر الحس به البتة كما ان الانسان عند دخوله على السلطان قد يلقاه انسان ويتكلم معه فلا يعرفه ولا يفهم كلامه لما ان قلبه مشغول بشئ آخر و

سماوی رکھتے ہیں، مثلاً کواکب کی تاثیر اگر قوت نفس کے ساتھ متفق ہو جائے، تو وہ قوی التاثیر ہو جاتی ہے اور بعض ہیں قوت ارضی ہوتی ہے مثلاً جنوں کی تسخیر وغیرہ اور بعض و نوع صرف نظر کا دھوکا ہوتا ہے اور نظر کے دھوکے عجیب و غریب قسم کے ہوتے ہیں مثلاً گاڑی ہیں سوار آدمی جب باہر دیکھتا ہے تو اسے دوسری چیز یا دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور گاڑی کھڑی معلوم ہوتی ہے بارش کے قطرے جب متواتر گرتے ہیں، تو پانی کی ایک مسلسل دھار معلوم ہوتی ہے بڑی چیز دور سے چھوٹی دکھائی دیتی ہے جب انسان ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا ہو۔ تو کسی دوسرے آدمی کی بات

كن الناظر فى المرآة ربما قصد ان يرى سطح المرآة هل هو مستوام لا فلا
يرى فيها شيئا مما فى المرآة فالشعبذ الحاذق يظهر عمل شئ يشغل اذهان
الناظرين به ويأخذ عيونهم اليه حتى اذا استفر غهم الشغل بذلك الشئ
والتحديق نحوه عمل شيئا آخر عملا بسرعة فيبقى ذلك العمل خفيا لتعاون
الشيئين اشتغالهم بالاول وسرعة اتيانه بالثانى ومنها الاعمال العجيبة
التى تظهر من الآلات المركبة على النسب الهندسية اولصورة الخلاء
كفارسين يقتتلان فيقتل احدهما الآخر ومنه الصور التى يصورها
الروم والهند حتى لا يفرق الناظر بينها وبين الانسان وقد يصور ونها
ضاحكة او باكية وقد يفرق بين ضحك السرور وضحك الخجل ومن هذا
الباب تركيب صندوق الساعات وعلم جر الاثقال وهذا لا يعد من
السحر عرفا لان لها اسبابا معلومة يقينية ومنها الاستعانة بخواص
الادوية والاحجار ومنها تعليق القلب وهو ان يدعى الساحر انه قد عرف
الاسم الاعظم وان الجن ينقادون له فى اكثر الامور فاذا اتفق ان كان
السامع ضعيف القلب قليل التمييز اعتقد انه حق وتعلق قلبه بذلك
وحصل فى قلبه نوع من الرعب وحينئذ تضعف القوى الحساسة فيتمكن
الساحر من ان يفعل فيه ماشاء وان من جرب الامور وعرف احوال
الناس علم ان لتعليق القلب اثرا عظيما فى تنفيذ الاعمال واخفاء الاسرار
ومنها السعى بالنميمة والتضريب من وجوه خفية لطيفة وذلك شائع فى

سنائی نہیں دیتی، اور نہ ہی اس کو سمجھ سکتا ہے اگرچہ وہ قریب ہی کیوں نہ ہو۔ ایک کاریگر جادوگر بس یہی وہ کام کرتا ہے، کہ لوگوں کے ذہنوں کو کسی دوسری طرف منتقل کر دیتا ہے اور سرعت حرکت سے ایک چیز کر جاتا ہے جس کی لوگوں کو سمجھ نہیں آتی اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جادوگر کسی آدمی کا علاج تو جڑی بوٹیوں سے کرتا ہے لیکن مریض پر اس طرح اثر ڈالتا ہے کہ جن میرے ماتحت ہیں، یا مجھے اسم اعظم یاد ہے تو مریض کے ذہن پر ان چیزوں کا اثر ہوتا ہے اور قوی حساسہ کمزور ہو جاتے ہیں، پھر جادوگر جو اثر ان پر ڈالنا چاہے ڈال سکتا ہے۔

جو آدمی لوگوں کے حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کام کے پورا کرنے میں دل کے تعلق کا بڑا اثر ہوتا ہے، مثلاً ایک مریض جب کسی سے تعویذ لیتا ہے، تو اس کے دل میں آجاتا ہے، کہ اب اس پر بیماری کا حملہ

الناس فهذه جملة الكلام فى اقسام السحر وعند المسلمين كلها مستندة الى قدرة الله تعالى فانه لا يمتنع وقوع هذه الخوارق باجراء العادة عند سحر السحرة واتفقوا على ان العلم بالسحر ليس بقبيح ولا محظور لان العلم لذاته شريف ولعموم قوله تعالى قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ولولا العلم بالسحر لما امكن الفرق بينه وبين المعجزة يمكن به الا ان اجتنابه اقرب الى السلامة كتعلم الفلسفة التى لا يؤمن ان تجر الى الغواية

واما ان الساحر هل يكفر ام لا فلا نزاع بين الامة فى ان من اعتقد ان الكواكب هى المدبرة لهذا العالم وهى الخالقة لما فيه من الحوادث والخيرات والشرور فانه يكون كافرا على الاطلاق وهذا هو القسم الاول من السحر. واما النوع الثانى وهو ان يعتقد انه قد يبلغ روح الانسان فى التصفية والقوة الى حيث يقدر على ايجاد الاجسام واعدامها وتغير البنية والشكل فالاظهر اجماع الامة ايضا على تكفيره واما سائر انواع السحر فلا شك انها ليست بكفر وحكم من كفر بالسحر حكم المرتد واذا سحر انسانا فمات فان قال انى سحرته وسحرى يقتل غالبا وجب عليه القود وان قال سحرته وسحرى قد يقتل وقد لا يقتل فهو شبه عمد وان قال سحرت غيره فوافق اسمه اسمه فخطأ انتهى كلام صاحب النيشاپوری ونقل الامام

نہیں ہوگا۔ یہ تمام جادو کی قسمیں ہیں، اور مسلمانوں کے نزدیک اللہ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں، پھر اس پر علمار کا اجماع ہے کہ جادو کا علم فی نفسہ برا نہیں ہے، اور نہ اس کا سیکھنا منع ہے لیکن اس سے بچنا بہتر ہے، بالکل اسی طرح جس طرح فلسفے کی تعلیم سے بچنا چاہئے کیونکہ گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔

جو آدمی جادو سے کافر ہو۔ اس کا حکم مرتد کا ہے، اور اگر کسی انسان پر جادو کرے اور وہ مر جائے، تو اگر وہ اپنے جادو کا اقرار کرے، اور کہے کہ میرے جادو سے عموماً آدمی مر جاتا ہے تو اس پر قصاص واجب ہے اور اگر اس کا جادو کبھی مارے اور کبھی نہ مارے، تو اس کا حکم شبہ عمد کا ہے اگر کسی اور پر اس نے جادو کیا۔ اور وہ کسی

ﻪ فيه ما قال الشيخ ابن حجر قد ذكرنا اختلاف العلماء فيه وحاصل ما هينا ان فعله فسق فى الحديث ليس منا من سحر او سحر له وحرم تعلمه خلافا للغزالى ۱۲ منه

الرازی انه یقتل الساحر وبه قال ابوحنیفة رحمة الله علیه ولا یستتاب ولا یقبل قوله انی ترکت السحر لانه ورد فی الحدیث حد الساحر السیف۔

بدانکہ در تمامی انواع سحر مشکل ترین نوع سحر چاہ بابل بود، کہ حکماء در وقت نمرود ساختہ بودند و آں نقش طلسم بود، چنانکہ در مطولات معتبرہ مذکور است، و درین جا گنجائش آن نیست و تحصیل این اقسام مشقتے تمام دارد و بعد از وے کہ این را تحصیل کرد و بہ صنعت آن قدرت یافت او را این صناعت میسر گردید ہر چہ خواہد بکند از اظہار خالف عادت یا منع موافق عادت می تواند چنانچہ معالجہ امراضے کہ اطباء از آن عاجز گشتند از دمی تواند شد، زیرا کہ او باستعانت روحانیات تدبیری کنند و طبیب باستعانت جسمانیات، و کنہ این مسئلہ آن است ہر کہ جسم از فلک گرفتہ باعناصر و موالید روحی دارد کہ مدبر او ست، و تاثیرات اجسام ہمہ بواسطہ روح اند، چون ارواح تمام عالم نزد این کس مسخر شدند گویا مالک جہان گردید، پس بے محاربت جنگ و قتال دفع دشمنان از وممکن است، چنانچہ ارسطو از حکیم برہماطوس و بیدا غوس نقل کردہ کہ در شہر بابل درمیان این ہر دو کس منازعت افتاد، بیدا غوس گفت کہ ترا با من تاب مقاومت نیست کہ مریخ و زحل از مقاومت من عاجز اند، برہماطوس چون این کلام شنید، ترنج محرق ساختہ استعانت بر روح مریخ نمود، و بیدا غوس را بسوخت و بے جنگ و جدال شر او را دفع کرد۔ ہذا خلاصة کلام مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ العزیز۔

دوسرے پر جا پڑا، تو اس کا حکم قتل خطا کا ہے، امام رازی کہتے ہیں، کہ جادوگر کو قتل کر دینا چاہیئے، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے اور اس کی توبہ قبول نہ کرنی چاہیئے اور اگر کہے، کہ میں نے اب جادو چھوڑ دیا ہے، تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ جادوگر کی حد تلوار ہے۔

سب سے مشکل ترین جادو چاہ بابل کا ہے، جس کو حکماء نے نمرود کے وقت بنایا تھا، یہ ایک قسم کا جادو تھا اس جادو کے حاصل کرنے میں بڑی مشقت اٹھانا پڑتی ہے، اور اگر وہ حاصل ہو جائے، تو آدمی جو چاہے، کر سکتا ہے، وہ خلاف عادات امور کر جاتا ہے، اور عادت کے امور کو روک لیتا ہے بعض دفعہ ایسے بیماروں کا علاج کر لیتا ہے جسکے علاج سے حکماء عاجز آجاتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی جسم فلکی اختیار کر لیتا ہے، اور عناصر و موالید روحی حاصل کر لیتا ہے، اور سارے اجسام کی تاثیرات تمام روح کے ذریعہ ہیں، جب عالم ارواح اسکے ماتحت ہو جاتا ہے، تو گویا سارے جہان کا مالک بن جاتا ہے پس وہ بغیر جنگ و قتال کے دشمنوں کو شکست دے دیتا ہے چنانچہ ارسطو نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حکیم برہماطوس اور بیدا غوس کا شہر بابل میں مقابلہ ہو گیا، بیدا غوس نے کہا کہ تو میرا مقابلہ نہیں کر سکتا، کہ مریخ اور زحل میرے مقابلہ سے عاجز ہیں، برہماطوس نے جب یہ بات سنی، تو اس نے ترنج جلا کر مریخ کی روح سے مدد حاصل کی، اور اسی وقت بیدا غوس کو جلا دیا۔

پس ازیں جا زعم منکران کہ می گویند کہ سحر محض معدوم و موہوم است و در حقیقت تاثیرش نیست مدفوع و مردود شدہ، چرا کہ از کتاب و سنت و علمائے اہل سنت و از تکمار غیر ملت وجود و تاثیر آن حقیقۃً ثابت گشتہ ولیس ہذا الامراء ظاہرا، و معتزلیان عدم قائل تاثیر سحر در وجودش شدہ اند، بنا بر آنکہ امتیاز در میان حد اعجاز و سحر نہ بود، اگر وجودش در حقیقت و فروع تاثیرات آن ثابت کردہ شود، لہذا محض موہوم می دانند، و جوابہ ما قال فی شرح المواقف وصاحب النیشا بوری وغیرھما من علماء اھل المذھب من السنۃ والجماعۃ وھو انہ لاموثر فی الوجود الا اللہ والسحر ونحوہ ان لم یبلغ حد الاعجاز الذی ھو کفلق البحر واحیاء الموتی کما ھو مذھب جمیع العقلاء فظاھر ای فی الامتیاز بین الاعجاز والسحر فان بلغ فاما دون دعوی النبوۃ والتحدی فظاھر ایضا اومعہ فحینئذ فلابد من ان لا یخلقہ اللہ تعالیٰ علی یدہ ای الساحر اوان یقدر غیرہ علی معارضتہ لئلا یحصل التلبیس والالکان تصدیقا للکاذب وانہ محال فالحق یتمیز عن الباطل واما اذا لم یدع النبوۃ فظہرت الخوارق علی یدہ لم یفض ذلک الی التلبیس والمبطل لا یحصل لہ ھذہ الاشیاء مع ادعاء النبوۃ فاندفع عن ھذا قول المعتزلۃ انتہی فاذا جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا الآیۃ وسمیت ھذہ الرسالۃ باقوال الحبر فی احوال السحر۔

(سید محمد نذیر حسین)

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف میں، جو یہ آیت ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ اس کے معنی قرآن میں یہ لکھے ہیں کہ نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو، اگر کوئی اس کے معنے یوں کہے، کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو، پس وہ شخص کس فریق اور کس مذہب کا ہے، اور کس دلیل سے معنی کی مخالفت کرتا ہے اس کا جواب بیان کریں، اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔[1]

قصہ مختصر جادو کا وجود حق ہے ثابت ہے معتزلی اسکے قائل نہیں ہیں، کیونکہ معجزہ اور جادو کے ظاہر حال پر کوئی فرق اور حد فاصل نہیں ہے لہذا وہ اس کے منکر ہو گئے، لیکن اہل سنت کے نزدیک جادو موثر بالذات نہیں ہے بلکہ اسکی تاثیر خدا تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور پہلے جو فرق معجزہ اور جادو میں بیان ہو چکا ہے، اسی کی بنا پر معتزلہ کا قول رد ہو جاتا ہے واللہ اعلم ۱۲۔

[1] نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں ۱۲

الجواب :۔ باتفاق مفسرین اس آیت کے یہی معنی ہیں، کہ نیکیاں لے جاتی ہیں، برائیوں کو، اور شان نزول سے اور عربیت کے قاعدہ سے بھی اس آیت کا یہی معنی متعین ہے اس آیت کے معنی جو شخص یہ کہے کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو وہ بالکل جاہل اور نالائق ہے کیونکہ جو شخص ذرا بھی عربیت سے واقف ہوگا، وہ ہرگز اس آیت کے یہ معنی نہیں کہے گا، اور اس کو صاف غلط سمجھے گا، جو شخص اس آیت کے یہ معنی کہتا ہے، کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو، اگر اس کا یہی عقیدہ ہے کہ برائیوں سے نیکیاں جاتی رہتی ہیں، تو ایسا عقیدہ ایک شاخ مذہب خوارج کی ہے، کیونکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ معاصی سے مسلمان کافر ہوجاتا ہے، چنانچہ فتح الباری میں ہے الخوارج[1] یکفرون بالمعاصی انتہی واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ۔ (سید محمد نذیر حسین)

ہوالموفق :۔ جواب صحیح ہے بے شک آیت مذکورہ کے یہی معنے ہیں، کہ نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو، یعنی نیکیاں برائیوں کی کفارہ ہوجاتی ہیں اور نیکیوں کی وجہ سے گناہ مٹائے جاتے ہیں مگر ہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ نیکیاں اسی حالت میں برائیوں کا کفارہ ہوں گی، جب کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جاوے گا، اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب نہیں کیا جائیگا تو نیکیاں برائیوں کی کفارہ نہیں ہوں گی، حافظ ابن حجر فتح الباری جزو ۱۹ صفحہ ۲۱۵ میں لکھتے ہیں۔

وتمسک[2] بظاہر قولہ تعالیٰ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ المرجیۃ وقالوا ان الحسنات تکفر کل سیئۃ کبیرۃ کانت او صغیرۃ وحمل الجمہور ھذا المطلق علی المقید فی الحدیث الصحیح ان الصلوۃ الی الصلوۃ کفارۃ لما بینہما ما اجتنب الکبائر فقال طائفۃ ان اجتنبت الکبائر کانت الحسنات کفارۃ لما عدا الکبائر من ذنوب وان لم تجتنب الکبائر لم تحط الحسنات شیئا وقال اٰخرون ان لم تجتنب الکبائر لم تحط الحسنات شیئا منہا وتحط

[1] ۔ خوارج گناہوں کے مرتکب کی تکفیر کرتے ہیں ۱۲ [2] مرجیہ نے اللہ تعالےٰ کے قول ان الحسنٰت یذھبن السیئات کے ظاہر الفاظ سے تمسک کرتے ہوئے کہا ہے کہ نیکیاں ہر گناہ کا کفارہ بن جاتی ہیں خواہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ اور جمہور نے اس مطلق آیت کو، صحیح حدیث سے مقید کیا ہے، کہ نماز دوسری نماز تک کے گناہوں کا کفارہ ہے جبتک کہ آدمی کبیرے گناہوں سے پرہیز کرے، پھر ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر کبائر سے پرہیز کیا جائے تو نماز صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور اگر اجتناب نہ کرے تو پھر صغیرہ کا کفارہ بھی نہیں بنتی اور دوسرا گروہ کہتا ہے، کہ صغیرہ بہر حال معاف

وتحط الصغائر منها انتہی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال: شاہ عبد العزیز وشاہ رفیع الدین وشاہ عبد القادر صاحبان چرا در تفسیر آیات متشابہات مسلک مفسرین متقدمین نہ نمودہ اند۔

الجواب: باید دانست کہ حضرات بابرکات خلاف مفسرین متقدمین ومتاخرین محققین متبعین سنت سنیہ در تاویل متشابہات ہرگز نہ کردہ اند، بلکہ برظاہر آن کہ الاستواء والید والوجہ معلوم والکیف مجہول مطابق مسلک متقدمین اہل سنت مثل امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ وغیرہما من المتقدمین حمل کردہ اند چنانکہ از کتب معتبرہ مانند فقہ اکبر تصنیف امام ابوحنیفہ رح وبزدوی فخر الاسلام وشروح آن وتفسیر مدارک وجلالین وکمالین حاشیہ جلالین وغیرہ ہویدا می شود قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ہو فی اللغۃ سریر الملک استواء یلیق بہ کذا فی الجلالین عن ام سلمۃ رض والامام جعفر الصادق والحسن البصری وعن ابی حنیفۃ ومالک ان الاستواء معلوم والکیف مجہول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ وروی البیہقی عن ابی حنیفۃ ان اللہ تعالیٰ فی السماء دون الارض وعنہ قال من انکر اللہ فی السماء فقد کفر وقال الشافعی رح ان اللہ علی عرشہ فی السماء یقرب من خلقہ کیف یشاء وینزل کیف یشاء ومثل ذلک قال احمد قال اسحاق انہ اجمع اہل العلم انہ فوق العرش

ہو جاتے ہیں، کبیرہ معاف نہیں ہوتے۔۱۲

سوال: شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر صاحبان نے آیات متشابہات کی تفسیر میں متقدمین مفسرین کے مسلک کی خلاف ورزی کیوں کی ہے۔

الجواب: ان حضرات نے مسلک اہل سنت والجماعت کے ائمہ اور مفسرین کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی ہے، بلکہ مسلک متقدمین کے مطابق ان آیات کو ظاہر پر محمول فرمایا ہے، ان کا مقصد تھا کہ "استوا اور ید اور وجہ معلوم ہیں، کیفیت غیر معلوم ہے" امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے، چنانچہ بالکل یہی مضمون فقہ اکبر تصنیف امام ابوحنیفہ بزدوی، تفسیر مدارک، جلالین وکمالین حاشیہ جلالین میں موجود ہے امام جعفر صادق اور حسن بصری، امام مالک امام ابوحنیفہ کا قول ہے استوار معلوم ہے اسکی کیفیت مجہول ہے اور اسپر ایمان لانا واجب ہے اور اسکے متعلق سوال کرنا بدعت ہے امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اللہ آسمانوں میں ہے زمین میں نہیں اور جو اللہ کے آسمانوں میں ہونیکا انکار کرے وہ کافر ہے امام شافعی رح کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے اور آسمانوں پر ہے قرب اور نزول جسطرح چاہے کرتا ہے امام احمد، اسحاق، مزنی بخاری

استوی ویعلم کل شئ وھو قول المزنی والبخاری وابی داؤد والترمذی و
ابن ماجۃ وابی یعلی والبیھقی وغیرھم من ائمۃ الحدیث وقال ابراھیم
من الحنابلۃ طریقنا طریق السلف المتبعین لکتاب والاجماع ومما اعتقدوہ
ان اللہ لم یزل کاملا بجمیع صفاتہ الی ان قال وان الاحادیث التی ثبتت
فی العرش والاستواء علیہ یقولون بھا و یثبتونھا من غیر تکییف ولا تمثیل
وانہ بائن من خلقہ وقال الامام الحرمین والذی نرضاہ ونعتمدہ اتباع
السلف الی الانکفاف الی التاویل واجراء الظاھر علی مواردھا وتفویض
معانیھا الی اللہ انتہی ما فی الکمالین مختصرا۔

والمنقول عن الصادق والحسن وابی حنیفۃ ومالک الاستواء معلوم و
التکییف فیہ مجھول والایمان بہ واجب والجحود بہ کفر والسوال عنہ بدعۃ
انتہی ما فی المدارک۔ وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یمین الرحمن ملای سخاء لا یغیضھا اللیل والنہار قال ارایتم ما انفق
منذ خلق السموٰت فانہ لم یقض ما فی یمینہ وعرشہ علی الماء وبیدہ الاخری
المیزان یخفض ویرفع ھذا حدیث حسن صحیح وھذا الحدیث فی تفسیر ھذہ
الآیۃ وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ غلت ایدیھم الآیۃ وھذا الحدیث قال
الائمۃ یؤمن بہ کما جاء من غیر ان یفسر او یتوھم ھکذا قالہ غیر واحد
من الائمۃ منھم سفیان الثوری ومالک بن انس وابن عیینۃ وابن المبارک انہ

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابویعلی، بیہقی اور تمام اہل علم کا قول ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، ابراہیم حنبلی کا قول ہے، کہ سلف صالحین کا قول تھا اللہ اپنی تمام صفات میں کامل ہے اللہ عرش پر مستوی ہے، اس کی کیفیت معلوم نہیں، اس کی کوئی مثال نہیں، وہ اپنی خلق سے بائن ہے سلف صفات میں تاویل نہیں کرتے تھے ظاہری الفاظ کے مفہوم پر ایمان رکھتے تھے اور اسکے معانی اللہ کے سپرد کرتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالےٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے دن رات بخشش کرنے میں مصروف ہے جب سے اس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں، سخاوت کر رہا ہے اور اس کے بحر کرم سے کوئی چیز بھی کم نہیں ہوئی، اس کا عرش پانی پر ہے اسکے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے، جسے چاہے، اسے جھکاتا اور اٹھاتا ہے، ائمۂ اہل سنت کا مذہب ہے، کہ اس حدیث پر ایمان لایا جائے، اس کی تفسیر نہ کی جائے سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن عیینہ،

نزدی هذه الاشیاء ویؤمن بها ولا یقال کیف انتهی ما فی الترمذی وله ای لله سبحانه ید ووجه ونفس ای کما یلیق بذاته وصفاته فما ذکر الله فی القرآن من ذکر الوجه والید والنفس فهو ای جمیع ما ذکر ای للحق صفات متشابهات بلا کیف ای مجهول الکیفیات ولا یقال ای فی مقام التاویل کما علیه بعض الخلق مخالف للسلف ان یده قدرته ای بطریق الکنایة اونعمته واستواءه علی العرش استیلائه ولان فیه ای فی تاویله ابطال الصفة ای فی الجملة لانه تعالیٰ حیث اطلق الید ولم یذکر القدرة والنعمة بدلهما والظاهر اراده بهما غیر معانیها وهو ای ابطال الصفة من اصلها ویاسرها قول اهل القدر ای عموما والاعتزال ای خصوصا ولکن یده صفة بلا کیف ای بلا معرفة الی کیفیته کعجزنا عن کنه معرفة بقیة صفاته فضلا عن معرفة کنه ذاته انتهی ما فی الفقه الاکبر وشرحه لملا علی القاری مختصرا وکذلک اثبات الوجه والید حق عندنا معلوم باصله متشابهة بوصفه ولن یجوز ابطال الاصل بالعجز عن درك الوصف وانما ضلت المعتزلة من هذا الوجه فانهم ردوا الوصول لجهلهم بالصفات فصاروا معطلة انتهی ما فی البزودی للامام فخر الاسلام وعن اصحابنا ان الاستواء علی العرش صفة لله بلا کیف انتهی ما فی التفسیر البیضاوی مختصرا وحمل الظواهر النقلیة اما علی التاویل واما علی تفویض علمها الی الله تعالیٰ وهو الحق انتهی ما فی المعالم فی العقائد للامام فخر الدین الرازی مختصرا۔

پس ہرگاہ روش حضرات موصوفین بود کہ مذکور شد درین اوراق و دریں ثبوت تجسم و استقرار نمی شود،

ابن مبارک کا یہی قول ہے، قرآن مجید میں ہاتھ، چہرہ اور نفس کا اثبات خدا تعالےٰ کے لئے آیا ہے، یہ خدا تعالےٰ کی صفات متشابہا ہیں، ان کی کیفیت معلوم نہیں ہے اور ہاتھ کی تفسیر قدرت سے کرنا، اور استواء کی غلبہ سے اہل سنت کے مذہب کے برخلاف ہے کیونکہ اس سے صفات کا ابطال ہوتا ہے یہ قدریہ اور معتزلہ کا مذہب ہے اہل سنت کا نہیں اں اہل سنت ہاتھ اور منہ بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ جس طرح ہم ذات الٰہی کی کنہ سے عاجز ہیں، صفات الٰہیہ سے بھی عاجز ہیں۔

وہیچ گونہ شائبہ بدعت وکفر برحضرات مذکورین عاید نہ می گردد، بلکہ بخلاف مسلک مذکور وارد می شود کما لا یخفی علی المتأمل المتفطن الماھر بالنصوص من الکتاب والسنۃ واین چند سطور برلئے تنبیہ ناواقفان از مذہب ومشرب متقدمین کہ دراں امام اعظم وامام مالک وغیرہ ہما من المتقدمین المحققین من اہل السنت داخل اند نگاشتہ شد کہ متنبہ شوند وبرین اعتقاد وارند واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ الراقم العاجز:۔ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سوال:۔ ترجمہ قرآن مجید مترجمہ ڈپٹی نذیر احمد خان دہلوی وترجمہ قرآن مجید مترجمہ مرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر کرزن گزٹ وسیکرٹری اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی دہلی میں سے کس کا ترجمہ فصیح ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ترجمہ ہر دو صاحبان مذکور فصاحت اردو میں اچھا ہے، مگر میں نے اول سے آخر تک ترجمہ نہیں دیکھا ہے کہ کس کو ترجیح دوں، مگر ہر دو صاحبان نے فصاحت خرچ کر کے مقاصد ومطالب قرآن کو بگاڑ دیا کہ جس کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے، قرآن کا ترجمہ شاہ رفیع الدین شاہ عبدالقادر وشاہ ولی اللہ صاحب سے بڑھ کر کسی کا نہیں ہوسکتا ہے، ان لوگوں نے الفاظ قرآن ومعانی کی پیروی کی ہے اور ان لوگوں نے فصاحت اردو خرچ کی ہے، تھوڑے دنوں میں قرآن کو مثل انجیل وغیرہ کے کر دیں گے واللہ اعلم بالصواب،

حررہ السید محمد عبدالحفیظ غفرلہ۔

سید محمد عبدالحفیظ — ہذا الجواب صحیح — سید محمد عبدالسلام غفرلہ

الجواب صحیح — سید محمد ابوالحسن

بس ان حضرات موصوفین کا بھی یہی مسلک ہے، اور اس چیز میں تجسیم وتشبیہ یا کفر وشرک کا شائبہ تک نہیں ہے، جیسا کہ ایک ماہر شریعت پر مخفی نہیں، یہ چند سطور ناواقفوں کی تنبیہ کیلئے اہل سنت اور خصوصًا امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مسلک کی وضاحت کیلئے لکھی گئی ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

ختم قرآن شریف بشکل مجمع جائز ہے یا نہیں

سوال :۔ کیا قرآن حکیم کا ختم بشکل مجمع (دائرہ) ایک دن میں ہونا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کس شکل میں، ناجائز ہے تو کس طرح۔

جواب :۔ الجواب بعون الوہاب صورت مسئولہ میں واضح باد کہ مجمع و دائرہ کی کوئی شرط نہیں، ویسے قرآن مجید کی تلاوت باعث اجر و ثواب ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد چہارم ص۷)

نوجوان بالغہ لڑکی کا موجودہ اسکولوں میں انگریزی تعلیم پانا کیسا ہے

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک نوجوان لڑکی بالغہ کا آج کل کے ماحول میں موجودہ سکولوں میں جاکر انگریزی اور مروجہ سرکاری تعلیم حاصل کرنا کیا ہے شریعت اسلامیہ کی روئے جائز ہے یا نہیں واضح رہے کہ لڑکیوں کے لئے الگ زنانہ سکول موجود ہیں، جہاں عورتیں ہی ان کو تعلیم دیتی ہیں بدلائل شرعیہ وضاحت سے تحریر فرمائیں (از مولینا شرف الحق محمود)

جواب :۔ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ دین اسلام پر قائم رہتے ہوئے انگریزی تعلیم حاصل کرنا انہی ضروریات کے لئے جائز ہے بشرطیکہ پردہ وغیرہ کی پابندی ہو۔ اور مخلوط تعلیم نہ ہو، یعنی وہاں لڑکے تعلیم نہ پاتے ہوں اگر ایسی تعلیم سے دین میں کوئی نقصان ہو تو جائز نہیں۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد چہارم ص۷)

قرآن مجید کو چومنے اور وسیلہ کی بابت سوال

سوال :۔ السلام علیکم۔ التماس ہے مندرجہ ذیل سوالات کا جواب مرحمت فرمائیں۔

(۱) قرآن مجید کو چومنا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیکر دعا کرنی یعنی اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ مجھے بخش دے جائز ہے یا نہیں یا شرک ہے!

جواب:۔ ۱۔ قرآن مجید کو چومنا پڑھتے وقت یا دیسے کسی حدیث صحیح یا تعامل صحابہ سے ثابت نہیں۔

۲:۔ دعا کرتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی ولی بزرگ کا واسطہ یا وسیلہ یا طفیل وغیرہ کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث سے نہیں ہے قرآنی ادعیہ یا احادیث میں جو دعائیں مذکور ہیں ان میں نہیں واسطہ وسیلہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں۔ لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے۔

(فتاویٰ ستاریہ ص۱۶۹)

چند آدمیوں کا ہر ماہ بتقرر ایام قرآن ختم کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ ہم نے ہر ماہ میں تین دن قرآن خوانی کے لئے مقرر کئے ہوئے ہیں اور دس پندرہ آدمی جمع ہو کر ایک قرآن کا ختم کر لیتے ہیں تاکہ کاروبار اور رزق میں برکت ہو اور مصیبتیں تکلیفیں دور ہوتی رہیں۔ سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کو پڑھنے اور اس طرح ختم کرنیکا یہ طریقہ شرعاً درست ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا صحابہ کرام کے زمانہ میں اس طرح قرآن ختم کیا جاتا تھا۔ جواب قرآن و حدیث سے عنایت فرمائیں۔

جواب:۔ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ قرآن مجید کا پڑھنا بغیر اپنی طرف سے قیود و شروط کے باعث خیر و برکت ہے۔

باقی ہر ماہ میں اپنی طرف سے تین دن مقرر کر کے حلقہ باندھ کر اور ایک خاص شکل بنا کر لزوم کے ساتھ پڑھنا عہد نبوی اور عہد صحابہ سے ثابت نہیں، بلکہ مسند دارمی میں ہے کہ عہد نبوی کے بعد چند لوگوں نے مجتمع ہو کر حلقہ باندھ کر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ کا وظیفہ پڑھنا شروع کیا صحابہ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جب اس طریقہ کا علم ہوا۔ تو انہوں نے اس حلقہ بندی اور اجتماع سے روکا اور منع کیا اور فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابھی تک برتن بھی نہیں ٹوٹے یعنی آپ کو گذرے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ تم نے دین میں ابھی سے بدعات جاری کر دیں۔ معلوم ہوا کہ جو کام دلائل شرعیہ سے ثابت نہ ہو۔ اس کو لازم سمجھ کر اپنی طرف سے کرنا درست نہیں۔

عبدالقہار نائب مفتی و مدرس مدرسہ دارالسلام

دینی تعلیم پر اجرت لینا حلال ہے یا حرام

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ تعلیمات دینیہ قرآن وحدیث فقہ وغیرہ پر اجرت لینا حرام ہے یا حلال۔ ایک مولوی صاحب تعلیم دینیات پر اجرت حرام بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو ملاں مولوی تعلیم مذکورہ پر اجرت لیتا ہے وہ حرام کھاتا ہے اور دلیل دی جو کہ ابوداؤد میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ صَامِتٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَھْدٰی اِلَیَّ قَوْسًا مِمَّنْ کُنْتُ اُعَلِّمُہُ الْکِتَابَ وَالْقُرْاٰنَ وَلَیْسَتْ بِمَالٍ فَارْمِیْ عَلَیْھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ کُنْتَ تُحِبُّ اَنْ تُطَوَّقَ طَوْقًا مِّنَ النَّارِ فَاقْبَلْھَا۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

اور بیہقی میں ہے: مَنْ اَخَذَ قَوْسًا عَلٰی تَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ قَلَّدَہُ اللّٰہُ قَوْسًا مِّنْ نَّارٍ۔

اب دریافت طلب سائل کی یہ ہے کہ تعلیم علم دین پر اجرت لینا حرام ہے یا حلال اگر حلال ہے تو ان حدیثوں کا کیا جواب ہے۔ جواب سے تسلی فرمائیں۔

الجواب: وھو الموفق للصواب۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَقُوْلُ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

واضح ہو کہ مسئلہ مذکورہ بالا میں اہلحدیث اور حنفی حضرات کا اختلاف ہے، اہل حدیث اور جمہور علما قرآن وحدیث اور دینیات کی تعلیم پر اجرت ومشاہرہ لینا جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اور متقدمین احناف اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور متاخرین حنفیہ اہل حدیث کے متفق ہو گئے ہیں۔ تفصیل اس کی فتاوی نذیریہ جلد دوم کتاب الاجارہ۔

اب تو مدت مدید سے اس کے جواز پر قریبا تمام امت محمدیہ کا اجماع ہو رہا ہے عرب وعجم کے تمام علماء تعلیم وتبلیغ بلکہ اذان وامامت نماز پر تنخواہیں کھا رہے ہیں کسی کی تنخواہ سرکاری بیت المال سے مقرر ہے اور کسی کی انجمن یا کسی جماعت کی طرف سے معین ہے کسی کو کوئی ایک ہی مالدار شخص تنخواہ دے رہا ہے۔ رمضان شریف میں نماز تراویح میں حفاظ قرآن مجید سناتے ہیں جب آخر رمضان میں ختم کرتے ہیں تو ان کو بہت کچھ دیا جاتا ہے، اہل حدیث اور حنفیہ کا اس پر تعامل ہے کوئی کسی کو حرام خور نہیں کہتا۔ اسی طرح مدارس عرب وعجم میں تعلیم وتبلیغ پر مشاہرے لئے جا رہے ہیں اور دیئے جا رہے ہیں۔ کسی عالم۔ محدث۔ فقیہ نے حرام

کا فتویٰ دیکر اس کے انسداد کی کوشش نہیں کی۔ فرقہ ناجیہ اہل حدیث کا بھی یہی تعامل چلا آرہا ہے۔

اب مولوی صاحب مذکور کو کونسی وحی نازل ہو گئی، جس کی بنا پر وہ اس تمام سلسلہ کو حرام قرار دے رہے ہیں نہ ان کو اتنی علمیت ہے کہ وہ تحقیق مسائل میں محدثین سابقین سے سبقت لے گئے ہوں اور نہ ان کا اتنا تقویٰ ہے کہ وہ ہر قسم کے مسائل مختلفہ میں احتیاط سے کام لیکر شبہات سے بچنے لگے ہوں ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی شہرت کرانے کے لئے تمام علماءدین کو حرام خور کہنے لگے ہوں ورنہ یہ مسئلہ اجماعی اور اتفاقی بن رہا ہے اور جو اس کے خلاف ہے شاذ ہے۔

اب اس کی مختصر سی تحقیق سنئیے، بلوغ المرام میں حدیث ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ (اخرجه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تحقیق بہت ہی لائق چیز جس پر تم مزدوری حاصل کرو اللہ کی کتاب ہے رواہ البخاری۔

یہ حدیث نہایت درجہ کی صحیح ہے اور اس کتاب کی ہے جس کو کتاب اللہ کے بعد تمام روئے زمین کی کتابوں پر فوقیت حاصل ہے، لہٰذا یہ حدیث اس مسئلہ میں حجت قوی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینی جائز ہے۔ بلکہ اور ذریعہ سے اجرت لینے اور تنخواہ وغیرہ حاصل کرنے سے اللہ تعالےٰ کی کتاب کی تعلیم پر اجرت لینا زیادہ لائق ہے۔

امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔ هٰذَا تَصْرِيْحٌ لِجَوَازِ اَخْذِ الْاُجْرَةِ عَلَى الرُّقْيَةِ بِالْفَاتِحَةِ وَالذِّكْرِ وَاَنَّهٗ حَلَالٌ لَا كَرَاهِيَةَ فِيْهَا وَكَذَا الْاُجْرَةُ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَهٰذَا مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ وَاَحْمَدَ وَاِسْحَاقَ وَاَبِيْ ثَوْرٍ وَاٰخَرِيْنَ مِنَ السَّلَفِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَمَنَعَهَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ فِيْ تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَاَجَازَهَا فِي الرُّقْيَةِ۔

یعنی اس حدیث میں صاف صراحت ہے کہ فاتحہ اور دم جھاڑ کر کے اجرت لینا جائز ہے، اور وہ حلال ہے جس میں کوئی کراہت نہیں اور اسی طرح تعلیم قرآن پر اجرت لینا حلال ہے یہی مذہب ائمہ دین شافعی، مالک احمد، اسحاق، ابو ثور اور دیگر علماء سلف و خلف کا ہے اور تعلیم قرآن پر امام ابو حنیفہ منع کرتے ہیں اور دم کرنے پر جائز کہتے ہیں۔ اس تصریح سے واضح ہوا کہ اہل حق کا سواد اعظم اس اجرت کے جواز

کا قائل ہے۔ رئیس المحققین علامہ ابن حزم محلےج ۸ص ۱۹۳ میں فرماتے ہیں۔ وَالْاِجَارَۃُ جَائِزَۃٌ عَلٰی تَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ وَعَلٰی تَعْلِیْمِ الْعِلْمِ مُشَاھِرَۃً وَجُمْلَۃً وَکُلُّ ذَالِکَ جَائِزَۃٌ وَعَلَی الرُّقٰی وَعَلٰی نَسْخِ الْمَصَاحِفِ نَسْخِ کُتُبِ الْعِلْمِ لِاَنَّہٗ لَمْ یَاْتِ فِی النَّھْیِ عَنْ ذَالِکَ نَصٌّ بَلْ قَدْ جَاءَتِ الْاِبَاحَۃُ کَمَا رَوَیْنَا مِنْ طَرِیْقِ الْبُخَارِیِ الخ

یعنی تعلیم قرآن اور دیگر علوم کی تعلیم پر اجرت لینی جائز ہے، ماہوار ہو یا اکٹھی سب جائز ہے۔ سردم کرنے اور قرآن اور آسمانی کتب تفسیر حدیث کی کتابوں کی کتابت پر مزدوری لینا بھی درست ہے کیونکہ اس کی ممانعت کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، (تو اصل اشیاء میں اباحت) بلکہ اس کے درست ہونے کے متعلق بخاری کی حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کیا۔

پھر علامہ ابن حزم نے حدیث بخاری کو بروایت ابن عباس نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے، پھر دوسری دلیل یہ پیش کی ہے۔ وَالْخَبَرُ الْمَشْھُوْرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَوَّجَ اِمْرَاَۃً مِنْ رَّجُلٍ بِمَا مَعَہٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَیْ یُعَلِّمُھَا اِیَّاہُ۔ یعنی یہ حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم کے عوض میں ایک مرد سے ایک عورت کا نکاح کرایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ مسلم شریف کے بَابُ الصَّدَاقِ وَجَوَازِ کَوْنِہٖ تَعْلِیْمَ الْقُرْاٰنِ میں وہ حدیثیں جن میں تعلیم قرآن کے عوض عورت کے نکاح کر دینے کا ذکر ہے، وارد ہے، ان میں یہ الفاظ موجود ہیں فَقَدْ زَوَّجْتُکَھَا فَعَلِّمْھَا مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ کہ تجھے یہ عورت نکاح کر دی تو اسے قرآن کی تعلیم دے، نیز یہ الفاظ ہیں۔ فَقَدْ مَلَّکْتُکَھَا بِمَا مَعَکَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۔ کہ اس عورت کو تیرے قرآن کی تعلیم کے عوض تیری ملک میں کیا جو تیرے یاد ہے ابوداؤد میں ہے عَلِّمْھَا عِشْرِیْنَ اٰیَۃً وَھِیَ اِمْرَاَتُکَ تو اس کو بیس آیتیں پڑھاوے یہ تیری عورت ہے۔

اب مولوی صاحب معلوم کریں کہ نکاح ہو گیا تھا، یا نہیں اور زوجین نے اس پر عمل کیا تھا یا نہیں، اگر جواب اثبات میں ہے۔ تو مدعا ہمارا ثابت ہوا۔ کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینی اور عورت سے نکاح کرنا اور دیگر منافع حاصل کرنے جائز ہیں، اگر یہ نکاح ناجائز ہے کیونکہ اجرت اور مہر ناجائز چیز کا باندھ دیا گیا، پھر یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت مطہرہ پر حملہ ہے، اور مولوی صاحب کے نزدیک سب حرام کار بنتے ہیں تو ان کو اسلام کا دعویٰ چھوڑ دینا چاہیئے، اور کوئی دوسرا مذہب پسند کر لینا چاہیئے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

اب اس حدیث پر امام نووی کا فرمان سنئے وہ فرماتے ہیں کہ :-

وَفِي هٰذَا الْحَدِيْثِ دَلِيْلٌ لِجَوَازِ كَوْنِ الصَّدَاقِ تَعْلِيْمُ الْقُرْاٰنِ وَجَوَازِ الْاِسْتِيْجَارِ لِتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَكِلَاهُمَا جَائِزٌ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ بِهٖ قَالَ عَطَاءٌ وَالْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ وَمَالِكٌ وَاسْحَاقُ وَغَيْرُهُمْ وَمَنَعَهُ جَمَاعَةٌ مِنْهُمُ الزُّهْرِيُّ وَاَبُوْحَنِيْفَةَ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مَعَ الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ يَرُدَّانِ قَوْلَ مَنْ مَنَعَ ذٰلِكَ وَنَقَلَ الْقَاضِيْ عِيَاضٌ جَوَازَ الْاِسْتِيْجَارِ لِتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ عَنِ الْعُلَمَاءِ كَافَّةً سِوٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِنْتَهٰى (مسلم ج اص ۴۵۸)

یعنی اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ تعلیم قرآن کا مہر ہونا جائز ہے، اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا بھی جائز ہے، امام شافعی اور عطا اور حسن بن صالح اور امام مالک اور امام اسحاق وغیرہ کا یہی مذہب ہے ایک شتر ذمہ قلیلا اس سے روکتا ہے جن میں سے زہری اور ابو حنیفہ ہیں یہ حدیث بمع حدیث ابن عباس مذکور منع کرنیوالوں کا رد کرتی ہے۔

اور قاضی عیاض نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے والوں کا جواز تمام علماء سے نقل کیا ہے سوائے امام ابو حنیفہ کے محلی ابن حزم میں ہے ج ۸ ص ۱۹۰ عَنِ الْوَضِيْنِ ابْنِ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ ثَلَاثَةُ مُعَلِّمِيْنَ يُعَلِّمُوْنَ الصِّبْيَانَ فَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَرْزُقُ كُلَّ وَاحِدٍ خَمْسَةَ عَشَرَ كُلَّ شَهْرٍ -

یعنی وضین بن عطا سے روایت ہے کہ مدینہ میں تین معلم تھے جو بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے، حضرت عمر ہر مدرس کو پندرہ (درہم یا دینار) ہر ماہ دیا کرتے تھے،

نیز لکھا ہے، وَصَحَّ عَنْ عَطَاءٍ وَاَبِيْ قِلَابَةَ اِبَاحَةُ اَجْرِ الْمُعَلِّمِ یعنی عطا اور ابو قلابہ سے بھی معلم کی اجرت جائز منقول ہے، نیل الاوطار میں ہے ذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ اِلٰى اَنَّهَا تَحِلُّ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ یعنی جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ تعلیم قرآن پر اجرت یا مزدوری حلال ہے تنقیح الرواہ تخریج مشکواۃ میں ہے، اِسْتَدَلَّ بِهَا الْجُمْهُوْرُ عَلٰى جَوَازِ اَخْذِ الْاُجْرَةِ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ - یعنی حدیث ابن عباس سے جمہور علماء نے استدلال کیا ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینی روا ہے۔

الغرض بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینا جائز ثابت ہوا چنانچہ الفاظ صاف ہیں کہ اللہ کی کتاب سب سے زیادہ حقدار ہے کہ تم اس پر مزدوری حاصل کرو۔

بخاری و مسلم صحیحین کہلاتی ہیں جو طبقہ اولیٰ کی کتابیں ہیں ان کی حدیث سب کتابوں پر مقدم ہے،

ان کے خلاف اگر طبقہ ثانیہ (ابوداود، ترمذی، نسائی) یا طبقہ ثالثہ (سنن دار قطنی، بیہقی) کی حدیثیں کی جائیں تو ان کے درمیان تطبیق دیجائیگی ورنہ توقف ہوگا، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں، کہ "صحیحین کی شان یہ ہے کہ تمام محدثیں کا اتفاق ہے، کہ ان میں جو حدیثیں مرفوع متصل ہیں وہ سب یقینا صحیح ہیں یہ کتابیں اپنے اپنے مصنفوں تک متواتر ہیں"، (حجۃ البالغہ)

دیگر قاعدہ یہ ہے کہ احکام یعنی فرض واجب۔ حلال حرام میں صحیح حدیث قابل استدلال ہے، اور ضعیف حدیث قابل حجت نہیں ہے، ہاں فضائل اعمال میں حجت ہے چنانچہ صحیح مسلم جلد اول ص۲۱ کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں اِنْ کَانَ یُعْرَفُ ضُعْفُہٗ لَمْ یَحِلَّ لَہٗ اَنْ یَّحْتَجَّ بِہٖ فَاِنَّھُمْ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰی اِنَّہٗ لَا یُحْتَجُّ بِالضَّعِیْفِ فِی الْاَحْکَامِ۔ یعنی روایت کا اگر ضعیف معلوم ہے تو اس سے حجت پکڑنا حلال نہیں ہے کیونکہ اکثر ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ضعیف حدیث احکام میں حجت نہیں ہے

پس ان دو قاعدوں کو ایک یہ کہ طبقہ اولیٰ کی حدیثیں دیگر طبقوں پر راجح ہیں دوم ضعیف حدیث احکام میں حجت نہیں ذہن نشین فرما کر اب تعلیم قرآن پر اجرت یعنی حرام کہنے والوں کے دلائل کے جوابات سنئے ایک حدیث وہ ہے جو سائل نے لکھی ہے:۔ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَھْدٰی اِلَیَّ قَوْسًا مِمَّنْ کُنْتُ اُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَالْقُرْاٰنَ وَلَیْسَتْ بِمَالٍ اَرْمِیْ عَلَیْھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ اِنْ کُنْتَ تُحِبُّ اَنْ تُطَوَّقَ طَوْقًا مِنْ نَارٍ فَاقْبَلْھَا (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص نے کمان ہدیہ بھیجی ہے، اور یہ ان شخصوں میں سے ہے کہ جن کو میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیا کرتا ہوں۔ اور کمان کوئی مال نہیں ہے میں اس کے ساتھ راہ خدا میں تیر اندازی کرونگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو یہ دوست رکھتا ہے۔ کہ تجھ کو آگ کا طوق پہنایا جائے، تو اس کو قبول کرے، اس حدیث کو ابوداؤ اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

مانعین اجرت تعلیم اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں پس اس حدیث کے تین جواب ہیں۔

۱۔ یہ حدیث طبقہ ثانیہ کی ہے، اور حدیث ابن عباس صحیحین طبقہ اولیٰ کی ہے، لہذا اس کے مقابلہ میں مقدم نہ ہوگی۔

۲۔ حدیث ابن عباس صحیح بلکہ اصح ہے، اور حدیث عبادہ ضعیف ہے چنانچہ تنقیح الرواۃ تخریج المشکوٰۃ ص۱۹۰ جلد ۲ میں ہے:۔ وَفِي إِسْنَادِ الْحَدِيثِ مُغِيرَةُ ابْنُ زِيَادٍ مُخْتَلَفٌ فِيهِ وَثَّقَهُ وَكِيعٌ وَيَحْيَى ابْنُ مُعِينٍ وَتَكَلَّمَ فِيهِ جَمَاعَةٌ وَاسْتَنْكَرَ أَحْمَدُ حَدِيثَهُ وَقَالَ أَبُو زُرْعَةَ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِ وَنَاقَضَ الْحَاكِمُ فَصَحَّحَ حَدِيثَهُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَاتَّهَمَهُ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ فَقَالَ يُقَالُ إِنَّهُ حَدَّثَ عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ نُسَيٍّ بِحَدِيثٍ مَوْضُوعٍ۔

یعنی اس حدیث کی سند میں ایک راوی مغیرہ ابن زیاد ہے جو مختلف فیہ ہے وکیع اور یحییٰ نے اس کو ثقہ کہا ہے، ایک جماعت نے اس میں کلام کیا ہے یعنی جرح کی ہے چنانچہ امام احمد نے اس کی حدیث کو منکر کہا ہے اور ابوزرعہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ حاکم نے اس پر مناقضہ کیا ہے مستدرک میں کہا ہے کہ اس کی حدیث صحیح ہے مگر دوسری جگہ اس کو متہم کیا ہے، کہ وہ عبادہ سے موضوع حدیث بیان کرتا ہے۔ بہر کیف مغیرہ مختلف فیہ ہے اور جرح تعدیل پر مقدم ہے، لہٰذا مغیرہ ضعیف ہے، دوسرا راوی اس حدیث میں اسود بن ثعلبہ ہے اس کے متعلق محلی ابن حزم میں لکھا ہے۔ وَهُوَ مَجْهُولٌ لَا يُدْرَى قَالَهُ عَلِيُّ ابْنُ الْمَدِينِيِّ وَغَيْرُهُ۔ یعنی اسود بن ثعلبہ مجہول ہے۔ اس کا حال معلوم نہیں ہوا۔ علی ابن مدینی نے کہا ہے۔ مجہول راوی جس روایت میں ہو وہ ضعیف ہوتی ہے تیسرا راوی بقیہ بن ولید ہے جس کے متعلق محلی میں ہے کہ وَهُوَ ضَعِيفٌ وہ ضعیف ہے پس جس حدیث میں تین راوی ضعیف ہوں وہ قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔

امام ابن حزم نے امام ابوحنیفہ کا مذہب نقل کر کے پھر لکھا ہے، کہ وَاحْتَجَّ لَهُ مُقَلِّدُوهُ بِخَبَرٍ رُوِّينَا یعنی امام ابوحنیفہ کے مقلد اس کی حمایت کیلئے اس حدیث سے حجت لیتے ہیں جو ہم نے روایت کی ہے۔ پھر حدیث قوس وغیرہ لکھ کر انکی تضعیف کی ہے اُبی ابن کعب سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں ابو ادریس خولانی ہے جو اُبی بن کعب سے روایت کرتا ہے، لیکن اس کا سماع ثابت نہیں لہٰذا یہ روایت منقطع ہے لَا يُعْرَفُ لِأَبِي إِدْرِيسَ سَمَاعٌ مِنْ أُبَيٍّ اُبی ابن کعب کا ایک اور طریق ہے جس کے متعلق نیل الاوطار میں ہے ۔أَمَّا حَدِيثُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَأَخْرَجَهُ أَيْضًا الْبَيْهَقِيُّ وَالرُّوْيَانِيُّ فِي مُسْنَدِهِ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ هُوَ مُنْقَطِعٌ۔ یعنی حدیث ابی ابن کعب جس کو بیہقی اور رویانی نے مسند میں روایت

کیا ہے، اس کے متعلق بیہقی اور ابن عبد البر نے کہا کہ وہ منقطع ہے۔

اس میں عطیہ کلاعی اور ابی ابن کعب کے درمیان انقطاع ہے پھر اس میں عبد الرحمٰن بن مسلم نے عطیہ سے روایت کیا ہے، اس کے متعلق لکھا ہے وَاَعَلَّهُ ابْنُ الْقَطَّانِ بِحَالِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُسْلِمٍ الرَّاوِيْ عَنْ عَطِيَّةَ یعنی ابن القطان نے عبد الرحمٰن کی وجہ سے جو عطیہ سے راوی ہے اس حدیث کو معلول کیا ہے، پھر ابی کی حدیث کے کئی طرق ہیں نیل الاوطار میں ہے ابی کی حدیث کے کئی طرق ہیں، اور ابن قطان نے کہا ان میں کوئی بھی ثابت نہیں۔

ایک حدیث عمران بن حصین کی ترمذی میں ہے جس سے دلیل پکڑی جاتی ہے، امام ترمذی اس کے آخر میں فرماتے ہیں کہ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِذَالِكَ کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے، عبادہ والی حدیث کا ایک طریق اسماعیل بن عباس سے ہے اس کے متعلق محلی میں ہے وَهُوَ ضَعِيْفٌ ثُمَّ هُوَ مُنْقَطِعٌ یہ راوی ضعیف بھی ہے اور منقطع بھی ہے۔ یعنی اس طریق میں دو راوی ضعیف ہیں۔

اسی طرح ابی ابن کعب کا ایک طریق علی ابن رباح سے آیا ہے اس کے متعلق محلی میں ہے، وَالْاٰخَرُ اَيْضًا مُنْقَطِعٌ لِاَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبَاحٍ لَمْ يُدْرِكْ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ یہ روایت بھی منقطع ہے کیونکہ علی بن رباح نے ابی بن کعب کو نہیں پایا۔

اسی طرح بیہقی اور ابو نعیم نے ابو درداء سے ایک روایت ذکر کی ہے تنقیح الرواۃ میں ہے، فِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ کہ اس کی سند میں جرح ہے پھر دارمی میں ابو درداء سے ایک روایت ہے تنقیح الرواۃ میں ہے قَالَ دُحَيْمٌ حَدِيْثُ اَبِي الدَّرْدَاءِ هٰذَا لَيْسَ لَهٗ اَصْلٌ۔ یعنی دحیم نے کہا حدیث ابو درداء کی کوئی اصل نہیں۔

الغرض اجرت منع ہونے کے بارہ میں جس قدر روایتیں ہیں سب کی سب ضعیف ہیں کوئی منکر ہے کوئی منقطع کسی کے راوی ضعیف ہیں کسی میں کوئی علت ہے کسی میں کوئی علت ہے لہٰذا مانعین کا دعویٰ در بارہ اجرت تعلیم القرآن وحدیث کئی وجوہ سے قابل قبول نہیں۔

۱۔ یہ حدیث طبقہ ثانیہ یا ثالثہ کی ہیں جو طبقہ اولیٰ کی احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتیں طبقہ اولیٰ کو ترجیح ہے۔

(۲) یہ احادیث ضعیف ہیں اور جواز اجرت کی احادیث نہایت صحیح ہیں، ضعیف سے

صحیح کا مقابلہ درست نہیں۔

(۳) احادیث جواز اجرت مثبت ہیں اور احادیث منع اجرت نافی ہیں قاعدہ یہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے۔

(۴) احادیث منع کی مؤول ہیں مثلاً حدیث عبادہ وغیرہ جس میں ذکر قوس ہے اس کا مقصد ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِمَ اَنَّھُمَا فَعَلَا ذَالِكَ خَالِصًا لِلّٰہِ فَکَرِہَ اَخْذَ الْعِوَضِ عَنْہُ (نیل الاوطار) یعنی عبادہ اور ابی کا حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کر لیا تھا کہ انہوں نے یہ کام خالص لوجہ اللہ کیا ہے اب اس کا بدلہ لینا مکروہ ہے۔ پس اب بھی یہی صورت مراد ہے۔
ایک حدیث تحریم سوال بالقرآن پر دلالت کرتی ہے اس کو مسئلہ مابہ النزاع سے کچھ تعلق نہیں (نیل الاوطار)

ایک اور حدیث میں تاکل بالقرآن کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق نیل میں ہے فَھُوَ اَخَصُّ مِنْ مَحَلِّ النِّزَاعِ لِاَنَّ الْمَنْعَ مِنَ التَّاَکُّلِ بِالْقُرْاٰنِ لَا یَسْتَلْزِمُ الْمَنْعَ مِنْ قَبُوْلِ مَا دَفَعَہُ الْمُتَعَلِّمُ بِطِیْبَۃٍ مِنْ نَفْسِہٖ یہ حدیث دعوی اور مسئلہ متنازع سے بہت ہی خاص ہے، کیونکہ سنئے تاکل بالقرآن سے طالب علم کا اپنی خوشی سے کوئی چیز دینے اور اس کے قبول کرنے سے منع ہونا یا منع کرنا لازم نہیں آتا ہر دو مسئلہ علیحدہ علیحدہ ہیں دعوی اور دلیل میں تقریب تمام کا ہونا لازم ہے اجرت اذان کی ممانعت سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قیاس ہے اور قیاس بھی فاسد الاعتبار اس لئے معجت نہیں نیل الاوطار میں ہے

پھر یہ قیاس بمقابلہ نص ہے جو مردود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث بخاری و مسلم سے مسئلہ جواز اجرت تعلیم کا صحیح ثابت ہوا۔ وَالْعَمَلُ عَلَیْہِ اَکْثَرُ اَھْلِ الْعِلْمِ۔

باقی تاویلات مانعین کی نا قابل قبول ہیں کیونکہ سب تاویلات بے دلیل ہیں مثلاً یہ کہ حدیث اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا کِتَابُ اللّٰہِ کی تاویل بعض مقلدین نے یہ کی ہے کہ اس اجر اخروی یعنی ثواب آخرت مراد ہے چنانچہ تعلیق صبیح شرح مشکوٰۃ میں مولوی ادریس کاندھلوی نے لکھا ہے کہ قُلْنَا اَرَادَ بِہٖ الْاَجْرَ الْاُخْرَوِیَّ یہ تاویل مردود ہے اور یہ تاویل بمالا یرضی

بہٖ اَلْقَائِلُ کی مصداق ہے، کیونکہ مورد کے خلاف ہے اور سیاق وسباق کے خلاف ہے۔
کیونکہ مزدوری موجود ہے اور سوال اس کے متعلق ہے۔ اگر جواب اجر آخرت ہو تو سائل کے سوال
کا جواب کہاں گیا۔ اور اس چیز کا حکم کیا ہوا یہ تو سوال از آسمان جواب از ریسماں کی مثل ہوگا جو شان
نبوت کے خلاف ہے۔ دوم یہ کہا جاتا ہے، اس سے مراد صرف رقیہ پر اجرت لینا ہے تعلیم پر نہیں
میں کہتا ہوں یہ تاویل بھی مردود ہے کیونکہ مورد اگرچہ خاص ہے لیکن جواب عام ہے۔ لفظ ما عموم
کے لئے ہے اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اِنَّ الْعِبْرَةَ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ یعنی
لفظوں کے عموم کا اعتبار ہے مورد اور سبب کا اعتبار نہیں اگر صرف رقیہ مراد ہوتا تو حدیث میں
خاص ہی لفظ بولا جاتا۔

سوم یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث ابن عباس عام ہے اور حدیث عبادہ خاص ہے۔ عام اور خاص
کا مقابلہ ہو تو عام کی تخصیص کی جائیگی، پس حدیث عبادہ حدیث ابن عباس کی مخصص ہے چنانچہ
علامہ شوکانی نے یہی کہا ہے میں کہتا ہوں یہ تاویل بھی مردود ہے جس کی کئی وجہیں ہیں۔

ا۔ یہ کہ عام اور خاص کا مقابلہ اس وقت صحیح ہوتا ہے (جس سے تخصیص کرنی پڑتی ہے۔)
جس وقت دونوں یکساں قوی ہوں اگر خاص ضعیف و کمزور ہو تو مخصص نہیں ہو سکتا۔ جب دس
مردے ایک زندہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے دس بیمار ایک قوی صحیح وسالم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ضعیف
حدیث صحیح حدیث کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے۔

(۲) دوم حدیث نکاح بعض تعلیم قرآن اس تخصیص کی تردید کرتی ہے۔

(۳) سوم امت محمدیہ کی اکثریت کا تعامل اور اکابر محدثین کا اس سے استدلال کرنا اس تاویل
کو باطل کرتا ہے۔

(۴) چہارم۔ تعامل خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ کَمَا مَرَّ
سَابِقًا۔ پنجم یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث عبادہ وغیرہ کی منفردات روایتیں تو بیشک ضعیف ہیں لیکن تعداد طرق سے جو
مجموعہ تیار ہو جاتا ہے وہ حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اِنَّ لُحُوْقَ الضَّعِيْفِ بِالضَّعِيْفِ
لَا يُفِيْدُ قُوَّةً۔ یعنی ضعیف کو ضعیف سے ملانا قوت کو مفید نہیں، یہ اسوقت مفید ہے جب ضعف کم ہو اگر زیادہ
ہو تو مفید نہیں یہاں یہی معاملہ ہے کتبہ عبدالقادر المہاجر الحصاری (فتاویٰ ستاریہ جلد سوم ص ۷۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سوال

عوام اہل اسلام کہ علوم خمسہ اجتہاد نمی دانند بلکہ چیزے ازاں نمی شناسند اگر بعد تلقی متون احادیث و اعتماد بر ظاہرش بدون معرفت رجال سند و ناسخ و منسوخ و دریافت خاص و عام و مطلق و مقید بداں عمل کنند و گویند قال اللہ تعالیٰ کذا و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا حکم ایشاں چیست این تلقی و اعتمال در صحت ایمان کفایت میکند یا تقلید عالم مجتہد کہ نظر در احادیث کردہ مدلول و معنیٰ اور اشناختہ و ناسخ و منسوخ و مطلق و مقید و عام و خاص را دانستہ و حاوی علوم اجتہاد و مرجح میان ادلہ باعتبار طرق وی گردیدہ ناگزیر است۔

عامی مسلمان جو اجتہاد کے (بنیادی) علوم خمسہ تک نہ جانتا ہو بلکہ ان سے بالکل ناواقف ہو اگر وہ متون حدیث پڑھ کر ظاہری معنی پر عمل کرے سند کے رجال کا اس کو پتہ نہ ہو ناسخ و منسوخ کو نہ جانتا ہو عام و خاص مطلق و مقید سے بے خبر ہو صرف قال اللہ وقال الرسول کہہ سکے ایسے شخص کے بارے میں فرمائیے آیا اس کا یہ انداز صحت ایمان کے لئے کافی ہے یا کسی مجتہد عالم کی تقلید ضروری ہے جس کی نظر علم حدیث پر وسیع ہو وہ مجتہد حدیث کا معنیٰ اور مدلول جانتا ہو ناسخ و منسوخ مطلق و مقید عام خاص کا فرق پہچانتا ہو اجتہاد کے بنیادی علوم کا ماہر ہو اور دلائل شرعیہ میں اسباب ترجیح پر نظر رکھتا ہو۔ آیا صحت ایمان کے لئے ایسے عالم کی تقلید ضروری ہے یا نہیں۔

جواب

ہر کہ حدیث نبوی را کہ در کتب صحیحہ سنیاں ست مثل صحاح ستہ و کتبی کہ برائے معرفت احکام مجرد گردایندہ شدہ اند مثل منتقی الاخبار و شرح وے نیل الاوطار و بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام و شرح وے مسک الختام و سبل السلام وغیرہا فرا گرفتہ یا نیکے از نیہا از مسند احمد و آنچہ بداں میماند اخذ نمودہ دلیر سد کہ عمل براں حدیث

جو شخص صحیح حدیث نبوی پر عمل کرے جو حدیث سنیوں کی کتب صحاح ستہ وغیرہ میں ہو اور ان کتب میں ہو جو محض احکام احادیث پر مشتمل ہیں جیسے منتقی الاخبار ہے یا اس کی شرح نیل الاوطار ہے یا جیسے بلوغ المرام من ادلۃ احکام ہے اور اس کی شرح مسک الختام و سبل السلام وغیرہ ہے یا وہ حدیث مسند احمد اور اس قسم کی کتب حدیث میں ہو تو اس قسم کی حدیث

ماخوذ بلند زیرا کہ آئمہ محققین دریں کتب حق تصحیح
ادا کردہ اند آں حدیثے کہ در وے ایشاں تکلم
کردہ باشند و ضعیف یا موضوعش گفتہ بر وے
عمل نباید کرد مگر وقتیکہ مضطر گردد بسوی
عمل برائے اہل علم کہ دریں وقت
عمل بر حدیث ضعیف نہ بر موضوع
اولی ست، عمل برائے مجرد الیہ
ذھب۔

امام اہل السنۃ احمد بن محمد بن حنبل رضی اللہ عنہ و
سائر ائمۃ الحدیث و اقوال و فتاوی
ایشان در دواوین اسلام مرقوم ست
نقل آں ہمہ دریںجا طول میخواہد پس اند
معرفت رجال کتب صحاح ستہ و امثالہا
پس ایں امر سہل ست۔ اہل معرفت
بعلم حدیث بتدوین رجال و تبیین احوال
ہر یکی پرداختہ اند و کار بر عاملان
سنت آسان ساختہ کتاب تھذیب
و خلاصہ خود دریں زمانہ میسر و
مشہور است اگر تنہا بوے رجوع
کنند رجال را معالیکہ در ایشان است
زود تر دریابند ورنہ قول صاحب
بلوغ المرام مثلاً کہ ایں حدیث صحیح
ست یا حسن یا ضعیف کافی باشد چہ

پر عمل کرنا درست اور صحیح ہے کیونکہ آئمہ محققین نے ان
کتب میں تصحیح حدیث کا حق مکمل طور پر ادا کر دیا ہے
ہاں مگر وہ حدیثیں جن پر آئمہ نے کلام کی اور ان کو
ضعیف یا موضوع بتایا ان پر عمل نہیں کرنا چاہیئے (ترجمہ)
اگر مجبوراً اہل عالم کی رائے پر عمل کی نوبت آئے تو پھر
ضعیف پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے موضوع پر عمل نہیں کیا
جائیگا (یعنی رائے کے مقابلہ میں ضعیف حدیث پر
عمل کیا جائیگا)

یہی نظریہ امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ
کا ہے اور تمام آئمہ حدیث کا۔ ان کے اقوال اور فتاوی بجات
انکی تصانیف میں موجود ہیں جن کا یہاں نقل کرنا محض
کلام کو طویل کرنا ہوگا جیسے اسمائے رجال اور صحاح ستہ
وغیرہ پر بحث محض تحصیل حاصل ہے اب تو یہ کام
(احوال رجال) محدثین نے آسان کر دیا ہے رجال (اسناد)
کے بارہ مستقل کتابیں لکھیں جن میں ان کے مکمل حالات
بیان اور سنت پر عمل کرنے والوں کے لئے روایات
کا سمجھنا آسان کر دیا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا
ضعیف اس فن کی کتاب تہذیب التہذیب اور اس
کا خلاصہ تقریب اب بازار سے دستیاب ہیں۔ اگر
صرف ان کتب کا مطالعہ کیا جائے تو رجال کے بارے مفید
باتیں باآسانی مل جاتی ہیں۔ ویسے تو صاحب بلوغ المرام
کا فیصلہ بھی کافی ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح
ہے حسن یا ضعیف کیونکہ مولف بلوغ المرام وہ جید عالم ہیں

مؤلفش حبر۔ عادل۔ عارف۔ امام محقق بردہ
است و قبول این حرف از وے داخل
اقتدا است نہ تقلید و باب نسخ در کتاب
و سنت و شریعت حقہ غیلے قلیل ست
جمعے از اہل علم بحصر استقراء آیات پرداختہ
اند در فوز الکبیر فی اصول التفسیر حصر
نسخ در پنج آیۃ کریمہ نمودہ و ابن
جوزی وغیرہ او دہ حدیث را منسوخ
شمردہ کہ ماورائے آن آیتی یا حدیثے
منسوخ معلوم نیست۔ اینقدر قلیل را ہر
واحد از عامی و عالم بر نوک زبان یاد
می تواند گرفت وہلا افادۃ الشیوخ بمقدار
الناسخ والمنسوخ ذکر این آیات
و احادیث منسوخہ کردہ ایم۔ با آنکہ
اصل مطابق اصول عدم نسخ است
پس در عمل بنصوص بحث از ناسخ
و منسوخ ضرور نیست۔ بلکہ عمل بدان
بغیر این بحث واجب زیرا کہ اصل عدم
نسخ بودہ ست ہمچنیں اصل در تخصیص
عدم اوست اگرچہ بسیار باشد تا آنکہ
گفتہ اند ہیچ عامی نیست مگر کہ از وی
تخصیص کردہ اند الا مثل قولہ تعالے
واللہ بکل شیء علیم و واللہ علی کل شیء قدیر

کہ عادل۔ عارف با حوال رجال امام فن اور
بہت بڑے محقق ہیں تو ان کا یہ فیصلہ اتباع میں داخل
ہے تقلید میں شمار نہ ہوگا کتاب و سنت اور شریعت
حقہ میں نسخ کا باب بہت ہی کم ہے علماء کی
ایک جماعت نے ان کا شمار مکمل طور پر کر دیا ہے
(شاہ ولی اللہ دہلوی نے) فوز الکبیر فی احوال التفسیر
میں پانچ آیات کو منسوخ بتایا ہے۔ امام ابن جوزی
وغیرہ نے دس احادیث کو منسوخ شمار کیا ہے
ان علماء کی تحقیق میں ان کے علاوہ کوئی آیت یا حدیث
منسوخ نہیں اس قدر قلیل تعداد کو ہر خاص و عام نوک
زبان رکھ سکتا ہے۔ اس طرح وہ آیات و احادیث
منسوخہ اور غیر منسوخہ کو پہچان سکتا ہے ہم نے
اپنی کتاب افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ
والمنسوخ میں ان آیات و احادیث کا ذکر کر دیا ہے
اصل اصول تو عدم نسخ ہی ہے لہذا عمل کرتے وقت
نص کے بارہ ناسخ منسوخ کی بحث غیر ضروری ہے
بلکہ اس سے قطع نظر نص پر عمل واجب ہے کیونکہ احکام
شرع میں اصل ہے ہی عدم نسخ ایسے ہی اصل
عدم تخصیص ہے اگرچہ تخصیص بکثیر تعداد پائی جاتی
ہے، حتی کہ علما کا قول ہے کہ ہر عام سے
تخصیص ہوتی ہے۔ صرف واللہ
بکل شیء علیم۔ اور واللہ علی
کل شیء قدیر۔ جیسے عام ہے

اما اصل در روی نیز عام تخصیص است پس عمل بعام ہم بغیر بحث از خاص می باید کرد چنانکہ مذہب صحابہ است رضی اللہ عنہم بلکہ مذہب انبیاء علیہم السلام است حق تعالے فرمود اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ و چوں پسر نوح را غرق کرد وی علیہ السلام گفت اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ . بنا بر عمل بعموم لفظ اهلك زیرا کہ اسم جنس مضاعف ست حق تعالے بیان کرد کہ وی خارج از اصل تست و بر حمل کردن وی لفظ اصل را بر عموم عتاب نفرمود صرف ایں قدر بیان کرد کہ مراد باصل کسے است کہ ایمان آورده ہمیں ست حال حکم مطلق و مقید و بیان اینہا و عام و خاص درین معنی فرقے نیست اگرچہ در مفہوم مختلف بوده اند پس عمل بر مطلق روا باشد تا آنکہ مقید ظاہر شود از اینجا ثابت شد کہ ہر کہ حدیث نبوی از کتب مذکوره مثلاً یاد گرفتہ و بر آں عمل نماید وی مصیب است غیر خاطی بلکہ حق تعالے او را راہ راست را نموده بر طریق قویم برده و اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعطاء فرموده بے شبہ ایں کس اقوم در قیل و اهدای بسوئے سبیل باشد از کسیکہ سخن عالمے گوش کرده و استناد آں

جیسے عام سے تخصیص نہیں (اس قول کے باوجود ہم کہتے ہیں عام پر عمل کیا جائے اور تخصیص کی بحث دیکھے بغیر عمل کیا جائے یہی مسلک صحابہ کرام کا تھا بلکہ انبیاء علیہم السلام کا یہی مسلک تھا (غور فرمائیے) اللہ تعالے فرماتے ہیں اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ (اے نوح ہم تجھ کو اور تیرے اہل کو نجات دینگے) جب طوفان میں پسر نوح غرق ہوا تو نوح علیہ السلام نے عرض کی ان ابنی من اھلی (میرا بیٹا میرے اہل سے ہے) لفظ اہل کو عموم پر محمول کیا کیونکہ اہل مضاعف ہے اللہ تعالے نے فرمایا وہ تیرے اہل سے خارج ہے . اور حضرت نوح کے حمل بر عموم پر کسی طرح کا عتاب نہیں فرمایا بلکہ یہی فرمایا کہ تیرے اہل میں وہی شمار ہوگا جو ایماندار ہوگا عام و خاص کی طرح ہی مطلق و مقید کا حال ہے اس اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں اگرچہ مفہوم آپس میں مختلف ہیں . پس عمل مطلق پر جائز قرار دیا جائیگا جب تک مقید نہ آئے . درج بالا بحث سے پتہ چلا کہ جو شخص مذکورہ کتب حدیث سے حدیث نبوی یاد کرتا اور اس پر عمل کرتا ہے اس کا یہ عمل صحیح ہے اس میں کوئی خطا نہیں بلکہ اللہ تعالے نے اس کے لئے صحیح راستہ کھول دیا اور راہ مستقیم پر اس کو چلایا ہے اور اس کو اتباع رسول کی توفیق دی ہے بلا شبہ ایسے کہ شخص عمل کے اعتبار سے قوی دلیل اور راہ کے لحاظ سے صحیح راہ اختیار کئے ہوتا ہے بخلاف اس شخص کے جو علما کی بات سنتا ہے اس

قول ازاں عالم قائل شناختہ واگر دراند
کے از بسیار ویکی از ہزار شناختہ باسباب
وثوق وی چنانکہ می باید راہ نیافتہ
وتمیز اند کہ ایں قائل مجتہد ست یا تقلید وی
کند یا مجتہد نیست کہ تقلیدش نادرست
باشد ونیز اجتہاد وعدالت راکہ
در تقلید شرط کردہ اند نمی شناسند
بخلاف عامل بحدیث نبوی کہ اہل معرفت
بعلم حدیث اوقات خود کل ویل در معرفت
متن وسند وطریق حدیث وجز آں کہ تعلق
بسنن دارد صرف کردہ اند وسرہ را از
ناسرہ جدا ساختہ واعجاز طویلہ واموال
کثیرہ در سر آں باختہ واسفار بعیدہ
مشاق شدیدہ در طلب آں برخود گوارا
فرمودہ ہر متن صحیح را تا رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم متصل ساختہ اند واین عامی آں حدیث
را از ایشان شنیدہ برآں عمل نمودہ است
ومیگوید کہ این کلام خدا وکلام رسول اوست
صلی اللہ علیہ وسلم وبارک وسلم کہ علمای
عاملین ومتبعان ناصحین ومحدثین مبلغین
بمن رسانیدہ اند ومن برآں عمل میکنم
چنانکہ غیر من بقول قائل دیگر
عمل میکنند حال آنکہ ایشاں اسناد

پر عمل کرتا ہے اور اس کی سند اس عالم اور قائل
سے اس کو معلوم نہیں۔ اور اگر کسی ایک مسئلہ میں اس
کو سند معلوم بھی ہے اور ہزار سے ایک کی دلیل بتا
بھی دے تو باوثوق ذرائع کو وہ نہیں جانتا اور نہ ہی یہ
جانتا ہے کہ آیا اس قول کا قائل مجتہد ہے کہ اس کی تقلید
کی جائے یا مجتہد نہیں کہ اس کی تقلید نہ کی جائے اور نہ
ہی وہ اجتہاد اور عدالت کو سمجھتا ہے جو تقلید کے لئے
بطور شرط موجود ہیں غلبہ وعامل بالحدیث کے کہ علماء حدیث
نے اپنی تمام زندگی اول تا آخر متون حدیث اسناد
حدیث طرق حدیث کی پہچان میں صرف کر دی اور سنت
کے متعلقہ باتوں کے جاننے میں گزار دی اور باسند
حدیث کو بے سند سے جدا کر دکھائیں۔ اس مقصد کے
حصول کے لئے انہوں نے اپنی پوری زندگی اور
زر کثیر صرف کر دیں۔ لمبے لمبے سفر بڑی مصیبتیں برداشت
کیں اور ہر صحیح متن کو باسند رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم تک پہنچایا۔ اب یہ عامی مسلمان اس حدیث
کو اپنے علماء سے سن کر عمل کرتا ہے اور ان پر اعتماد
کرتا ہے کہتا ہے یہ خدا تعالیٰ اور اس کے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہو جید باعمل علماء اور
متبعین ناصحین اور محدثین مبلغین نے ہم تک پہنچایا
ہے تو میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں جیسا کہ
دیگر عوام کسی کے قول پر عمل کرتے ہیں جب
کہ علماء نے میری معمول حدیث کی سند

این حدیث کہ معمول بہ من باشد تا قائل
وی رسانیدہ تصحیحش کردہ اند بخلاف آن مسئلہ
کہ شتر بے مہار ست در ینجا شگفت از
عقلی کسی ست کہ با وجود بقاء قرآن کریم تا
روز قیامت و تیسّر احادیث رسول
رحیم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تا آخر زمان
و عدم تطرق تحریف دراں عمل بر کتاب
و سنت مرجوح و بر اقوال و آراء رجال
تقلیداً آباء و اسلاف راجح میگوید
حالانکہ زمرہ اہل حدیث بتعدیل رسول
صلعم عدول ست و شہادت وی
ظاہر بر جمیع بر محمول و ایں فضیلتی است
کہ مخصوص این گروہ باشکوہ باشد غیر را
دراں گنجائش نیست پس با وجود افضل
اتباع مفضول ہر چند جائز باشد یعنی
چہ والبحث فی ذلک علی وجہ الاستقصاء
یحتاج الی طول الکلام ولی مؤلف یشغی الادام
قد فصلنا المرام فی رسالتنا الجنۃ بالتفصیل
التام فان کان السائل مسترشداً ففی ہذا الکفایۃ وان کان متعنتاً
طاعناً علی من سار العمل باقوال الحجۃ علی العباد والمرجو شفاعتہ
فی یوم المعاد فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان
تصیبہم فتنۃ او یصیبہم عذاب الیم ہدایۃ السائل،
ای ادلۃ المسائل ......

صحیح آنحضرت تک پہنچائی ہے برعکس ان
مسائل کے کہ جو شتر بے مہار کی طرح ہیں اس
کی بنا پر عقلاء کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ ایک طرف قرآن
مجید ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور
اس پر مزید احادیث رسول ہیں۔ جو اب ہر مسئلہ
پر میسر ہیں اور آخر الزمان تک رہیں گی
جن میں کسی طرح تحریف کا شبہ نہیں اب یہ
عقلمند کتاب و سنت کو تو عمل میں مرجوح سمجھیں
اور اقوال رجال اور آراء رجال کی محض تقلید
آباء کے ملتقی نظر راجح قرار دیں تو حیف اس تحصیل
پر حالانکہ محدثین کے گروہ عادل گروہ ہیں اس کی شہادت آنحضرت
سے ملتی ہے جو ہر طبقہ محدثین کو شامل ہیں اور یہ فضیلت صرف
اس طبقہ کی شان و شوکت کے لئے ہے کسی اور
کو اس میں گنجائش نہیں (آپ انصاف کریں)
کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اتباع کیا معنی
اس موضوع پر مفصل بحث طویل کلام کی متقاضی
ہے اور ایسی تالیف کی متقاضی ہے جو پیاس بجھا دے
ہم نے اپنے رسالہ الجنۃ میں اس موضوع پر سیر حاصل
بحث کی ہے اگر سائل طالب رشد ہو تو یہ کتاب
اس کے لئے کافی ہے اور اگر اس نے عامل بالحدیث
اور عامل باقوال خیر الوریٰ پر محض طعنہ زنی کرنی ہو
تو پھر قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق یہی
کہیں گے کہ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا

قرآن حکیم کی جمع و تدوین

- وحی کا آغاز کب ہوا؟
- نزولِ وحی کے وقت کیا کیفیت ہوتی تھی؟
- جمع و تدوین کا کام کیسے ہوا؟

پروردگار عالم نے قرآنِ حکیم سید المرسلین خاتم النبیین سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ سال کی مدت میں نازل فرمایا۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق قرآن مجید وحیِ الٰہی ہے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام یہ وحی لے کر آتے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لفظ بہ لفظ صحابہ کرام کو سنا دیتے، اور کاتبانِ وحی قلم بند کر لیتے، وحی کے لغوی معنی پیغام دینے، اشارہ کرنے، دل میں کوئی بات ڈال دینے یا چھپ کر کوئی بات کہنے کے ہیں قرآن مجید میں وحی کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے، مثال کے طور پر اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓـئِهِمْ (سورۃ الانعام) اور بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں سورہ النحل میں یوں ارشاد ہوتا ہے

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو سکھایا ایک اور جگہ فرمایا۔ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس کو دودھ پلاؤ، ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف معانی کے باوجود وحی کے مفہوم میں خفیہ طور سے اطلاع دینا ایک ایسا مطلب ہے جو مشترک ہے، لیکن شرعی اصطلاع میں وحی سے مراد وہ ذریعہ غیبی ہے، جسے بروئے کار لاکر اللہ تعالیٰ کسی نبی کو اپنا علم سکھاتا ہے جس میں پیغام الٰہی اور احکام خداوندی سب کچھ شامل ہوتا ہے۔

وحی کا مفہوم سمجھنے کے بعد اب اس کی مختلف صورتوں اور قسموں کا ذکر کیا جاتا ہے پہلی صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سچے خوابوں یعنی رؤیائے صادقہ کے ذریعہ کوئی بات بتلائے۔ جس طرح خلیل اللہ کو بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا بقول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز رؤیائے صادقہ سے ہوا۔ آپ جو خواب دیکھتے، صبح کی سفیدی کی طرح سچا نکلتا، دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ بغیر نظر آئے کوئی بات دل میں ڈالدے جیسے مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام کو دعا اور توبہ پر آمادہ کرنا وغیرہ تیسری صورت یہ ہے کہ جرس کی صدا بلند ہو۔ اس بارے میں صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کبھی وحی میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے، جو میرے لئے سخت ہوتی ہے جب وحی ختم ہوتی ہے تو مجھے سب کچھ یاد ہوجاتا ہے، چوتھی صورت یہ ہے کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل یا انسانی پیکر میں ... پیغام لیکر آئے، جسطرح اکثر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا رہا، پانچویں اور آخری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ براہ راست وحی نازل فرمائے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر طور سینا پر اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ پر شب معراج میں۔

آغاز وحی

وحی کا مفہوم سمجھنے کے بعد اب نزول قرآن اور آغاز وحی پر روشنی ڈالی جائیگی، حضرت خدیجہ رضہ سے نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تنہائی اور یکسوئی سے محبت ہوگئی، چنانچہ آپ غار حرا میں جاکر کئی کئی راتیں عبادت میں گزار دیتے خورد و نوش کا سامان

آپ ہمراہ لے جاتے تھے، اور ختم ہو جانے پر دوبارہ گھر سے لے جاتے تھے اسی طرح آپ کی عبادت میں کئی برس گزر گئے، ایک روز اچانک آپ کے سامنے خدا کا فرشتہ ظاہر ہوا، اور کہنے لگا پڑھ، آپ نے فرمایا میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ سن کے فرشتہ آپ سے بغل گیر ہو گیا۔ اور زور سے اتنا دبایا کہ آپ تھک گئے، فرشتہ نے دوسری بار چھاتی سے لگا کر آپ کو اور بھی زور سے دبایا۔ اور چھوڑنے کے بعد کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ (پڑھ اپنے رب کے نام سے) یہ پہلی وحی تھی، جو آپ پر نازل ہوئی، اس وقت آپ کی عمر چالیس برس کی تھی اس وحی کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے، چونکہ زندگی میں اس قسم کا پہلا واقعہ تھا نیز امت کی تعلیم اور اسلام کی تبلیغ کا بار عظیم آپ کو سونپا جا رہا تھا، اس لئے آپ کا قلب از ہر لرز گیا، اور آپ نے حضرت خدیجہ رض سے سہمی ہوئی آواز میں کہا کہ مجھے کمبلی اوڑھا دو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کر دی۔ کچھ وقفہ کے بعد جب خوف و ہراس کم ہو گیا تو آپ نے تمام ماجرا اپنی نیک سیرت شریک حیات سے بیان کر دیا۔ اور کہا کہ مجھے جان کا خطرہ ہے، حضرت خدیجہ رضہ نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ خدا آپ کو کسی لمحہ رسوا نہیں ہونے دے گا، کیونکہ آپ اعزا و اقربا سے اچھا سلوک کرتے ہیں، محتاجوں اور بے کسوں کے کام آتے ہیں، مہمانوں کے لئے آرام و آسائش مہیا کرتے ہیں آڑے وقت میں مصیبت زدوں کی امداد کرتے اور غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اس کے بعد حضرت خدیجہ رض آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عیسائی تھے انجیل اور تورات کے جید عالم تھے، انہوں نے تمام ماجرا سننے کے بعد کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے، جو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگے کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب خدا کے اس پیغمبر کو قوم وطن سے نکال دے گی۔

اس کے بعد کچھ دنوں کے لئے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اصطلاح میں اسے فترہ وحی کہتے ہیں۔ وحی کے اچانک رک جانے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی رنج و ملال ہوا۔ قادر مطلق نے جب دوبارہ وحی بھیجی تو اپنے پیغمبر سے یوں مخاطب ہوا يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (اے کملی والے! اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔) اس کے

بعد رب کریم نے حضور کے وصال تک وحی کا سلسلہ جاری رکھا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ نبی کریم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے آپ تو وحی الٰہی سناتے ہیں، شروع شروع میں آپ نزول وحی کے موقع پر اپنے لب مبارک تیز تیز ہلایا کرتے تھے تاکہ کوئی چیز رہ نہ جائے، لیکن ذات باری کو یہ گوارا نہ تھا کہ اسکا حبیب اتنی تکلیف بھی اٹھائے، چنانچہ فرمایا آپ اپنی زبان کو قرآن سیکھنے کے لئے جلدی جلدی حرکت نہ دیں، اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارا ذمہ ہے اس فرمان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت ہوگئی کہ جب بھی حضرت جبرائیل امین آتے، آپ بالکل خاموش بیٹھ کر سنتے رہتے، اور پھر ان کے جانے کے بعد بالکل اسی طرح پڑھتے، جس طرح روح القدس سے سنتے تھے، آخری عمر میں وحی کے نزول کا سلسلہ عروج پر تھا پہلے بتایا جاچکا ہے، کہ آغاز وحی کے وقت آپؐ پر خوف وہراس اور دہشت طاری ہوگئی تھی، لیکن رفتہ رفتہ جب مانوس ہوگئے تو اشتیاق کا یہ عالم ہوا کہ وحی آنے میں ذرا دیر ہوجاتی تو آپؐ بے چین اور مضطرب ہوجاتے وحی کے نازل ہونے کا کوئی وقت یا مقام مقرر نہیں تھا، حسب ضرورت جب چاہتا اور جہاں چاہتا خدا حضرت جبرائیل امین کو حضور صلعم کی خدمت میں بھیج دیتا، البتہ ماہ رمضان میں روح القدس ہر روز حاضر ہوکر آپ سے قرآن مجید سنتے اور خود آپؐ کو سناتے تھے قرآن الحکیم کے نزول کی مدت جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے تقریباً تئیس ۲۳ برس ہے، اس میں سے پہلے بارہ سال مکہ مکرمہ میں، ہجرت سے پہلے گزرے اس وقت چونکہ اسلام نے ابتدائی منازل میں قدم رکھا تھا، اس لئے مضامین جو قرآن کریم میں نازل کئے گئے وہ بالکل سادہ اور عام موضاعات سے متعلق تھے، لیکن ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی اپنی ایک الگ ریاست قائم ہوگئی اور علیحدہ معاشرہ ظہور میں آگیا۔ تو خدائے بزرگ و برتر نے اپنی رحمت سے پورے قواعد وضوابط اور رہن سہن کے طریقے بھی وحی کے ذریعہ بھیج دیئے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی تمام سورتوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے پہلی جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، انہی مکی کہتے ہیں، دوسری جو مدینہ منورہ یا قرب وجوار میں نازل ہوئیں، انہیں مدنی کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، کہ جب بھی وحی نازل ہوتی، آپؐ لفظ بالفظ، صحابۂ کرام کو سنا دیتے کئی حاضرین اسے زبانی یاد کر لیتے انہی لوگوں کے متعلق خدا نے فرمایا۔ ہے کہ یہ قرآن روشن آیات کا مجموعہ ہے جو علم والوں کے سینوں میں محفوظ ہے ان لوگوں کے علاوہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے چند لکھنے والے بھی مقرر کر رکھے تھے، ان کو کاتبانِ وحی کے نام سے پکارا جاتا تھا، جب کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو آپ فوراً لکھوا دیتے، اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتے کہ اس کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھا جائے، لہذا ثابت ہوا کہ قرآن حکیم کی موجودہ صورت اور ترتیب خود حضور صلعم نے حکم الہٰی سے دلوائی تھی، اور اس میں کسی قسم کا کوئی ردو بدل نہیں ہوا۔ تدوین قرآن کا کام اصل میں عہدِ نبوی ہی سے شروع ہو چکا تھا، مکہ میں وحی لکھنے کا کام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا، لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا وحی کثرت سے نازل ہونے لگی، چنانچہ مدینہ منورہ میں ان کاتبانِ وحی کے علاوہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضؓ اور حضرت زبیر بن عوام کو بھی اس کام پر مامور کر دیا گیا۔ یہ لوگ تو بارگاہ نبوی کی طرف سے مقرر کئے گئے، اور ان کے علاوہ بھی کئی صحابی ایسے تھے، جنہوں نے اپنے جذبہ شوق کے تحت قرآن مجید لکھا، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ نے تو سارا قرآن مجید جمع کیا تھا، اور رات بھر پڑھتے رہتے تھے، یہ سن کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کے اندر ختم کرنے کا حکم دیا، قرآن مجید میں بھی کئی جگہ شہادت موجود ہے کہ قرآن، کتاب کی صورت میں یکجا جمع ہے، اس کے علاوہ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ مسلسل حدیثوں سے یہ بات مصمم ہے، کہ صحابۂ کرام میں سے زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، ابو زید رضؓ اور معاذ بن جبلؓ نے ہمارا قرآن الحکیم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر جمع کیا تھا اور کچھ دوسروں سے بھی سنا تھا، لیکن بعد میں اسے کتاب کی شکل میں ایک جگہ جمع کر لیا گیا تھا، قرآن میں کئی جگہ کتاب کا ذکر آیا ہے، ویسے تو شروع ہی میں سورۃ البقر میں کہہ دیا کہ اس کتاب میں کوئی شک وشبہ نہیں، لیکن سورۃ الواقعہ میں اور بھی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے" یہ قرآن عزت والا ہے محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے، اس کو پاک لوگ ہاتھ لگاتے ہیں، بہر حال یہ امر اچھی طرح

واضح ہوگیا ہے کہ تدوینِ قرآن کا کام عہدِ نبوی میں سرکاری طور پر شروع ہو چکا تھا جب خدا تعالیٰ نے دیکھا کہ اب دینِ اسلام کی تبلیغ پوری ہو چکی اور جس مشن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا گیا تھا وہ اس میں مکمل طور پر کامیاب ہو چکے ہیں، تو آپ پر آخری وحی اس طرح نازل ہوئی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (آج ہم نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا، اس کے بعد وحی کا سلسلہ ختم ہوگیا کچھ عرصہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بھی ہوگیا، آپ کے وصال کے بعد عہد خلفائے راشدین کا آغاز ہوتا ہے۔

خلفائے راشدین کے ابتدائی دور میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خلافت سنبھالی تو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کے بعد قرآن مجید کی حفاظت کا مسئلہ وقت طلب ہوگیا، جنگ یمامہ میں حفاظِ قرآن کی اکثریت شہید ہوگئی، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضؓ کی دور رس نگاہوں نے فوراً بھانپ لیا کہ اگر دوسرے معرکوں میں اسی طرح کثرت سے حفاظ شہید ہونے لگے، تو قرآن مجید کی حفاظت مخدوش ہو جائے گی، انہوں نے حضرت ابوبکر رضؓ کے سامنے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا۔ حضرت صدیق رضؓ نے بحث و تمحیص کے بعد حضرت زید بن ثابت رضؓ کو بلا کر ہدایت کر دی کہ ان حالات کے پیشِ نظر قرآن مجید کی حفاظت کا انتظام کیا جائے، یہ بات تو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ پورے کا پورا قرآن مجید آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا ہوا موجود تھا لیکن وقت یہ تھی کہ مختلف چیزوں پر مختلف حصے لکھے ہوئے تھے کھجور کی چھال بڑی بڑی ہڈیوں اور پتھر کے ٹکڑوں پر لکھنے کے بعد اب یہ خطرہ تھا کہ اگر سارے حفاظ شہید ہوگئے، تو پھر ترتیب و تدوین میں ردّ و بدل کا جائزہ لینے والا کوئی نہ ہوگا، لہٰذا یہ ضروری ہوگیا کہ حفاظ کی امداد سے مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے قرآن مجید کو عہدِ نبوی کی ترتیب کے مطابق یکجا کر دیا جائے، تاکہ ردّ و بدل کا امکان ہی باقی نہ رہے، اور یہی کام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ وقت کے حکم سے سرانجام دیا، مختلف ٹکڑوں پر لکھے ہوئے قرآن مجید کا حفاظ کے حافظ سے مقابلہ کر کے از سرِ نو اکٹھا کر دیا اور ترتیب وہی رکھی جو عہدِ نبوی میں تھی، یہ پہلا قرآن مجید تھا جو اوراق پر کتابی شکل میں لکھا گیا۔ یہ نسخۂ قرآن خلیفۂ وقت حضرت

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس رکھ دیا گیا، ان کے بعد اسے حضرت عمر فاروق رضؓ کی تحویل میں دے دیا گیا، اور ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حفاظت میں حضرت عمر نے اپنے دور میں قرآن کریم کے کئی نسخے ملک کے اندر تقسیم کرائے، کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد مصر و شام اور عراق و یمن کے ملکوں میں تقریباً ایک لاکھ افراد کے پاس قرآن مجید کے نسخے موجود تھے، حضرت عثمان کا دور آیا تو حفاظت قرآن کی ضرورت اہمیت اختیار کر گئی کیونکہ حضرت حذیفہ بن یمان جب خلیفہ کے حکم سے آذربائی جان کے صوبہ پر بحیثیت سپہ سالار حملہ کر رہے تھے، تو انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں میں قرآن مجید تلاوت کرنے کے مختلف طریقے رائج ہیں، انہوں نے واپسی پر اپنے مشیر سعید بن عاص سے بات چیت کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ہر علاقہ کے لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم نے فلاں سے قرآن مجید پڑھنا سیکھا ہے، لہٰذا ہماری قرأت دوسروں سے بہتر ہے چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان کو تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے مشورہ دیا، کہ بروقت معاملہ پر قابو پا لیا جائے ورنہ علاقائی اختلافات زور پکڑنے کے بعد ہمیشہ کے لئے معاملہ بگڑ جائے گا، اور اس کا صرف یہی حل ہے کہ سرکاری نسخہ شائع کر دیا جائے۔ بات واقعی قابلِ غور تھی اسلئے حضرت عثمان نے تمام صحابہ کا اجلاس طلب کیا اور حالات سے آگاہ کیا، فیصلہ یہی ٹھہرا کہ سرکاری نسخہ کی اشاعت ناگزیر ہے۔

اس کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ رضؓ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ والا نسخہ منگوایا گیا، جس کی کئی نقلیں پورے عالم اسلامی میں تقسیم کر دی گئیں، نقل نویسی کے کام کے لئے جس کمیٹی کی تشکیل کی گئی اس کے انچارج حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر ہوئے باقی ممبران میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سعید بن عاص رضؓ اور عبدالرحمٰن بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے، اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ اختلافی رسم الخط ختم کر دیئے گئے اور قرآن مجید کو قریش کے رسم الخط میں رقم کیا گیا ہے۔

اس مرحلہ پر پہنچ کر دو چیزوں کی وضاحت ضروری ہو جاتی ہے، اوّل یہ کہ حفاظت قرآن کمیٹی کا انچارج حضرت زید بن ثابت رضؓ کو کیوں مقرر کیا گیا۔

دوئم اختلاف قرآت کا مسئلہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ وہ نوجوان سمجھدار اور دانا تھے، اس کے علاوہ چونکہ حضور صلعم کے زمانہ میں قرآن مجید لکھا کرتے تھے، لہذا خلیفہ وقت کو ان پر اعتماد تھا، کہ پوری محنت اور تحقیق کے بعد یہ کام سرانجام دیں گے، امام قرطبی کی رائے میں حضرت زید بن ثابت رضؓ کو دوسرے اکابر صحابہ کی نسبت زیادہ قرآن یاد تھا۔ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں سارا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا، ان کے انتخاب کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید جب حضرت جبریل امین علا کے سامنے رکھا گیا، تو وہ خود بھی موجود تھے، نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل امین ؑ کے ساتھ دورۂ قرآن میں شریک تھے یہ وہ شرف تھا جو کسی دوسرے صحابی کے حصّہ میں نہیں آیا تھا۔

اسی امتیاز کے پیش نظر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا انتخاب کیا تھا، ظاہر ہے کہ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں حفاظت قرآن کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کے کسی حصّہ کے تلف ہونے کا امکان نہ رہے۔

الارشاد جدید جنوری ۱۹۶۵ء

للہ الحمد والمنۃ کہ رسالہ نافعہ

موسومہ بہ

ذخائر المواریث

فی الدلالۃ علی ثبوت

از افادات

مولانا الحاج مولوی ابوالقاسم محمد خان صاحب سیف محمدی بنارسی مرحوم

فہرست جمع القرآن والحدیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی اورثنا علم النبی وجعلہ لنا احسن المواریث ؛ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد الذی اوتی جوامع الکلم وخیر الاحادیث ؛ وعلی اٰلہ واصحابہ الذین ورثوا العلم وصاروا بہ ملاویث ؛ وعلی اتباعھم الذین اشاعوا سنن نبیھم وقمعوا اھل البدع کالبراغیث ؛ اَمَّا بَعْدُ پہلی اُمتیں جو آسمانی کتابوں کی وارث بنی تھیں، وہی اُن کتابوں کی محافظ بھی مقرر کی گئی تھیں، جیسا کہ قرآن کی سورۂ مائدہ میں بیان ہوا ہے اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ وَکَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ (وہی لوگ کتاب اللہ کے محافظ بنائے گئے اور وہی لوگ اس کے کتابِ خدا ہونے پر شاہد تھے) لیکن اُن لوگوں نے نفسانی خواہشوں اور دُنیا کی لالچوں میں پھنس کر اُن کتابوں کو پس پُشت ڈال دیا تھا جیسا کہ سورۂ آل عمران (آیت نمبر ۱۸۷) میں فرمایا فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًاط (انہوں نے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا اور اُس کے عوض دُنیا کی متاعِ قلیل لے بیٹھے) یہی نہیں بلکہ اس کتاب میں من مانی تحریف بھی کرنی شروع کر دی تھی جیسا کہ سورۂ مائدہ (آیت نمبر ۱۳) میں ارشاد ہُوا ہے، یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ (کلمات کو اس کی جگہ سے بدلتے اور جن امور کی نصیحت کیے گئے تھے اُس کا بڑا حصہ بھلا بیٹھے تھے) اس لئے اللہ تعالےٰ نے آخر میں ایسی ایک کتاب نازل فرمائی جس کی حفاظت کا بار بجائے اسکے کہ کسی انسان کے کاندھوں پر ڈالا جاتا خود اپنے ذمہ لے لیا اور سورۂ حجر (آیت ۹) میں فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (بے شک ہم ہی نے اس نصیحت نامہ کو بھیجا ہے اور ہم ہی اِس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں) پس جب قرآن مجید کا محافظ وہ خود ہُوا تو اُسی کو اس کا جامع بھی ہونا چاہیئے تھا، چنانچہ اُس نے اس کا بھی ذمہ لیا اور سورۂ قیامۃ (آیت ۱۷) میں اعلان فرما دیا اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ (بیشک ہمارے ہی ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور ترتیب دینا) سبحان اللہ جل جلالہٗ ؛

مسلمان مصنفین اور واعظین نے چونکہ ان امور پر غور نہیں فرمایا اس لئے اُن کے قلم اور زبان، سے بکثرت یہ جملہ شائع ہو کر مشہور ہو گیا کہ "قرآن مجید کے جمع کرنیوالے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔" (حالانکہ وہ محض ناقل، اور ملکوں میں اسکو پھیلانے والے تھے) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین اسلام کو ایک سند ہاتھ آئی اور اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی، عیسائی حضرات نے اس میں سب سے سبقت کی، انہوں نے دیکھا کہ خود تو ہم اصلی صحیفۂ ربانیہ کھو چکے ہیں، لاؤ مسلمان کی الہامی کتاب قرآن کو بھی ہم غیر اصلی کہنا شروع کر دیں، چنانچہ اُن کے پادریوں اور مصنفوں نے شور مچانا شروع کیا کہ قرآن مجید ناقص ہے، یہ انسانوں کا جمع کیا ہوا ہے لہٰذا یہ بھی غیر معتبر ہے اور ثبوت میں حضرت عثمان رض کے جامع قرآن ہونے کا حوالہ پیش کیا، چنانچہ زمانۂ حال کا مشہور عیسائی مصنف پادری اکبر مسیح، اپنی کتاب تاویل القرآن کے تیسرے باب ص۷ میں تاریخ قرآن پر ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے،

> موجودہ قرآن خلیفۂ ثالث حضرت عثمان (رض) کا مرتب کیا ہوا ہے جو کہ اُس قرآن کا کچھ تھوڑا سا حصہ ہے جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر اُترا تھا، قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ ساقط ہو گیا اور جو بچ گیا وہ بدنظمی سے مرتب ہوا۔

اسلام کی نئی بدِّ مقابل سوسائٹی جو آریہ سماج کے نام سے مشہور ہوئی اس نے بھی عیسائیوں کی پوری کاسہ لیسی کی، چنانچہ آگرہ کے اخبار "آریہ مسافر" میں پنڈت بھوجدت آنجہانی اڈیٹر نے ایک طویل مضمون لکھا تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ،

> قرآن الہامی کتاب نہیں ہے بلکہ وہ انسانی دماغ کا نتیجہ ہے اور صحابہ کی مرتب کی ہوئی کتاب ہے،

اس لئے میں نے مارچ ۱۹۲۲ء میں ایک مضمون جمع قرآن سے متعلق لکھ کر اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۱۹ کے نمبر ۱۸-۱۹-۲۰ میں شائع کرایا اور آخر میں وعدہ کیا کہ اسی چیز کو تفصیل سے رسالہ کی صورت میں شائع کروں گا۔

خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اپنے وعدہ کو پورا کرنے کی توفیق بخشی اور مجھے احباب میں سرخرو کیا، میں نے اس کتاب کو دو بابوں میں منقسم کیا ہے، باب اوّل جو تین فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے اس میں بدلائلِ واضح ثابت کر دیا گیا ہے کہ موجودہ قرآن مجید اسی ترتیب

کے ساتھ عہد نبوی میں جمع کیا جا چکا تھا، دوسرے باب میں اس امر کا ثبوت ہے کہ احادیث نبویہ آخری زمانۂ رسالت اور عہدِ صحابہ میں کتابی صورت میں جمع کی جا چکی تھیں نہ کہ دوسری صدی ہجری میں مدون ہوئیں جیسا کہ مشہور رہے۔ والآن اشرع فی المقصود۔ متوکلا علی واھب الخیر والجود:

راقم آثم

محمد ابو القاسم

ماہ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

پہلا باب

جو قرآن مجید اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کی معرفت اپنے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ اور اسی ترتیب پر ہے جس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد سعادت میں لکھوایا، صحابۂ کرام کو یاد کرایا، اور خود پڑھا، نہ اسکے کلمات میں کمی بیشی ہوئی، نہ اس کی ترتیب میں تبدیلی ہوئی، اس دعوے کی دلیلیں ذیل کی فصلوں میں ملاحظہ ہوں۔

فصل اوّل

جامع قرآن، خدائے رحمٰن ہے،

دلائلِ قرآنیہ

دلیل اوّل:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (القیمۃ ۷۵:۱۷) اس آیت میں تاکید جملہ کے لئے اِنَّ اور حصر کے لئے عَلَيْنَا مقدم کیا گیا ہے، مطلب یہ ہوا کہ جمع قرآن صرف ہمارا ہی کام ہے اور ہم اسے ضرور ضرور کریں گے، جمع کی صورتیں دو اور صرف دو ہی ہیں:۔

(۱)۔ جمع صدر یعنی سینوں میں محفوظ ہونا۔

(۲)۔ جمع مکتوبی یعنی تحریر کی صورت میں جمع ہونا۔

اوّلؔ یعنی جمع صدر کی بابت ارشاد ہے، بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (عنکبوت ۲۹:۲۶) یعنی یہ کتاب روشن آیات کا مجموعہ ہے جو علم والوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔

دومؔ:۔ یعنی جمع مکتوبی (جو ہمارا مضمون ہے اس) کی بابت آیات ذیل ملاحظہ ہوں،

مکی آیات (۱) سورۂ طور میں ارشاد ہے وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (۲،۲) یعنی یہ

کتاب (قرآن جس کو جمع مکتوبی کے لحاظ سے "کتاب"، فرمایا) کشادہ اوراق میں لکھی ہے، عربی زبان میں رق پتلے چمڑے کو کہتے ہیں جس پر اگلے زمانہ میں کتابیں لکھی جاتی تھیں، صراح میں ہے رق بالفتح، پوست آہو کہ بروے نویسند"۔ قاموس میں ہے رق جلد رقیق یکتب علیہ (باریک کھال جس پر لکھا جاتا ہے) اس کی تائید عمارۃ بن غزیہ کی روایت قطع الادیم سے ہوتی ہے جو فتح الباری میں ہے انما کان فی الادیم اولا قبل ان یجمع فی عہد ابی بکر رضی اللہ عنہ (پ ۲۰ ص ۲۲۳) یعنی عہد ابی بکر رض کے جمع سے پیشتر قرآن مجید پہلے قطعات ادیم یعنی چمڑہ پر لکھا جاتا تھا۔

(۲) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (واقعہ: ۷۷-۷۹) یعنی یہ قرآن عزت والا ہے، محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے اس کو پاک لوگ (صحابہ کاتبان وحی لکھنے کے وقت) چھوتے ہیں، اس آیت میں کاتبین قرآن کی طہارت اور صفائی کا بیان ہوا ہے، جس سے حفاظت کے لئے احتیاط کا بیان کرنا مقصود ہے، اس کی تفصیل تیسری آیت میں ملاحظہ ہو۔

(۳) فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ۔ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ۔ كِرَامٍ بَرَرَةٍ (عبس ۱۳-۱۶) یعنی یہ قرآن عزت والے بلند قدر، پاکیزہ صحیفوں میں، بزرگ اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھا ہے، اس آیت میں قرآن کے لکھنے والے صحابہ کی نیکی اور بزرگی نیز ان کا عمل واعتقاد دونوں میں درست ہونا بیان ہوا ہے جس کی وجہ سے کمی بیشی کا شبہ اور خیانت کا احتمال پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

(۴) بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بروج، ۲۱، ۲۲) یعنی یہ بزرگ قرآن (لکھا جاتا ہے) تختہ استخوان میں جو حفاظت سے رکھا جاتا ہے، لوح کہتے ہیں کاندھے کی چوڑی ہڈی کو۔ صراح میں ہے لوح کتف وہر چہ پہن باشد از استخوان وچوب و تختہ، یعنی لوح کہتے ہیں کتف کو اور ہڈی، لکڑی، تختہ سے جو چوڑے ہوں، کتف کی بابت مجمع البحار میں ہے ھو عظم عریض فی اصل الحیوان کانوا یکتبون فیہ لقلۃ القراطیس عندھم یعنی چوڑی ہڈی جس پر لوگ کاغذ کی کمی کی وجہ سے لکھا کرتے تھے (کاغذ کا رواج حجاز میں خلیفہ اول کے وقت سے ہوا ہے اور سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضنے پورے قرآن مجید کو کاغذوں پر لکھوایا ہے جیسا کہ موطا میں ہے جمع ابوبکر القرآن فی قراطیس (دیکھو فتح الباری ص ۲۲۳ پ ۲۰) لوح وکتف کے بارے میں صحیح بخاری میں آیا ہے کہ جب آیت لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ

اَلْآیۃ نازل ہوئی تو آں حضرت (ص) نے فرمایا اُدْعُ لِی زَیْدًا وَلْیَجِیْئْ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاۃِ وَالْکَتِفِ (باب کاتب النبی پ ۲۰) یعنی زید کو بلاؤ (اور کہو وہ کر قلم) اور دوات اور شانہ کی ہڈی لے کر حاضر ہو۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید لوح یعنی چوڑی ہڈیوں پر لکھا جاتا تھا، پھر بحفاظت رکھ دیا جاتا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۔

یہاں تک مکی آیتوں کا ذکر تھا، جن سے مکہ معظمہ میں قرآن مجید کی کتابت بحفاظت کا حال معلوم ہوا اور اس کا اقرار کفارِ مکہ کو بھی تھا کہ محمد (ص) قرآن لکھوایا کرتے ہیں جیسا کہ مکی سورت، سورہ فرقان (آیت ۵) میں اکْتَتَبَهَا صاف موجود ہے مفصل تیسری دلیل میں ملاحظہ ہو، علاوہ ازیں مکہ میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی وجہ تمام کتب تاریخ وسیر وکتب احوالِ صحابہؓ میں مرقوم ہے کہ وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر گئے اور اُن کو لکھا ہوا قرآن پڑھتے ہوئے پایا آخر میں کہنے لگے ۔ اَعْطُوْنِیَ الْکِتٰبَ الَّذِیْ عِنْدَکُمْ فَاَقْرَأُہٗ (دار قطنی ص۴۵) یعنی یہ لکھا ہوا قرآن جو تمہارے پاس ہے ذرا مجھے دینا میں بھی اُسے پڑھوں۔ معلوم ہوا کہ مکہ سے ہی صحابہ میں قرآن لکھنے کا رواج ہو گیا تھا یہ واقعہ ایسا مشہور ہے کہ سر ولیم میور (انگریز) نے بھی اپنی کتاب لائف آف محمد جلد اول ص۵ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ”جب اُس زمانہ میں قرآن کی نقلیں لکھ لی جاتی تھیں تو پیغمبر اسلام کے قوت پانے کے بعد قرآن کے نسخے بکثرت بڑھ گئے ہوں گے،

مدنی آیات :- اب بعض مدنی آیتیں ملاحظہ ہوں جن میں قرآن کے مکتوب ہونیکا بہت زیادہ ذکر ہے،

(۵) رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَۃً (بَیِّنَۃ۔۲) یعنی اللہ کے رسول نوشتہ پاک کی تلاوت فرماتے ہیں، اس آیت کی تفسیر فتح الباری میں یوں مرقوم ہے ، قَدْ اَعْلَمَ اللّٰہُ فِی الْقُرْاٰنِ بِاَنَّہٗ مَجْمُوْعٌ فِی الصُّحُفِ فِیْ قَوْلِہٖ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً اَلْاٰیَۃ وَکَانَ الْقُرْاٰنُ مَکْتُوْبًا فِی الصُّحُفِ (پ۲۰ ص۲۲) یعنی اللہ نے آیت مذکورہ میں خبر دی ہے کہ قرآن مجید صحیفوں میں مکتوب و مجموع ہے،

(۶) سارے قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر اس کتاب کا نام اَلْکِتٰب (یعنی مکتوب) آیا ہے شروع میں ہی ہے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ (بقرہ: ۲) اس کتاب میں شک کا دخل نہیں، ہے،

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق دونوں مذکورہ صورتوں (جمع صدر جمع مکتوبی) کے ذریعہ
سے قرآن کو زمانہ نبوت ہی میں جمع کرا دیا تھا اور ان دونوں صورتوں کو باہم اس لئے مقرر فرمایا کہ بسا
اوقات کتابت میں غلطی ہو جاتی ہے تو اسکی اصلاح ضبط صدر (حافظہ) سے ہو جائے گی اور حافظہ میں
نسیان یا بھول واقع ہو تو ضبط کتاب سے غلطی رفع ہو جائے گی، اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
حفاظت قرآن کے لئے ہر دو امور (ضبط صدر و ضبط مکتوبی) کا بہت خیال رکھتے تھے، صحابہ کرام
کو یاد بھی کرا دیتے (چنانچہ حدیث بئر معونہ میں جو ستر قراء شہید ہوئے ان قراء کی بابت فتح الباری
میں ہے اَلَّذِیْنَ اشْتَہَرُوْا بِحِفْظِ الْقُرْاٰنِ (پ) یعنی یہ ستر صحابہ، قرآن کے مشہور حافظوں میں سے
تھے) اسی طرح اُن کو لکھوا بھی دیتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث زید کو لکھنے کے لئے
بلانے کی اوپر گزری اور آئندہ بھی مذکور ہوں گی انشاء اللہ۔

دوسری دلیل

سورۂ فرقان (آیت ۳۲) میں فرمایا وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْہِ الْقُرْاٰنُ
جُمْلَۃً وَّاحِدَۃً۔ ج یعنی کافروں نے کہا کہ سارا قرآن محمد (ص) پر
ایک ہی بار کیوں نہ اُتار اگیا؟ اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تھوڑا تھوڑا اُتارنے
کی دو وجہیں بیان فرمائیں کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلًا (۲۵: ۳۲) اوّل تثبیت
فواد یعنی ضبط صدر اور دوم ترتیل یعنی ضبط کتابی، ترتیل لغت میں ہم جنس اشیاء کو عمدہ طور پر با ترتیب
رکھنے کو کہتے ہیں قاموس میں ہے الرتل حسن تناسق الشئی، اساس البلاغت میں ترتیل کے
معنے حسن تالیف بھی مذکور ہیں، اور حسن تالیف کی ایک صورت یہ ہے کہ جن کلمات سے کلام مرکب
ہو، ان کو مضمون نویسی میں مناسب موقع پر رکھا جائے اور یہی ضبط کتابی ہے،

ترتیب آیات کہ آیت مذکورہ سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ جمع صدر اور جمع مکتوبی ہر دو میں
آیات کی ترتیب بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمائی ہوئی ہے، اس کا بیان اس طور پر ہے کہ آیتوں کا نزول
حسب ضرورت ہوا کرتا، لیکن جمع کی ترتیب (جس کا ذکر اس حدیث میں ہے کَانَ النَّبِیُّ مِمَّا تَنَزَّلَ
عَلَیْہِ الْاٰیَاتُ فَیَدْعُوْا بَعْضَ مَنْ یَکْتُبُ لَہٗ وَیَقُوْلُ لَہٗ ضَعْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ فِی السُّوْرَۃِ الَّتِیْ
یُذْکَرُ فِیْہَا کَذَا وَکَذَا (رواہ ابوداود) یعنی آپ پر جب آیتیں اُترتیں تو کاتب کو بلا کر
فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھو۔ یہ ترتیب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے القاء ہوتی،

جیساکہ سورہ نجم (آیت ۳،۴) میں فرمایا وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ یعنی دین سے متعلق جو کچھ آپ فرمائیں وہ سب وحی خدا ہوتا ہے آپ کی خواہش کو اس میں دخل نہیں ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ الآیہ نازل ہوئی فقال جبریل للنبی ضعہا علی رأس مائتین وثمانین من سورۃ البقرۃ (خازن ص۲۰۷ ج۱) تو جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اس آیت کو سورہ بقرہ کی دو سو اسی آیت کے بعد لکھوایئے گا موجودہ قرآن میں اس آیت کا نمبر ۲۸۱ ہے، معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت نمبروار اور ترتیب سے ہے نیز یہ ترتیب توفیقی یعنی من جانب اللہ ہے علاوہ ازیں سنن ابی داؤد میں آیا ہے کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورۃ حتی تنزل بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی جب تک بسم اللہ نہ اترتی آپ کو سورۃ پوری ہو جانے کا علم نہیں ہوتا تھا (مشکوۃ ص۱۸۵) اس روایت سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) ہر سورۃ کی بسم اللہ منزل من اللہ اور آیت قرآنی نیز اس سورۃ کا جزء ہے،

(۲) جب کہ بسم اللہ ایک سورۃ کی انتہا اور دوسری سورۃ کی ابتدا کی علامت ہے، تو جب تک ہر سورۃ کی آیتیں شروع سے آخر تک کسی خاص ترتیب میں مرتب نہ ہوں۔ کسی خاص سورۃ کے خاتمہ کا علم نہیں ہو سکتا۔

(۳) سورتوں کا فصل، وحی ربانی سے ہے، اجتہادی نہیں ہے۔

حاصل کلام: یہ کہ ترتیبِ آیات کا مسئلہ خود قرآن سے ثابت ہے قرآن خود شہادت دیتا ہے کہ وہ زمانہ نزول میں لکھا جاتا رہا ہے، اور روایت بالا سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت (ص) قرآن کو خود بڑے اہتمام سے لکھواتے تھے، اتقان میں ہے کتابۃ القرآن لیست بمحدثۃ فانہ (ص) کان یأمر بکتابتہ (نوع ۱۸) یعنی قرآن کا لکھنا کوئی نئی بات نہیں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے خود اپنے حکم سے لکھوایا تھا۔

تیسری دلیل

کفار (مخالفینِ اسلام) کو بھی اس بات کا اقرار تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن لکھواتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ان کا مقولہ منقول ہے وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (فرقان ۲۵: ۵) یعنی کافر کہتے ہیں کہ یہ

قصے ہیں پہلوں کے جن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے پس یہ لکھ کر سنائے جاتے ہیں آپ کو ہر صبح و شام، طبرانی اوسط میں ہے حضرت زید کاتب وحی فرماتے ہیں فَاِذَا فَرَغْتُ قَالَ اِقْرَءْهُ فَاَقْرَءُهٗ فَاِنْ کَانَ فِیْہِ سَقْطٌ اَقَامَہٗ (مجمع الزوائد ص۱۵۲ ج۱) یعنی میں جب لکھ چکتا تو آپ فرماتے کہ اسے سناؤ۔ میں پڑھتا، اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی تو آپ اس کی اصلاح کرا دیتے، پس دیکھو قرآن مجید کے لکھے جانے کی بابت کافروں نے جو کہا تھا وہ واقعہ کے کس قدر مطابق تھا۔

چوتھی دلیل قرآن مجید میں کسی آیت یا سورۃ کا جو حوالہ دیا جاتا ہے وہ بھی موجودہ جمع و ترتیب کو من جانب اللہ ثابت کرتا ہے چنانچہ سورۂ ہود میں فرمایا۔

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِہٖ مُفْتَرَیٰتٍ (آیت ۱۳) یعنی لے آؤ دس سورتیں اسکے مثل گھڑ کر۔ یہ حکم سورہ ہود میں دیا گیا ہے جو گیارہویں سورۂ ہے اس سے پیشتر واقعی دس ہی سورتیں ہیں اسی طرح سورۂ نساء میں فرمایا وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ (آیت ۱۲۷) اس آیت میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ علیٰ اختلاف الاقوال آیت میراث یا وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ (آیت ۲) وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی (آیت ۳) ہے اور یہ سب آیتیں اسی سورۂ کی ہیں، اور پہلے واقع ہیں، علےٰ ہذا القیاس سورۃ حج میں فرمایا وَاُحِلَّتْ لَکُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ آیت ۳۰) اس آیت میں جن حرام جانوروں کی آیتوں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سب اس سورۃ سے پہلے کی سورتوں میں واقع ہیں یعنی سورۂ بقرہ، سورہ مائدہ، سورۂ انعام اور سورۂ نحل، اس کے بعد کسی سورۃ میں تا آخر قرآن نہیں ہیں، اسی حسن ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجید کو "کلام موصول" بھی فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے، وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَھُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ (قصص ع۵۱۔ فتذکر۔

فصل دوم

دلائل از احادیث

دلیل اوّل:۔ جو قرآن مجید ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بلحاظ کلمات و ترتیب وہی ہے، جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حفظ تھا، صحابہ کو حفظ کرایا تھا اور اپنی زندگی میں لکھوایا تھا،

نیز بطور ورد و وظیفہ کے اسی کی تلاوت کرتے تھے، اس دعویٰ کی دلیلیں نمبر وار ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مسند احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ کی روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم، وفد بنی ثقیف کے پاس شب کو جا کر ان کو قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتے تھے، ایک شب کو آپ معمول کے خلاف دیر کر کے تشریف لائے تو آپ سے دریافت کیا گیا وجہ تاخیر کیا ہے آپ نے فرمایا اِنَّہٗ طرء علیّ جزئی من القرآن فکرھت ان اجیئ حتی اتمہ قال اوس سألت اصحابہ کیف تحزبون القرآن قالوا ثلاث وخمس وسبع وتسع واحدی عشرۃ وثلاث عشرۃ وحزب المفصل وحدہٗ (ابو داؤد باب تحزیب القرآن) یعنی کچھ منزل قرآن مجید کی پڑھنے سے رہ گئی تھی تو مجھے پسند نہ آیا کہ اسے ناتمام چھوڑ کر آؤں، اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی راوی حدیث) کہتے ہیں کہ میں نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے اصحاب سے پوچھا کہ آپ لوگ قرآن کی منزلیں کیسے پڑھا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہماری منزلیں یہ ہیں، تین سورتیں فاتحہ سے مائدہ تک، گویا چار سورتیں ہوتی ہیں، لیکن اس میں سورۂ فاتحہ کا ذکر استغناءً نہیں کیا ہے اس لئے کہ وہ اُمّ القرآن، (مستقل قرآن) ہے، اور مشہور ہے، پانچ سورتیں (مائدہ سے یونس تک) سات سورتیں (یونس سے بنی اسرائیل تک) نو سورتیں (بنی اسرائیل سے شعراء تک) گیارہ سورتیں (شعراء سے والصّافات تک) تیرہ سورتیں (والصّافات سے سورۂ قاف تک) اور مفصل سورتیں (قاف سے آخر قرآن تک ۶۵ سورتیں جو مفصّل کہلاتی ہیں)، سب کی سب ایک دفعہ، انتہٰی، (دیکھو کتاب المعتصر) اس روایت سے قرآن پاک کی سات منزلیں ثابت ہوئیں جو فمی بشوق کے نام سے مشہور ہیں اور موجودہ قرآن میں اُسی طرح ہیں جس طرح صحابۂ کرام عہد نبوی میں قرآن مجید کی منزلیں رکھتے اور پڑھتے تھے، کیونکہ راوی حدیث اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خود صحابی ہیں اور ثقیف کے اس وفد کے ایک فرد ہیں جو طائف سے مدینہ رمضان ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے بعد آیا تھا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم روزانہ شب کے وقت ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے، چند دنوں کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے پھر عہد نبوی میں دوبارہ مدینہ نہ آسکے لہٰذا اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی زمانہ میں اُن صحابیوں سے منازلِ قرآنیہ کو پوچھ لیا تھا، جن کو صحبت پیغمبر علیہ السلام میں کئی سال گزر چکے تھے، نیز اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی التزاماً قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور اسی کے آپ مامور بھی تھے قَالَ اللّٰہُ:۔ اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ (پ۲۱) اور چونکہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے اس لئے جب تک کسی خاص ترتیب سے حفظ نہ کریں تلاوت مشکل ہے اسی واسطے مولینا بحرالعلوم شرح مسلّم میں لکھتے ہیں ظَهَرَ مِنْ هٰذَا اِنَّ التَّرْتِیْبَ الَّذِیْ یُقْرَءُ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ ثَابِتٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (مطبوع مصر ص۱۰ ج۲) یعنی جس ترتیب سے آج قرآن مجید، پڑھا جاتا ہے وہ وہی ہے جس ترتیب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تلاوت کیا کرتے تھے،

۲۔ قرآن مجید کا ایک خاص ترتیب میں ہونا صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے یُعْرَضُ الْقُرْاٰنُ عَلَی النَّبِیِّ کُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَیْهِ مَرَّتَیْنِ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ (پ۲۰) یعنی ہر سال آپ پر ایک بار قرآن سنایا جاتا اور وفات کے سال دو بار سنایا گیا، ظاہر ہے کہ دور میں جب تک کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہ ہو کسی کتاب کے (جس کے اجزاء متعدد اور مضامین مختلف ہوں) کامل ختم کرنے میں سخت دشواری ہوتی ہے، پس وہ ترتیب وہی ہے جو ابوداؤد کی روایت بالا میں بیان ہوئی اور وہی اس وقت کی بھی موجودہ ترتیب ہے چنانچہ مسند احمد میں بطریق عبیدہ سلمانی مروی ہے اِنَّ الَّذِیْ جَمَعَ عَلَیْهِ عُثْمَانُ النَّاسَ یُوَافِقُ الْعَرْضَةَ الْاَخِیْرَةَ (فتح الباری ص۴۸ پ۲۰) یعنی حضرت عثمان رضؓ نے جس ایک قراۃ پر تمام لوگوں کو اکٹھا کیا وہ قراۃ اس قرآن کے موافق ہے، جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر آخری بار پیش کیا گیا تھا، حافظ ابن کثیر نے بھی کتاب فضائل قرآن میں اسی طرح لکھا ہے (ص۹۲ مطبوع مصر) وجہ اس کی یہ ہے کہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ثابت (جنہوں نے عہد نبوی میں از خود قرآن کو جمع کیا تھا کما سیجیئی اور عہد صدیقی میں بفرمائش حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحیفہ میں نقل کیا تھا، پھر عہد عثمانی میں بھی انہیں زید نے اس صحیفہ کی متعدد نقلیں کی تھیں) وہ خود اس عرضہ اخیرہ کے وقت حاضر تھے جیسا کہ قسطلانی شرح بخاری میں ہے، کَانَ زَیْدٌ شَهِدَ الْعَرْضَةَ الْاَخِیْرَةَ وَکَانَ یُقْرِئُ النَّاسَ بِهَا حَتّٰی مَاتَ وَلِذٰلِكَ اعْتَمَدَهُ الصِّدِّیْقُ فِیْ جَمْعِهٖ وَوَلَّاهُ عُثْمَانُ کِتَابَةَ الْمَصَاحِفِ (مطبوع مصر ص۲۴۳ ج۷) یعنی زید بن ثابت پچھلے دور (مابین جبریل امین و نبی کریم) میں حاضر و شریک تھے اور اپنی موت تک اسی کے مطابق لوگوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے، اسی لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے انہیں کو جمع قرآن کی خدمت سپرد کی تھی اور حضرت عثمان رضؓ

ے بھی انہی سے قرآن کی کئی نقلیں کرائی تھیں، لطف یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ محض عرضۂ اخیرہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریلؑ کے دور کو ہی سنا بلکہ اپنا لکھا اور جمع کردہ قرآن بھی اسی وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور اس کا مقابلہ بھی کرتے گئے تھے، جیسا کہ کتاب المعارف لابن قتیبہ میں ہے:۔ كَانَ زَيْدٌ اٰخَرَ عَرْضِ النَّبِيِّ الْقُرْاٰنَ مُصْحَفُهٗ وَهُوَ اَقْرَبُ الْمَصَاحِفِ مِنْ مُصْحَفِنَا وَكَتَبَ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (مطبوعہ مصر ص۸۰) یعنی زید نے عرضۂ اخیرہ میں اپنا لکھا ہوا قرآن آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا اور سنایا، وہ قرآن ہمارے موجودہ قرآن جیسا تھا، اور انہی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے (کہنے سے عہد صدیقی میں خلیفہ کے) لئے قرآن لکھا تھا، یا حضرت عمر رضہ کے لئے خاص ایک نسخہ لکھا تھا (فتح الباری ص۲۲۳ پ۲۰)۔

(۳) مسند احمد اور سنن نسائی میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے قَالَ جَمَعْتُ الْقُرْاٰنَ فَقَرَأْتُ بِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ فَبَلَغَ النَّبِيَّ فَقَالَ اِقْرَأْهُ فِيْ شَهْرٍ ۔۔۔ (مسند احمد ص۱۶۳ ج۲) اسنادہ صحیح (فتح الباری ص۲۴۲ پ۲۰) حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عہد نبوی میں سارا قرآن جمع کیا تھا اور ہر رات کو سب پڑھ ڈالتا تھا، یہ خبر جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ایک ماہ میں ختم کرنے کا حکم دیا قَالَ اِنِّیْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ اِقْرَأْهُ فِيْ عِشْرِيْنَ قَالَ اِنِّیْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ اِقْرَأْهُ فِيْ خَمْسَ عَشَرَةَ قَالَ اِنِّیْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ اِقْرَأْهُ فِيْ عَشْرٍ قَالَ اِنِّیْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ اِقْرَأْهُ فِيْ سَبْعٍ وَلَا تَزِيْدَنَّ عَلٰى ذٰلِكَ (ابوداود ص۱۹۶ و مسند احمد حوالہ مرقومہ)۔ عبد اللہ نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ قوت ہے فرمایا تو بیس دن میں ختم کرو۔ عبد اللہ نے کہا کہ مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے فرمایا اچھا پندرہ دنوں میں کہا مجھے اس سے زیادہ استطاعت ہے ارشاد ہوا کہ خیر دس دن میں سہی، عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ سکت رکھتا ہوں، حکم ہوا کہ بس سات شب میں ختم کرو، اس سے زیادہ کم زمانہ میں ختم نہ کرنا، اس روایت سے بھی قرآن مجید کی ایک خاص ترتیب ثابت ہوئی، ماہانہ ختم کے لحاظ سے قرآن پاک کی تقسیم تیس ۳۰ پاروں میں ہوتی ہے، اور ہفتہ وار ختم سے سات منزلیں (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) وہ بھی خاص زبان وحی ترجمان سے اور حقیقت میں یہ سب اللہ پاک کیطرف سے ہے جس نے کہ خود ہی فرمایا ہے وَرَتَّلْنٰهُ

تَرْتِیْلاً۔ کما مر:

دوسری دلیل ذرا اُن حدیثوں پر نگاہ ڈالو جن میں صحابہ کو جو قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی ہدایتیں فرمائی گئی ہیں، اور اُن پر ثواب کے وعدے کئے گئے ہیں جو کتبِ حدیث میں بکثرت روایت کی گئی ہیں، اُن میں سے چند ہم نقل کرتے ہیں۔

۱۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ اَعْطُوْا اَعْیُنَکُمْ حَظَّهَا مِنَ الْعِبَادَةِ اَلنَّظْرُ فِی الْمُصْحَفِ وَالتَّفَکُّرُ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ (جامع صغیر للسیوطی مطبوع مصر ص۲۵ ج۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آنکھوں کی عبادت کا حصہ آنکھوں کو دو، اور وہ قرآن کو دیکھ کے پڑھنا اور اُس میں غور و فکر کرنا ہے،

۲۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَلْیَقْرَءْ فِی الْمُصْحَفِ (جامع صغیر ص۱۵۷ ج۲ و منتخب کنز العمال ص۲۳۶ ج۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنی چاہتا ہے وہ قرآن دیکھ کر پڑھا کرے،

۳۔ عَنْ اَوْسٍ الثَّقَفِیِّ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْاٰنَ فِیْ غَیْرِ الْمُصْحَفِ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهٗ فِی الْمُصْحَفِ تُضَعَّفُ عَلٰی ذٰالِكَ اِلٰی اَلْفَیْ دَرَجَةٍ رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ ص۱۸۰ جامع صغیر ص۷۰ ج۲، منتخب کنز العمال ص۲۵۷ و ص۲۶۲ ج۱) حضرت اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو وفد ثقیف میں آئے تھے، جنہوں نے صحابہ سے قرآن کی سات منزلیں دریافت کی تھیں جن کا بیان اوپر گزر چکا ہے انہوں نے اپنی اُسی آمد میں یہ بھی) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ بغیر قرآن کے (یعنی زبانی) اس کی تلاوت کا ثواب ایک ہزار نیکی ہے اور قرآن کھول کر دیکھ کر پڑھنے کا ثواب دو ہزار ہوتا ہے،

(۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ قِرَاءَتُكَ نَظْرًا تُضَاعَفُ عَلٰی قِرَاءَتِكَ ظَاهِرًا کَفَضْلِ الْمَکْتُوْبَةِ عَلَی النَّافِلَةِ (جامع صغیر جلد دوم ص۷۰ و ص۶۳ و فضائل قرآن لابن کثیر ص۱۴۱) اوس کے بیٹے عمرو کہتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح فرض نماز کو نفل نماز پر فضیلت ہے اسی طرح قرآن دیکھ کر پڑھنے کو فضیلت ہے زبانی پڑھنے پر۔

(۵) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِیْ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ نَظْرًا

(جامع صغیر ص۴۲ ج ۱ و منتخب کنز ص۲۵۷ ج ۱) آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کی افضل عبادت قرآن دیکھ کر پڑھنا ہے۔

(۶) عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من أدام النظر فی المصحف متع ببصرہ ما دام فی الدنیا (منتخب کنز العمال برحاشیہ احمد جلد اول ص۳۶۲) آپ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو ہمیشہ دیکھ کر پڑھا کرے گا جب تک وہ دنیا میں زندہ رہے گا اس کی بینائی باقی رہے گی یعنی خراب نہ ہوگی۔

(۷) عن عبد اللہ ابن الزبیر قال قال النبی ﷺ من قرء القرآن ناظرا حتی یختمہ غرس اللہ لہ شجرۃ فی الجنۃ (کتاب مذکور ص۳۶۳ ج ۱) آپ نے فرمایا کہ جو مسلمان قرآن مجید کو شروع سے ختم تک برابر دیکھ کر پڑھے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ بہشت میں درخت لگائے گا، سبحان اللہ!۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی لوگوں سے فرمایا کرتے تھے قال ابن عمر اذا رجع احدکم فلیأت المصحف فلیفتحہ ولیقرء فیہ (کتاب مذکور ص۳ ج ۱۔ وفضائل قرآن ابن کثیر ص۱۴۱) یعنی جب تم گھر میں داخل ہو تو سب سے پہلے قرآن کھول کر پڑھ لیا کرو پھر دوسرے کاموں میں مشغول ہو۔ ابن عمر کا خود اپنا عمل بھی اسی پر تھا جیسا کہ خثیمہ رح کہتے ہیں دخلت علی ابن عمر وھو یقرء المصحف (فضائل قرآن صفحہ ۱۴۱) یعنی میں ابن عمر کے مکان پر گیا تو وہ قرآن کھولے ہوئے تلاوت کر رہے تھے، ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا کما سیجیئ۔

(۸) عن ابی ھریرۃ قال قال النبی ﷺ الغرباء فی الدنیا اربعۃ مصحف فی بیت لا یقرء فیہ۔ (منتخب کنز العمال ص۳۹۴ ج ۱) آپ نے فرمایا دنیا میں وہ قرآن کس مپرسی کی حالت میں ہے، جو کسی گھر میں ہو اور اس میں پڑھا نہ جائے،

(۹) وعنہ قال قال النبی ﷺ ان مما یلحق المؤمن من عملہ وحسناتہ بعد موتہ علما نشرہ ومصحفا ورثہ الخ رواہ ابن ماجہ (مشکوٰۃ ص۲۶ جامع صغیر ص۸۳ ج ۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو اس کے مرنے کے بعد اس کے اعمال اور نیکیوں سے جن کا ثواب اُسے ملتا ہے علم ہے کہ اس کو، پھیلایا اور نسخہ قرآن ہے کہ اپنے وارث کے لئے چھوڑ گیا۔

مقام غور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو اپنی زندگی میں قرآن مجید کو گھر میں رکھنے اس کو دیکھ کر پڑھنے اور وارثوں کیلئے اس کو پیچھے چھوڑ جانیکی مؤکد ترغیبیں دلا رہے ہیں، پس اگر ہر صحابی

کے پاس نہیں تو کم از کم اُن کے ہر گھر میں تو ایک ایک نسخہ پورے قرآن مجید کا لکھا ہوا موجود ہوگا، ہاں ہاں یقیناً موجود تھا جیسا کہ صحابہ خود کہتے ہیں بَيْنَ اَظْهُرِنَا الْمَصَاحِفُ وَقَدْ تَعَلَّمْنَا مَا فِيهَا وَعَلَّمْنَاهَا اَبْنَائَنَا وَذَرَارِيْنَا وَخَدَمَنَا (مسند احمد ص۲۶۶ ج ۵) یعنی ہم صحابہ کے درمیان لکھے ہوئے قرآن موجود تھے، جس سے ہم نے سیکھا، اپنے بچوں اور خادموں کو سکھایا، چنانچہ اُن کے بچے بھی قرآن میں دیکھ کر پڑھتے تھے جیسا کہ اُسی مسند احمد میں ہے، اِنَّ رَجُلًا جَاءَ بِابْنٍ لَهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِيْ يَقْرَءُ الْمُصْحَفَ بِالنَّهَارِ الخ (فضائل قرآن ابن کثیر مطبوعہ مصر ص۱۹۹) یعنی ایک صحابی اپنے بچے کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے اور کہا کہ میرا یہ بچہ دن میں قرآن مجید ناظرہ پڑھا کرتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ بھی ذاکرِ خدا ہے،

صحابۂ کرام نے اس کثرت سے قرآن مجید کو لکھا اور لکھوایا اور ناظرہ خوانی شروع کی کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطرہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اسی لکھے ہوئے قرآن پر بھروسہ کر بیٹھیں اور اسے حفظ کرنا ترک کر دیں، تو آپ نے اُن کے گھروں میں بکثرت لکھے ہوئے قرآنوں کو دیکھ کر یہ بھی فرمایا (جو آگے آتا ہے)

(۱۰) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ لَا تَغُرَّنَّكُمْ هٰذِهِ الْمَصَاحِفُ الْمُعَلَّقَةُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ وَ قَلْبًا وَعَى الْقُرْاٰنَ (منتخب کنز العمال ص۳۶۳ ج ۱) آپ نے فرمایا کہ تم کو یہ لکھے ہوئے قرآن کے نسخے جو تمہارے گھروں میں لٹکے ہوئے ہیں، حفظ کرنے سے غفلت میں نہ ڈال دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب نہیں کرے گا جس کے دل میں قرآن حفظ ہو۔

اللہ اکبر! معلوم ہوا کہ عہدِ نبوی میں صحابہ نے قرآن کے بے شمار نسخے لکھ ڈالے تھے، تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؎

تیسری دلیل جب قرآن مجید کتابی شکل میں بکثرت ہو گیا تو ضرور تھا کہ شارع ؑ کی طرف سے اُس کے آداب بھی بتائے جاتے، چنانچہ ارشاد ہوا، عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ النَّبِيَّ قَالَ تَمَسُّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرًا (دار قطنی ص۴۵) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پاک کو طہارت کی حالت میں چھونا، ظاہر ہے کہ یہ حکم کتابی شکل کے لئے ہے کیونکہ جو چیز ہاتھوں سے چھوئی جا سکے اُسے خارج میں موجود ہونا چاہیئے، لطف یہ کہ یہ حکم نہ محض مدینہ طیبہ کے صحابہ ہی کو دیا گیا، بلکہ دیگر ملکوں میں

جہاں جہاں مسلمان صحابہ موجود تھے یہی حکم تحریری صورت میں بھیجا گیا، چنانچہ یمن والوں کو عمرو بن حزم صحابی کی معرفت جو بہت سے احکام حدیثی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھوا کر روانہ فرمائے تھے (جس کا مفصل بیان اس کتاب کے دوسرے باب میں جمع و کتابت احادیث کی بحث میں آئے گا) اس میں ایک حکم یہ بھی تھا اَنْ لَا یَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاھِرًا (مشکوٰۃ ص۴۲ و بلوغ المرام مطبوع مصر ص۱۳۸) یعنی قرآن کو بجز پاک شخص کے اور کوئی نہ چھوئے معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں یمن والوں کے پاس بھی لکھا ہوا قرآن بکثرت موجود تھا، پھر پایۂ تخت نبوت و دار الحکومت اسلام یعنی مدینہ طیبہ کے مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے مکتوبی نسخے کتنی کثیر تعداد میں ہونگے ؛ ع

خدا ایں خوب می داند شمارِ نسخۂ قرآن

چوتھی دلیل دوسرا ادب قرآن پاک کی بابت یہ بتایا گیا عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَھٰی اَنْ یُّسَافِرَ بِالْقُرْاٰنِ اِلٰی اَرْضِ الْعَدُوِّ (صحیح بخاری کتاب الجہاد) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِاَحْمَدَ نَھٰی اَنْ یُّسَافِرَ بِالْمُصْحَفِ الخ (فتح الباری انصاری پارہ ۱۲ ص۱۵۱) یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ دشمن کے ملک میں قرآن مجید کو ساتھ لے کر کوئی مسلمان نہ جائے، صحیح مسلم میں اتنا زیادہ ہے۔ مَخَافَۃَ اَنْ یَّنَالَہُ الْعَدُوُّ (ص۱۳۱ ج ۲) یعنی اس خوف سے کہ (بصورتِ شکست) دشمن اسے چھین لینگے، اور اس کی توہین کریں گے، دشمنوں کے ہاتھ میں جانے والا قرآن، لکھا ہؤا ہی ہو سکتا ہے، ورنہ قرآن کے ساتھ سفر کی ممانعت کے کیا معنے، جو قرآن سینوں میں محفوظ ہے اس کو اعداء چھین نہیں سکتے اسی لئے امام بخاری نے حدیث مذکور کے بعد لکھا ہے،

وَقَدْ سَافَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُہٗ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ الْقُرْاٰنَ (پ ۱۲)

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام نے اس حال میں سفر کیا ہے کہ وہ قرآن جانتے تھے یعنی اُن سینوں میں حفظ تھا۔

گذشتہ دلائل نمبر ۲، نمبر ۳ و نمبر ۴ سے آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کے متعدد نسخے صحابۂ کرام کے پاس عہد نبوی میں کتابی صورت میں جمع شدہ موجود تھے، وہ لوگ ان نسخوں میں تلاوت کرتے اور ختم کرتے تھے، جیسا کہ مجمع البیان میں ہے اِنَّ الْقُرْاٰنَ کَانَ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ ﷺ مَجْمُوْعًا مُؤَلَّفًا عَلٰی مَا ھُوَ عَلَیْہِ الْاٰنَ وَاِنَّ جَمَاعَۃً مِّنَ الصَّحَابَۃِ خَتَمُوا الْقُرْاٰنَ عَلَیْہِ مَرَّۃً خَتَمَاتٍ

يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ كَانَ مَجْمُوعًا مُرَتَّبًا[1] یعنی قرآن مجید آج جس ترتیب سے موجود ہے، اسی ترتیب سے عہد نبوی میں جمع ہو چکا تھا، اور اسی ترتیب سے صحابہؓ نے آپ پر بہت سے ختم قرآن کے سنائے تھے، امام مالک فرماتے ہیں إِنَّمَا أَلَّفَ الْقُرْآنَ عَلَى مَا كَانُوا يَسْمَعُونَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (کتاب فضائل قرآن ابن کثیر مطبوعہ مصر ص۔۔) یعنی قرآن کی ترتیب وہی ہے جو صحابہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے حافظ نووی تبیان میں لکھتے ہیں، إِنَّ الْقُرْآنَ كَانَ مُؤَلَّفًا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ عَلَى مَا هُوَ فِي الْمَصَاحِفِ الْيَوْمَ (کتاب التبیان فی آداب القرآن) یعنی قرآن آج جس ترتیب سے مصحفوں میں موجود ہے یہ عہد نبوی کا ہی ترتیب دیا ہوا ہے اور تو اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں إِنَّ الْقُرْآنَ كَانَ مَجْمُوعًا مُؤَلَّفًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رسالہ تواتر قرآن) یعنی یہ قرآن عہد نبوی کا ہی جمع کیا ہوا، اور ترتیب دیا ہوا ہے پس یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم — جنید و شبلی و عطار شد مست

پانچویں دلیل:۔ ترغیب نبوی سے جب کہ صحابہؓ کرام کے پاس قرآن مجید کی جلدیں بکثرت موجود تھیں تو کیا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن پاک کی کوئی مکمل جلد موجود نہ ہوگی، ضرور موجود تھی، چنانچہ امام بخاری نے اس امر کا ایک خاص باب ہی منعقد کیا ہے، ملاحظہ ہو بَابُ لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ پھر بالاسناد روایت لائے ہیں قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةِ مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ (بخاری پ۲۱) یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پورا قرآن مجید دو چوبی دفتیوں کے درمیان میں (یعنی مجلّد و مرتب) چھوڑا تھا۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

كَانُوا يَكْتُبُونَ الْمُصْحَفَ فِي الرَّقِّ وَيَجْعَلُونَ لَهُ دَفَّتَيْنِ مِنْ خَشَبٍ (ص۵۰۸ پ۲۲)

یعنی قرآن مجید چرمی اوراق میں مکتوب تھا دو چوبی دفتیاں اس کے دونوں طرف تھیں چنانچہ صحیح مسلم میں ہے، قَالَتْ أُمُّ يَعْقُوبَ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ لَوْحَيِ الْمُصْحَفِ (ص۲۰۵ ج۲) یعنی میں نے قرآن مجید پڑھا تھا جو دو تختیوں کے درمیان میں تھا، صحیح بخاری کی روایت مذکورہ اس امر میں نص صریح ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو مکمل و مرتب و مجلد چھوڑا

[1] تفسیر مجمع البیان للطبرسی طبع ایران جلد اول ص۵

تھا، اسی کو بوقت انتقال فرمایا تھا تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا کِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ رَوَاهُ الْحَاکِمُ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ (جامع صغیر للسیوطی ص۳ مطبوعہ مصر) یعنی میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، ان کے رہتے تم گمراہ نہ ہو گے قرآن مجید اور میری حدیث۔

فصل سوم

آثارِ صحابہ

صحیح بخاری میں ہے عَنْ اَنَسٍ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ اَرْبَعَةٌ کُلُّهُمْ مِنَ الْاَنْصَارِ اُبَیٌّ وَمُعَاذٌ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَبُوْ زَیْدٍ قُلْتُ مَنْ اَبُوْ زَیْدٍ قَالَ اَحَدُ عُمُوْمَتِیْ (ص۵۳ مناقب زید) قَالَ اَنَسٌ وَنَحْنُ وَرِثْنَاهُ (ص۲ باب القراء) حضرت انس کہتے ہیں کہ عہدِ نبوی میں چار انصاریوں نے قرآن جمع کیا تھا، حضرت اُبی ومعاذ وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم، انس سے پوچھا گیا کہ ابوزید کون ہیں، جواب دیا کہ میرے چچا تھے، پھر انس نے کہا کہ ابوزید کا جمع کیا ہوا قرآن مجھے ورثہ میں ملا تھا، انتہٰی۔

انس کا مقولہ مذکورہ درحقیقت ایک سوال کا جواب ہے، جیسا کہ بخاری کی دوسری حدیث میں مذکور ہے قَالَ قَتَادَةُ سَاَلْتُ اَنَسًا مَنْ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ قَالَ اَرْبَعَةٌ الخ۔ (ص۲ باب القراء) اس روایت میں القرآن کا الف لام عہدی حضور ہے جو ہذا کے معنے میں ہے قتادہ تابعی نے انس صحابی سے دریافت کیا کہ یہ قرآن (جو ہمارے زمانہ میں اس ترتیب سے جمع شدہ موجود ہے اس کو) عہدِ رسالت میں کن لوگوں نے جمع کیا تھا، حضرت انس نے قتادہ کو اسی قرآن زیرِ سوال کی بابت جواب دیا کہ انصار میں سے چار شخصوں نے، اُبی رض ومعاذ رض وزید رضی اللہ تعالےٰ عنہ وابوزید رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

حضرت زید کا اپنے لکھے ہوئے قرآن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر عرضۂ اخیرہ میں پیش کرنے کا ذکر کتاب المعارف سے ہم نے صفحہ ۵ پر کر دیا ہے،

حضرت ابوزید سعد بن عبید بن نعمان انصاری کے حال میں اُسد الغابہ میں ہے هُوَ اَوَّلُ

مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ مِنَ الْاَنْصَارِ یعنی انصار میں یہ اول جامع قرآن ہیں۔

حضرت اُبی رضؓ نے قرآن کو سادے طور سے لکھا تھا، اور جب عہد عثمانی میں لوگوں نے مُطَلّٰی و مُحَلّٰی (چاندی اور سونے سے مزین) کیا، جیسا کہ منتخب کنز العمال میں ہے جَمَعُوا الْقُرْآنَ عَلٰی عَهْدِ عُثْمَانَ وَاِنَّهُمْ فَضَّضُوا الْمَصَاحِفَ (منتخب ج ۱۔ برحاشیہ احمد) تو حضرت اُبی سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، قَالَ اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ اِذَا حَلَّيْتُمْ مَصَاحِفَكُمْ تَحْلِيَتَكُمْ الدَّمَارُ (کتاب مذکور ج ۱) یعنی تم لوگوں نے اپنے قرآنوں کو مطلّٰی و محلّٰی کیا ہے اب تمہاری ہلاکت کا وقت آگیا ہے نیز حضرت ابن مسعود رضؓ نے فرمایا (جِیئَ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ بِمُصْحَفٍ قَدْ زُيِّنَ بِالذَّهَبِ فَقَالَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا زُيِّنَ بِهِ الْمُصْحَفُ تِلَاوَتُهٗ (کتاب مذکور ج ۱) جب ابن مسعود کے سامنے ایسا قرآن پیش کیا گیا جو سونے سے مزین تھا تو فرمایا کہ قرآن مجید کی عمدہ زینت اس کی تلاوت کرنی ہے،

یہ عبد اللہ بن مسعود بھی قرآن مجید کے لکھنے اور جمع کرنے والوں میں سے ہیں، صحیح بخاری باب تالیف القرآن میں تالیف ابن مسعود کا ذکر موجود ہے، نیز آگے ازالۃ الخفاء کے حوالہ سے منقول ہوگا انشاء اللہ ابن مسعود کے شاگردوں کے پاس بھی لکھا ہوا قرآن موجود تھا، صحیح مسلم میں ہے، عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ قَالَ كُنَّا فِیْ دَارِ اَبِیْ مُوْسٰى مَعَ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ فِیْ مُصْحَفٍ الخ (ص ۹۳ ج ۱) ابو الاحوص کہتے ہیں کہ ہم لوگ ابو موسیٰ اشعری کے گھر میں ابن مسعود کے شاگردوں کے پاس تھے اور وہ لوگ لکھے ہوئے قرآن میں دیکھ رہے تھے، حافظ ابن کثیر فضائل قرآن میں لکھتے ہیں عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا اجْتَمَعَ اِلَيْهِ اِخْوَانُهٗ نَشَرُوا الْمُصْحَفَ وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَدِيْمُوا النَّظَرَ فِی الْمُصْحَفِ (ص ۱۲۱ مطبوعہ مصر) یعنی ابن مسعود کے پاس جب لوگ جمع ہوتے تو قرآن کھول کر بیٹھ جاتے، حضرت ابن مسعود ان کو تاکیداً فرماتے کہ ہمیشہ قرآن میں دیکھ کر پڑھا کرو۔

غالباً ابن مسعود کو وہ مرفوع حدیث پہنچ گئی تھی جو فصل دوم کی دوسری دلیل کے نمبر ۲ میں بیان ہوئی ہے اور حدیث نمبر ۲ کے تو راوی وہی ہیں، ابن مسعود سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے يُكْتَبُ الْمَصَاحِفُ مُضَرِیٌّ (منتخب کنز ص ۲۰۲ ج ۱) یعنی قرآن مجید کے لکھنے والے قبیلۂ مضر سے ہوں یعنی قریشی ہوں۔

غرض عہد نبوی میں قرآن مجید کو کتابی شکل میں لکھنے والوں میں پانچ شخصوں کا بیان ہو چکا

اُبی رضؓ[۲] معاذ رضؓ[۳] ، زید رضؓ[۴] ، ابوزیدؓ[۵] ، ابن مسعودؓ[۶] ، چھٹے عبداللہؓ بن عمرو بن عاص ہیں، ان کا عہد نبوی میں قرآن لکھنا اور جمع کرنا مسند احمد و سنن نسائی کی روایتوں کے حوالہ سے فصل دوم کی پہلی دلیل کے تیسرے پیراگراف میں بیان ہو چکا ہے۔

ساتویں[۷] حضرت عثمان رضؓ ہیں، آٹھویں[۸] حضرت علی رضؓ ہیں اور نویں[۹] حضرت سالم رضؓ ہیں ان لوگوں نے بھی عہد نبوی میں مثل دیگر صحابہ کے قرآن مجید لکھا اور جمع کیا تھا جیسا کہ ازالۃ الخفاء میں ہے، اخرج عمر عن محمد بن کعب القرظی قال کان ممن جمع القرآن علی عہد النبی وھو حی عثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب وعبداللہ بن مسعود من المہاجرین وسالم مولی ابی حذیفۃ، (ص ۲۱ ج ۲) یعنی عہد نبوی میں مہاجرین صحابہ میں سے قرآن جمع کرنے والے حضرت عثمان رضؓ حضرت علی رضؓ، ابن مسعود رضؓ اور سالم رضؓ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کا قرآن جمع کرنا ابھی اوپر صحیح بخاری کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد نبوی میں قرآن کا جمع کرنا طبقات ابن سعد میں بھی مذکور ہے، نیز مفتاح السعادۃ میں ہے عثمان بن عفان احد من جمع القرآن علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۳۵ ج ۱) یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا تھا، اسی طرح صواعق محرقہ مصری ص ۶۹ اور تاریخ الخلفاء مصری ص ۱۰۳ میں بھی مرقوم ہے بلکہ حضرت عثمان نے اپنے پڑھنے کے لئے قرآن کو خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، چنانچہ باغیوں نے آپ کی شہادت کے وقت جب آپ کے ہاتھ پر تلوار ماری ہے تو آپ نے اپنا وہ ہاتھ اٹھا کر فرمایا واللہ انھا لاول ید خطت المفصل (فضائل قرآن ابن کثیر ص ۱۳۶) یعنی یہ وہ ہاتھ ہے جس نے پہلے قرآن کو لکھا تھا، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت عثمان رضؓ اپنے سامنے جس قرآن کو رکھ کر تلاوت فرماتے تھے وہ الذی کتبہ بیدہ وہ تھا جو انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا (فضائل ص ۵) اس قرآن کی زیارت ابن کثیر نے (جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرے ہیں) اپنی زندگی میں شہر دمشق کی جامع مسجد میں کی تھی (فضائل قرآن مصری ص ۴۹)

حضرت علی مرتضیٰ کا قرآن جمع کرنا علاوہ ازالۃ الخفاء کے فتح الباری میں بھی منقول ہے حتی اجمع القرآن فجمعہ (ص ۱۱ پ ۲۰) بلکہ صحیح بخاری میں حضرت علی رضؓ سے مروی ہے قال علی ما کتبنا عن

النَّبِيِّ اِلَّا الْقُرْاٰنَ الخ (بخاری احمدی ص۱۵۰۴) یعنی قرآن کو ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے، صواعقِ محرقہ میں بھی حضرت علی رضہ کی بابت مرقوم ہے اَحَدٌ مَنْ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ وَعَرَضَ عَلَی النَّبِيِّ م (مصری ص۷۳) یعنی حضرت علی رضہ نے قرآن جمع کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔ اسی طرح سیوطی نے بھی تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے دیکھو ص۱۲۵ مطبوع مصر، حضرت علی رضہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ چھوٹی تقطیع میں قرآن کا لکھنا ناپسند فرماتے تھے چنانچہ منتخب کنز العمال میں ہے عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَانَ يَكْرَهُ اَنْ يَكْتُبَ الْمُصْحَفَ فِي الشَّيْءِ الصَّغِيْرِ (ص۵۲ ج ۱) یعنی حضرت علی برا جانتے تھے اس امر کو کہ قرآن کسی چھوٹی سی چیز پر لکھا جائے اور یہ غالباً اس لئے کہ قرآن مجید ایک چھوٹی سی کتاب معلوم ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کنز العمال میں منقول ہے،

قرآن مجید کو بعہد نبوی کتابی شکل میں جمع کرنے والوں میں سے نو صحابیوں کا ذکر ہو چکا، دسویں حضرت ابو ایوب رضہ انصاری، گیارھویں حضرت عبادہ بن صامت اور بارھویں حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، رَوَی ابْنُ اَبِيْ دَاؤدَ مِنْ طَرِيْقِ مُحَمَّدِ بْنِ الْقُرَظِيِّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَهْدِ النَّبِيِّ م خَمْسَةٌ (وَفِيْ طَرِيْقِ الشَّعْبِيِّ سِتَّةٌ. وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ) مِنَ الْاَنْصَارِ اَبُوْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيُّ وَاَبُو الدَّرْدَاءِ وَعُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ. (فتح الباری انصاری ص۴۳۰ پ ۲ و تاریخ صغیر للبخاری ص۲۳ و ۲۴ وطبقات ابن سعد وغیرہ) یعنی عہد نبوی میں قرآن جمع کرنے والے انصاریوں میں سے ابو ایوب رضہ و عبادہ رضہ و ابو درداء رضہ و معاذ رضہ و اُبی رضہ ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن جمع کرنا اس فصل کے شروع میں مذکور ہو چکا ہے حضرت عبادہ کے بارے میں تہذیب التہذیب میں مرقوم ہے، هُوَ اَحَدُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ م (ص۱۱۲ ج ۵) یعنی عہد نبوی میں قرآن جمع کرنے والوں میں سے ایک عبادہ بھی ہیں، حضرت ابو درداء کی بابت مفتاح السعادۃ میں ہے اَحَدُ الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَهْدِ النَّبِيِّ م بِلَا خِلَافٍ (ص۲۵۵ ج ۱) یعنی عہد نبوی میں قرآن جمع کرنے والوں میں سے بالاتفاق ایک ابو درداء بھی ہیں، انہیں ابو درداء سے ایک شخص نے کہا کہ میرے

بیٹے نے بھی ایک قرآن لکھ کر جمع کیا ہے تو آپ نے اس کو دعا مغفرت دی (کتاب الزہد للامام احمد)

تیرھویں صحابی حضرت ناجیہ رضؓ طفاوی ہیں، طبرانی میں ہے کَانَ نَاجِیَۃُ یَکْتُبُ الْمَصَاحِفَ (اصابہ و استیعاب) یعنی حضرت ناجیہ قرآن مجید لکھا کرتے تھے،

چودھویں صحابی مشہور شاعر عرب حضرت لبید رضؓ بن ربیعہ عامری ہیں، جن کا قصیدہ مشہور کتاب سبعہ معلقہ (یا عشرہ معلقہ) میں موجود ہے، ان کا حال سنئے اَنَّہٗ لَمَّا اَسْلَمَ کَانَ یَکْتُبُ الْقُرْاٰنَ وَتَرَکَ الشِّعْرَ (جمہرۃ العرب ص ۳) عہد نبوی میں لبید نے جب سے اسلام قبول کی اور وہ ہمیشہ قرآن ہی لکھا کرتے تھے،

پندرھویں صحابی حضرت عقبہ رضؓ بن عامر جہنی ہیں، تہذیب التہذیب میں ہے ھُوَ اَحَدُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ وَکَتَبَ بِیَدِہٖ وَمُصْحَفُہٗ بِمِصْرَ اِلَی الْاٰنَ بِخَطِّہٖ (ص ۲۴۳ ج ۲) یعنی عقبہ رضؓ نے عہد نبوی میں قرآن مجید کو جمع کیا اور اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، اور اُن کا لکھا ہوا قرآن مجید مصر میں اب تک (حافظ ابن حجر کے زمانہ تک) موجود ہے حافظ ذہبی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے بلکہ فاضل ابن یونس نے اس قرآن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ہے قَالَ ابْنُ یُوْسُفَ مُصْحَفُہٗ بِخَطِّہٖ وَھُوَ الْاٰنَ مَوْجُوْدٌ (ص ۲۶ ج ۱) یعنی ابن یونس نے کہا کہ عقبہ رضؓ کا لکھا ہوا قرآن اب تک موجود ہے،

سولھویں حضرت ام سلمہ رضؓ ام المومنین ہیں، کنز العمال میں ہے عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ نَافِعٍ قَالَ اَمَرَتْنِیْ اُمُّ سَلَمَۃَ اَنْ اَکْتُبَ لَھَا مُصْحَفًا (ص ۲۳۷ ج ۱) عبداللہ بن نافع کہتے ہیں کہ مجھے ام سلمہ رضؓ نے حکم دیا کہ اُن کے لئے ایک قرآن مجید لکھوں۔

سترھویں حضرت حفصہ ام المومنین ہیں کنز العمال میں ہے عَنْ نَافِعٍ اَنَّ حَفْصَۃَ دَفَعَتْ مُصْحَفًا اِلٰی مَوْلًی لَھَا یَکْتُبُ الخ (ص ۲۳۶ ج ۱) نافع کہتے ہیں کہ حضرت حفصہ نے اپنے غلام کو قرآن (جو اُن کے پاس عہد صدیقی کا تھا) نقل کرنے کو دیا۔

اٹھارھویں حضرت عائشہ ام المومنین ہیں، صحیح مسلم میں ہے عَنْ اَبِیْ یُوْنُسَ مَوْلٰی عَائِشَۃَ اَنَّہٗ قَالَ اَمَرَتْنِیْ عَائِشَۃُ اَنْ اَکْتُبَ لَھَا مُصْحَفًا الخ (ص ۲۲۷ ج ۱) حضرت عائشہ کے غلام ابو یونس کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ نے حکم دیا کہ اُن کے لئے ایک قرآن مجید لکھوں۔ اسی قرآن کو سامنے رکھ کر اُن کا دوسرا غلام ذکوان نماز کی امامت کرتا تھا اور نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھتا تھا، جیسا

کہ صحیح بخاری میں ہے کَانَتْ عَائِشَۃُ یَؤُمُّھَا عَبْدُھَا ذَکْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ (بخاری احمدی ص۹۶ ج۱) یعنی حضرت عائشہ کا غلام ذکوان قرآن دیکھ کر حضرت عائشہ کا امام بن کر نماز پڑھاتا۔ وَعَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ قَالَ قَرَأْتُ فِیْ مُصْحَفِ عَائِشَۃَ الخ (کنز العمال ص۲۳۷ ج۱) ہشام کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ عروہ کی خالہ حضرت عائشہ کے قرآن مجید میں تلاوت کی ہے، اس قرآن کو دیکھنے کے لئے ایک شخص ملک عراق سے سفر کر کے مدینہ آیا تھا تاکہ اس کی نقل کرے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے قَالَ عِرَاقِیٌّ لِعَائِشَۃَ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَرِیْنِیْ مُصْحَفَکِ. الخ (ص۷۴۶ ج۲) عراقی نے حضرت عائشہ سے کہا کہ اے اماں جان مجھے اپنا قرآن مجید دیجئے میں اس کی نقل کروں گا، عراق پر ہی کیا موقوف ہے ملک شام سے بھی لوگ بغرض نقل قرآن مدینہ آیا کرتے تھے اِنْطَلَقَ رَکْبٌ مِنْ اَھْلِ الشَّامِ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ یَکْتُبُوْنَ مَصَاحِفَھُمْ (منتخب کنز العمال ص۴۱ ج۱) یعنی ملک شام سے ایک پورا قافلہ مدینہ آیا تھا تاکہ اپنے لئے قرآن لکھیں، غرض اٹھارہ ہو گئے،

انیسویں[۱۹] خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضہ ہیں جنہوں نے حضرت زید بن ثابت سے قرآن مجید لکھوایا۔ فتح الباری میں ہے قَالَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ اَمَرَنِیْ فَکَتَبْتُ الخ (ص۲۳۱ پ۲۰) صحیح بخاری میں ہے فَکَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ اَبِیْ بَکْرٍ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَیٰوتَہٗ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَۃَ بِنْتِ عُمَرَ الخ (مشکوٰۃ ص۱۸۵) یعنی زید کہتے ہیں کہ مجھے ابوبکر رضہ نے قرآن لکھنے کا حکم دیا، پس میں نے لکھا یہ نسخہ ابوبکر کے پاس ان کے مرنے تک رہا پھر حضرت عمر رضہ کے پاس آخر حیات تک رہا، پھر ان کی بیٹی حضرت حفصہ کے پاس تھا۔ (اسی نسخہ کی نقل حضرت حفصہ نے اپنے غلام سے کرائی تھی، جیسا کہ نمبر۷ میں گزرا ہے) اور اسی نسخہ کو حضرت حفصہ سے حضرت عثمان رضہ نے منگوا کر اس کی متعدد نقلیں کرائی تھیں جیسا کہ خاتمہ میں بیان ہوگا انشاء اللہ)۔

بیسویں[۲۰] خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضہ ہیں جنہوں نے حضرت زید سے اپنے لئے ایک علیحدہ نسخہ لکھوایا تھا جیسا کہ فتح الباری میں ہے فَلَمَّا ھَلَکَ وَکَانَ عُمَرُ کَتَبْتُ ذٰلِکَ (حوالہ مذکورہ) یعنی جب ابوبکر صدیق رضہ فوت ہو گئے اور حضرت عمر رضہ خلیفہ ہوئے تو پھر میں نے ان کے لئے قرآن لکھا معارف ابن قتیبہ میں ہے کَتَبَ زَیْدٌ لِعُمَرَ (ص۸۸) یعنی زید نے خاص حضرت عمر رضہ کیلئے بھی لکھا تھا، اسی کو کنز العمال میں یوں لکھا ہے لَمَّا جَمَعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْمُصْحَفَ (ص۲۸۱ ج۱) اسی نسخہ میں

حضرت عمرؓ تلاوت بھی کیا کرتے تھے جیسا کہ ابن عباس کہتے ہیں اِنَّ عُمَرَ رض اِذَا دَخَلَ بَیْتَہٗ نَشَرَ الْمُصْحَفَ فَقَرَءَ فِیْہِ (فضائل قرآن ابن کثیر ص ۱۲۱) یعنی حضرت عمرؓ جب اپنے مکان میں داخل ہوتے قرآن مجید کھول کر پڑھنے لگتے، نیز آپ لکھے ہوئے قرآن مجید کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے، چنانچہ منتخب کنز العمال میں ہے اِنَّ عُمَرَ رض وَجَدَ مَعَ رَجُلٍ مُصْحَفًا قَدْ کَتَبَہٗ (الی) کَانَ اِذَا رَاٰی مُصْحَفًا سَرَّہٗ (ص ۳۹۸ ج ۱) یعنی حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے پاس لکھا ہوا قرآن مجید دیکھا اور آپ جب ایسا قرآن دیکھتے تو خوش ہوتے، خلیفۂ وقت کی خوشی اور قرآن دیکھ کر پڑھنے کی ترغیب والی حدیثوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن پاک کے نسخے بکثرت لکھے جانے لگے اور عام طور سے بازاروں میں فروخت ہونے لگے تھے، چنانچہ بعض عاشقانِ قرآن کو یہ بات بُری معلوم ہونے لگی تھی جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے قَالَ حَنْظَلَۃُ مَرَرْتُ مَعَ طَاؤُسٍ عَلٰی قَوْمٍ یَبِیْعُوْنَ الْمَصَاحِفَ فَاسْتَرْجَعَ طَاؤُسُ الخ (ص ۲۱۳ ج ۴) حنظلہ کہتے ہیں، کہ میں طاؤس کے ہمراہ بازار گیا تو دیکھا کہ لوگ قرآنوں کی بیع وشراء کر رہے ہیں، اس پر طاؤس نے انا للہ پڑھی، آخر طاؤس کے استاد ابن عباس رضؓ سے پوچھا گیا سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ بَیْعِ الْمَصَاحِفِ قَالَ لَا بَأْسَ (منتخب کنز ص ۲۰۲ ج ۱) یعنی ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ بیع قرآن کی بابت آپ کا فتویٰ کیا ہے آپ نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح ابن عباس سے کتابت قرآن کی اُجرت کی بابت پوچھا گیا۔ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنْ اُجْرَۃِ کِتَابَۃِ الْمُصْحَفِ فَقَالَ لَا بَأْسَ (مشکوٰۃ ص ۲۲۴) فرمایا کہ کچھ حرج نہیں ہے، پھر تو قرآن مجید کے نسخوں کی اتنی کثرت مختلف ممالک میں ہو گئی کہ ان کا صحیح شمار غیر ممکن ہو گیا علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھے ہیں مَاتَ عُمَرُ وَمِائَۃُ اَلْفِ مُصْحَفٍ مِنْ مِصْرَ اِلَی الْعِرَاقِ وَالشَّامِ وَالْیَمَنِ فَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ (ملل ونحل ص ۸ ج ۲) یعنی مصر سے لے کر عراق وشام ویمن تک اوران ممالک کے درمیان میں حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت قرآن کے ایک لاکھ نسخے موجود تھے،

آمدم بر سر مطلب، الغرض عہد نبوی میں قرآن مجید کے لکھنے اور جمع کرنے والوں کی صحیح تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے علامہ عینی نے شرح بخاری میں کیا خوب لکھا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ جَمَعُوا الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ لَا یُحْصِیْھِمْ عَدَدٌ وَلَا یَضْبِطُھُمْ اَحَدٌ .... (عمدۃ القاری ص ۲۱۵ ج ۹) یعنی عہد نبوی میں جن لوگوں نے قرآن جمع کیا تھا اُن کا شمار نہیں کیا جا سکتا، بیس ۲۰ نام تو اوپر ہم نے لکھے

تھے، علامہ عینی نے ابوموسیٰ[۲۱] اشعری، مجمع بن[۲۲] جاریہ، قیس[۲۳] بن ابی صعصعہ، قیس[۲۴] بن سکن، اُم ورقہ[۲۵] بنت نوفل اور ابنۃ عبداللہ[۲۶] بن حارث کے نام بھی بحوالہ کتب لکھے ہیں، خطیب بغدادی نے ثابت[۲۷] بن بشیر بن ابی زید کا نام بھی لکھا ہے (ص ج ۹) باقی لوگوں کے نام اور شمار خدا ہی بہتر جانتا ہے،

ایک شبہ کا دفعیہ روایاتِ مرقومہ بالا میں الفاظ جَمَعُ الْقُرْآنَ یا جَمَعَ الْقُرْآنَ کے جو آئے ہیں ان پر شبہ وارد کیا گیا ہے کہ اس سے مراد جمع صدر یعنی حفظ ہے نہ جمع کتابی اس کا دفعیہ یوں ہے کہ قرآن کے حافظ تو تقریبًا سب صحابہ تھے، دیکھو ستر صحابہ جو بیرِ معونہ میں شہید ہوئے تھے وہ سب حافظ قرآن تھے، اسی طرح جنگِ یمامہ میں جو ستر صحابہ شہید ہوگئے تھے وہ بھی سب حافظ تھے ان کے علاوہ جو صحابی عہد نبوی میں زندہ موجود تھے اُن میں سے تیس صحابہ کے نام شروح بخاری (فتح الباری وعمدۃ القاری) میں موجود ہیں، اور جب کہ صحابۂ کرام نے زبانِ وحی ترجمان سے یہ بشارت سُنی ہوئی تھی کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ قَلْبًا وَعَى الْقُرْآنَ (منتخب کنز ص۲۶۲ ج ۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس دل میں قرآن محفوظ ہوگا اس کو عذاب نہیں ہوگا اور آپ نے فرمایا تھا لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِيْ إِهَابٍ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ (رواہ الدارمی) (مشکوٰۃ ص۱۸۷) یعنی جس مسلمان (کے بدن) کی کھال میں (یعنی سینہ، دل میں) قرآن ہوگا اس کو جہنم کی آگ نہیں جلائے گی، تو بھلا یہ شبہ کسطرح ہو سکتا ہے کہ کوئی صحابی حافظِ قرآن نہ ہوگا، حالانکہ عرب کا حافظہ مشہور عالم ہے، لہٰذا روایات مرقومہ بالا میں جمع سے مراد کتابی ہے بلکہ بعض روایات میں تو کتابت کی تصریح موجود ہے حاکم میں زید کا مقولہ نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ فِي الرِّقَاعِ موجود ہے (اتقان ص۵۸) یعنی ہم قرآن کو رقعوں میں لکھ کر جمع کرتے تھے، انہیں رقعوں سے زید نے ابوبکر رضؓ کے زمانہ میں نقل کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ (پ ۱۹)، پس جمع فی الرقعہ کی قید مُبطل ہے جمع فی الصدر محض کی، اسی لئے حافظ عسقلانی نے لکھا ہے اَلْمُرَادُ بِالْجَمْعِ الْكِتَابَةُ فَلَا يَنْفِي أَنْ يَكُوْنَ غَيْرُهُمْ جَمَعَهُ حِفْظًا عَنْ ظَهْرِ قَلْبٍ، وَأَمَّا هٰؤُلَاءِ فَجَمَعُوْهُ كِتَابَةً وَحَفِظُوْهُ عَنْ قَلْبٍ انتہیٰ (فتح الباری انصاری پارہ ۲۰ ص۲۴۴) یعنی روایاتِ بالا میں جمع سے مراد لکھنا ہے اس سے دیگر اصحاب کے زبانی یاد کرنے کی نفی نہیں ہوتی لیکن یہ لوگ زبانی بھی یاد رکھتے تھے اور لکھ کر بھی جمع کیا فَانْدَفَعَ مَا أُوْرِدَ ٭

(۱) جمع عثمانی کی حقیقت

اوپر یہ لکھا جا چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت ایک لاکھ نسخے قرآن مجید کے اطراف وجوانب مدنیہ میں شائع وذائع ہو چکے تھے، تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جامع قرآن کیونکر کہا جا سکتا ہے اگر اس وجہ سے کہ انہوں نے عہد نبوی میں اپنے لئے قرآن مجید کا نسخہ لکھا اور جمع کیا تھا، جیسا کہ مفتاح السعادۃ اور ازالۃ الخفاء کے حوالہ سے اوپر نقل ہو چکا ہے تو اس امر میں اُن کی مزیت کیا ہے بہت سے صحابہ نے اسی طور سے لکھا اور جمع کیا تھا کما مرّ واقعہ یہ ہے کہ طرزِ تحریر یعنی رسم خط سب کے جدا تھے، اس وجہ سے قرائتیں مختلف ہو جاتی تھیں، اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں ایک رسم خط اور ایک قراءۃ پر سب کو جمع کر دیا۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے کتاب فضائل قرآن میں لکھا ہے، ہُوَ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی قِرَاءَةٍ وَاحِدَةٍ لِئَلَّا يَخْتَلِفُوْا فِی الْقُرْاٰنِ (مطبوعہ مصر صـ۲۲ وصـ۷) یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو ایک قراءۃ پر جمع کر دیا تھا تاکہ لوگ قرآن پڑھنے میں اختلاف نہ کریں اس لئے وہ جامع الناس الیٰ ہذا القرآن، تو بے شک ہیں، جامع قرآن نہیں ہیں، جیسا کہ حارث محاسبی نے کہا ہے اَلْمَشْهُوْرُ عِنْدَ النَّاسِ اِنَّ جَامِعَ الْقُرْاٰنِ عُثْمَانُ وَلَيْسَ كَذَالِكَ۔ (اتقان للسیوطی صـ۶) یعنی لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے کہ حضرت عثمان قرآن کے جمع کرنے والے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے جو صحیح بخاری میں مروی ہے عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَمَرَ عُثْمَانُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ ۔۔۔۔ اَنْ يَنْسَخُوْهَا فِی الْمَصَاحِفِ (پ۱۲ باب نزول القرآن الخ) فَاَرْسَلَ عُثْمَانُ اِلٰی حَفْصَةَ اَنْ اَرْسِلِیْ اِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِی الْمَصَاحِفِ ۔۔۔۔ فَنَسَخُوْهَا فِی الْمَصَاحِفِ ۔۔۔۔ حَتّٰی اِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِی الْمَصَاحِفِ ۔۔۔۔ اَرْسَلَ اِلٰی كُلِّ اُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوْا۔ (پ۲۰ باب جمع القرآن) اَیْ يَنْقَلِبُوا الَّذِیْ فِيْهَا اِلٰی مَصَاحِفِ اُخْرٰی (فتح الباری صـ۱۰ج۹) یعنی حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بن ثابت اور چند کاتبوں کو بلوا کر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکر والا قرآن بھیج دو تاکہ اس کی متعدد نقلیں کرائی جائیں چنانچہ حضرت زید اور دیگر کاتبوں نے کئی نسخے لکھے، جب نقلیں ہو چکیں تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو اطراف وجوانب میں بھجوا دیا۔

اس روایت سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت عثمان رضؓ نے قرآن صدیقی کی نقل کا حکم دیا تھا نہ جمع کا، یعنی صحیفہ عثمانی نقل تھا صحیفۂ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل تھا، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قرآن ما بین الدفتین کی، جس کو آنحضرت علیہ السّلام چھوڑ گئے تھے اور قرآن نبوی کی ترتیب من جانب اللہ تھی جو کہ آپ کو بر زبان یاد تھا اور جس کی آپ سات منزلیں فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ بیشتر مفصّل لکھا جا چکا ہے لہٰذا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ جو قرآن اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا۔ اور اُسی ترتیب پر ہے جس ترتیب پر آپ نے خود تلاوت فرمائی اور صحابہ کو یاد کرایا اور لکھوایا۔ وھو المراد۔ والحمد للہ علیٰ ما یراد۔

(۲) اعراب قرآن

مسئلہ جمع قرآن کے متحقق ہو جانے کے بعد ضمناً مسئلہ اعراب قرآن کی بابت بھی ایک ضروری ہے۔ اعراب لگانے والوں نے آیا اپنی رائے سے قرآن کی آیتوں پر زیر زبر پیش لگایا ہے! یا کسی سوسائٹی کے مشورہ سے! یا ضرورت زمانہ سے مجبور ہو کر یا کسی شرعی حکم کے ماتحت! جن لوگوں کو حقیقت کا علم نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ زمانہ کی ضرورت نے اعراب لگانے پر مجبور کیا اور اسے وہ بدعت حسنہ کہتے ہیں لیکن ابویعلیٰ وبیہقی کی ایک حدیث فیصلہ کر دیتی ہے کہ آیتوں پر اعراب حکم نبوی کے ماتحت لگایا گیا ہے خواہ کسی زمانہ میں لگا۔ لہٰذا جو امر حدیث سے ثابت ہو اس پر بدعت کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ آنحضرت علیہ السّلام خود اس کا حکم دے گئے تھے چنانچہ ملاحظہ ہو:۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْرِبُوا الْقُرْاٰنَ، رواہ البیہقی وابو یعلی (مشکوٰۃ ص۱۸۰)

صغیر ص۳۸ ج۱، منتخب کنز ص۳۸۶ ج۱، تاریخ خطیب ص۶۳ ج۸، بغیۃ الوعاۃ ص۵۷، فضائل ابن کثیر ص۲۰۱)

یہ حکم اپنے عموم کی بنا پر جس طرح شامل ہے تبیین معانی واظہارِ حروف والفاظ عند التلاوت کو اسی طرح عند الکتابۃ حروف والفاظ پر زبر، زیر، پیش، جزم، مدّ، تشدید لگانے کو بھی پس جن لوگوں نے آیاتِ قرآنیہ پر اعراب لگایا ہے اسی شرعی حکم کے ماتحت لگایا ہے، لہذا یہ فعل بدعت حسنہ کا ثبوت یا نظیر نہیں بن سکتا، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے ای ایھا العلماء بینوا ما فی القرآن من بدائع الاعراب (ج۲ ص۶) یعنی او جاننے والو! قرآن مجید کے اعراب کو بیان کرو، زبان سے یا قلم سے دونوں مراد ہو سکتا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

تم الباب الاول فی جمع القرآن۔ ویتلوہ الباب الثانی فی جمع احادیث الرسول النبی الامی علیہ الصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان:

دوسرا باب
کتابت احادیث و جمع روایات
فصل اوّل
پہلا ثبوت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے

خاص

(۱) مکہ معظمہ میں قبیلہ خزاعہ سے ایک شخص نے قبیلہ بنو لیث کا ایک آدمی مار ڈالا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ نے مکہ مکرمہ کی عزت و حرمت نیز اس میں قتل و قتال کی ممانعت سے متعلق ایک خطبہ دیا۔ حاضرین میں سے ایک یمنی شخص ابوشاہ نے عرض کی کہ مجھے یہ باتیں لکھوا دیجئے، آپ نے فرمایا۔ اُكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ (بخاری احمدی ص۲۲ ج۱، مسلم ص۴۳۹ ج۱) یعنی میری یہ حدیث ابوشاہ کو لکھ دو۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضہ کو ایک صحیفہ (رسالہ) لکھوایا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنِ النَّبِيِّ إِلَّا الْقُرْآنَ وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ (ص۴۵۱ ج۱) اس صحیفہ میں مدینہ کا حرم ہونا، مسائل جراحات، اونٹوں کی عمریں، احکام ذمیاں، کسی دوسرے کو باپ یا مولیٰ بنانے کی ممانعت، ذبح لغیر اللہ کی حرمت، علامات ارضیہ کی چوری پر لعنت، والدین کو برا کہنے پر لعنت، بدعتی کو ٹھکانا دینے پر لعنت وغیرہ مختلف مسائل مرقوم تھے، (صحیح مسلم ص۴۴۲ ج۱، ص۴۹۵ ج۱، ص۱۶۱ ج۲)

(۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رافع بن خدیج کو اپنی تمام حدیثوں کے لکھنے کا حکم دیا تھا۔ طبرانی کبیر میں ہے عَنْ رَافِعٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نَسْمَعُ مِنْكَ أَشْيَاءَ فَنَكْتُبُهَا، قَالَ اكْتُبُوا وَلَا حَرَجَ (منتخب کنز العمال ص۲۵۹ ج۴، مجمع الزوائد ص۱۵۱ ج۱) یعنی یا رسول اللہ! ہم لوگ آپ سے سنی ہوئی حدیثوں کو لکھ لیا کریں۔ فرمایا لکھ لو کوئی حرج نہیں ہے، اس میں حکم کتابت بصیغہ جمع فرمایا ہے، جو سب صحابہ کو شامل ہے، جامع ترمذی میں آیا ہے کہ ایک مرد انصاری (غالباً رافع) کو آپ نے

فرمایا تھا۔ اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ وَاَوْمَأَ بِيَدِهٖ لِلْخَطِّ (ص ۳۸۲) یعنی میری حدیثیں لکھ لیا کرو، اور طبرانی میں ہے، اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ عَلٰى حِفْظِكَ (کنوز الحقائق ص ۳۵ ج ۱)

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو بھی اپنی تمام حدیثوں کے لکھنے کا حکم دیا تھا اِسْتَأْذَنَ فِى الْكِتَابِ عَنْهُ فَاَذِنَ لَهٗ (مسند احمد ص ۲۰۳ ج ۲۔ استیعاب برحاشیہ اصابہ ص ۳۴۷ ج ۲ شرح معانی الآثار ص ۳۸۴ ج ۲) چنانچہ آپ کا یہ اذن دینا بصیغہ امر بھی مروی ہے اُكْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا الْحَقُّ (ابوداؤد مصری ص ۸۱ ج ۲ و مسند احمد مصری ص ۱۶۲ و ص ۱۹۲ ج ۲ و مسند دارمی ص ۶۷ و مستدرک حاکم ص ۱۰۶ ج ۱) یعنی میرے منہ سے حق نکلتا ہے پس اسے لکھ لیا کرو۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا غلام حضرت عداء صحابی کے ہاتھ فروخت کیا تو ایک نوشتہ (بیع) لکھوا کر مرحمت فرمایا تھا، چنانچہ عداء کہتے ہیں۔ کَتَبَ لِیْ ... بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدٍ مِنْ مُحَمَّدٍ الخ (استیعاب مع الاصابہ ص ۱۶۲ ج ۳ و صحیح بخاری احمدی ص ۲۷۹ ج ۱) حضرت عداء زمانہ تابعین میں اس تحریر کو سب لوگوں کو دکھلاتے اور پڑھ پڑھ کے سنایا کرتے تھے (ترمذی ص ۱۹۶ و استیعاب ص ۱۶۲ ج ۳) یہ تحریر محدثین کے پاس ہمیشہ محفوظ رہی (استیعاب ص ۱۶۱ ج ۲)۔

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ صحابی کو تحریر بھیجی کہ اپنے ملک (نجد) سے مکہ والوں کے لئے غلہ بھیجنا بند نہ کرے کَتَبَ النَّبِیُّ اِلٰى ثُمَامَةَ بْنِ اُثَالٍ يُخَلِّیْ بَيْنَ اَهْلِ مَكَّةَ وَبَيْنَ الْحَمْلِ اِلَيْهِمْ۔ (فتح الباری انصاری ص ۱۷ ج ۱ و سیرۃ ابن ہشام ص ۹۲ ج ۲ و مبسوط سرخسی ابواب السیر)

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی بعض سیاسی ضرورتوں کو ملحوظ رکھ کر ان کے ناموں کو لکھنے کا حکم دیا تھا اُكْتُبُوْا لِیْ مَنْ تَلَفَّظَ بِالْاِسْلَامِ (بخاری ص ۴۳۰ ج ۱۔ سنن بیہقی ص ۲۶۳ ج ۷) قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ كُتِبْتُ فِىْ غَزْوَةِ كَذَا (بخاری حوالہ مذکورہ) یعنی تمام مسلمانوں کے نام لکھو، ایک صحابی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میرا نام فلاں لڑائی کے لئے لکھا گیا ہے۔

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں شرائط صلح لکھوا کر سہیل بن عمرو کو دی تھیں، یہ صلح نامہ تمام کتب حدیث و سیر میں منقول ہے صحیحین میں وارد ہوا كَتَبَ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ الخ (بخاری احمدی ص ۳۷۱ ج ۱ و مسلم ص ۱۰۴ ج ۲) اسکی ایک نقل قریش نے لی ایک آپ نے اپنے پاس رکھی (ابن سعد مغازی ص ۷۱)۔

(۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے جو صلح کی اُسے لکھوایا کَتَبَ النَّبِیُّ کِتَابًا وَادَعَ فِیْهِ یَهُوْدًا الخ (سیرۃ ابن ہشام ص ۱۷۸ ج ۱) ایک اور بھی صحیفہ امن لکھوا کر یہود کو دیا گیا تھا، سنن ابی داؤد میں ہے کَتَبَ النَّبِیُّ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ عَامَّةً صَحِیْفَةً (مصری ص ۲۵ ج ۲) حضرت سلمان فارسی کو غلامی سے آزاد کرانے کے لئے اُن کے یہودی مالک کو آپ نے تحریر بھیجی تھی (تاریخ خطیب ص ۱۷۰ ج ۱) یہود خیبر کو ایک مقتول صحابی کی دیت (خون بہا) ادا کرنے کے لئے تحریر بھیجی کَتَبَ النَّبِیُّ اَمَّا اَنْ یَّدُوْا صَاحِبَکُمْ وَاِمَّا اَنْ یُّؤْذِنُوْا بِحَرْبٍ (بخاری احمدی ص ۱۰۶۱ و ص ۱۰۶۷، مسلم ص ۵۶ ج ۲ نسائی ص ۲۰۷، ابوداود مصری ص ۱۲۷ ج ۲ - ابن ماجہ مصری ص ۳۰۷ ج ۲) یعنی مقتول کی دیت ادا کرو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداران عرب و شاہان عجم کو دعوتِ اسلام کی تحریریں بھیجی تھیں، جو کتب حدیث و سیر میں بہ تفصیل مرقوم ہیں، صحیح مسلم میں ہے کَتَبَ النَّبِیُّ اِلٰی کِسْرٰی وَقَیْصَرَ وَالنَّجَاشِیِّ وَاِلٰی کُلِّ جَبَّارٍ یَدْعُوْهُمْ اِلَی اللّٰهِ (ص ۹۹ ج ۲) وَکَتَبَ اِلٰی مَلِكِ اَیْلَةَ (مسلم ص ۲۴۶ ج ۲ و ابن ہشام ص ۲۰ ج ۲) وَکَتَبَ اِلٰی مُلُوْكِ حِمْیَرَ (کتاب الخراج لیحیی مطبوعہ مصر ص ۱۱۹) وَکَتَبَ اِلٰی کِسْرٰی (تاریخ خطیب ص ۱۳۲ ج ۱) یعنی آپ نے خسرو پرویز، قیصر روم، شاہ حبش، شاہ اَیلہ، شاہانِ حمیر اور ہر صاحب جبروت والیٔ ملک کے پاس اپنی تحریریں بھیجیں، ہندوستان کے راجہ سری بانک کے پاس حذیفہ و اسامہ وغیرہ دس صحابیوں کی معرفت دعوتِ اسلام کی تحریر بھیجی فَاَجَابَ وَاَسْلَمَ وَقَبَّلَ کِتَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (میزان للذہبی ج ۱ ص ۹۱ ترجمہ اسحاق بن ابراہیم طوسی) اُس راجہ نے دعوت قبول کی اور اسلام لایا اور آپ کی تحریر کو بوسہ دیا۔ اسی طرح منذر والیٔ عمان کو تحریر بھیجی، واقدی کہتا ہے کہ میں نے یہ تحریر دیکھی ہے (زاد المعاد ص ۵۸ ج ۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن تحریروں کی نقلیں زاد المعاد لابن قیم، خاتمہ نصب الرایہ للزیلعی اور اعلام السائلین فی مکاتیب سید المرسلین مطبوعہ مصر میں مفصل موجود ہیں۔ مَنْ شَاءَ فَلْیَرْجِعْ اِلَیْهَا۔

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ پیشتر قبیلہ جہینہ والوں کو یہ حدیث لکھوا کر بھجوائی جیسا کہ ابن حکیم کہتے ہیں قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَکِیْمٍ اَتَانَا کِتَابُ النَّبِیِّ اَنْ لَّا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَیْتَةِ الخ (منتقی ص ۸، مشکوٰۃ ص ۵۴، طبرانی صغیر ص ۱۲۸ و ص ۲۱۷، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، دار قطنی، بیہقی ابن حبان وغیرہا)۔

(۱۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں، احکام ضروریہ (جزیرۂ عرب سے مشرکین کا اخراج وفود کی خاطرداری، تجہیز جیشِ اُسامہ رضہ، قبر نبوی کو وثن نہ بنانے، خلافت ابی بکر صدیق رضہ وغیرہ) لکھوانے کو قلم دوات کا غذ طلب فرمایا تھا، قَالَ اِئْتُوْنِیْ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَاباً (بخاری احمدی ص۴۹ ج۱، ص۴۲۹ ج۲، ومسلم ص۴۲ ج۱ وص۴۳ ج۲)

(۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک یمن کے شہر جرش والوں کو مسئلہ نبیذ لکھوا کر بھجوایا تھا، کَتَبَ اِلٰی اَھْلِ جُرَشٍ یَنْھَاھُمْ عَنْ خَلِیْطِ التَّمْرِ وَالزَّبِیْبِ (مسلم ص۱۶۲ ج۲) یعنی کشمش اور خرما کو ملا کر مت بھگو، یہی حکم ہجر والوں کو لکھوا کر بھیجا تھا کَتَبَ اِلٰی ھَجَرٍ اَنْ تَخْلِطُوْا الزَّبِیْبَ وَالتَّمْرَ جَمِیْعاً (نسائی ص۸۱۹)

(۱۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم بن حارث تمیمی کو کچھ وصیتیں لکھوا کر مہر کر کے مرحمت فرمائی تھیں قَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنِّیْ سَاَکْتُبُ لَکَ بِالْوَصَاۃِ بَعْدِیْ قَالَ فَفَعَلَ وَخَتَمَ عَلَیْہِ (ابوداؤد مصری ص۲۱۱ ج۲)

(۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے پاس یمن میں تعزیت نامہ لکھوا کر روانہ فرمایا تھا قَالَ مَحْمُوْدُ بْنُ لَبِیْدٍ مَاتَ ابْنٌ لِمُعَاذٍ فَکَتَبَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَزِّیْہِ عَلَیْہِ الحدیث (مستدرک حاکم ص۲۷۳ ج۳ وتاریخ خطیب ص۸۹ ج۲ وطبرانی وابن مردویہ) یعنی مدینہ میں حضرت معاذ کا لڑکا مر گیا اور معاذ یمن میں تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے پاس تسلی کی تحریر بھیجی تھی،

(۱۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے پاس یمن میں حسب ذیل احکام لکھوا کر بھجوائے تھے، کَتَبَ اِلٰی مُعَاذٍ بِالْیَمَنِ اَنْ یَّاْخُذَ مِنْ کُلِّ حَالِمٍ وَحَالِمَۃٍ دِیْنَارًا (کتاب الخراج لیحیی مطبوعہ مصر ص۷۲ ومراسیل ابی داؤد مطبوعہ مصر ص۱۰ وتاریخ خطیب ص۳۵ ج۸) وَکَتَبَ فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ وَمَا سُقِیَ بِالْغَرْبِ فَنِصْفُہٗ (الخراج ص۱۱۵-۱۱۶) وَکَتَبَ اِنَّمَا الصَّدَقَۃُ فِی الْحِنْطَۃِ وَالتَّمْرِ وَالشَّعِیْرِ وَالزَّبِیْبِ (ایضاً ص۱۲۹) وَکَتَبَ مُعَاذٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْاَلُہٗ عَنِ الْخَضْرَاوَاتِ (ترمذی ص۱۱۶ ج۱ ودار قطنی ص۲۰۱ ج۱) یعنی ہر غیر مسلم بالغ مرد وزن سے ایک ایک دینار جزیہ لیں، بارش سے جو غلہ پیدا ہو اُس میں سے دسواں حصہ لیں ڈول سے جو کھیت سینچا جائے اُس سے بیسواں حصہ لیں، صرف چار چیزوں (جو یمن کی خاص پیداوار ہیں) میں زکوٰۃ لیں، گیہوں، جو، خرما اور کشمش میں، سبزی اور ترکاری میں زکوٰۃ نہ لیں، یہ مبارک تحریر نبوی، موسیٰ بن طلحہ تابعی کے پاس یادگار کے طور پر محفوظ تھی، (دار قطنی ص۲۰۱)

(۱۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو ایک اور حکم بھی تحریر کرا کے روانہ فرمایا تھا جو یہ

سے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ أَنْ يُؤْخَذَ مِنَ الْعَسَلِ الْعُشْرُ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ (فتح الباری انصاری ص۵۱ پ و نصب الرایہ للزیلعی ص۴۱ ج۱) یعنی شہد (جو یمن میں بکثرت پیدا ہوتا ہے) کی بھی زکوٰۃ سے دسواں حصہ ادا کریں۔

(۱۸) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ والوں کو دیت کے مسائل لکھوا کر بھجوائے تھے، كَتَبَ النَّبِيُّ عَلَى كُلِّ بَطْنٍ عُقُولَهُ ثُمَّ كَتَبَ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَتَوَلَّى رَجُلٌ مُسْلِمٌ بِغَيْرِ إِذْنِهِ وَإِنَّهُ لَعَنَ فِي صَحِيفَتِهِ مَنْ فَعَلَ ذَالِكَ (صحیح مسلم ص۴۹۵ ج۱) یعنی آپ نے ہر اہل قبیلہ کو خون بہا کی تفصیل لکھوائی اور یہ بھی لکھوایا کہ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی مسلمان کے آزاد کردہ غلام کا متولی بغیر اجازت معتق کے بن جائے اور جو ایسا کریگا وہ ملعون ہے، وَكَتَبَ النَّبِيُّ لِجَمَاعَةٍ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ (ابوداؤد مصری ص۴۲ ج۲) یعنی مجاعہ صحابی کو اُس کے بھائی کا خون بہا سو اونٹوں کا آپ نے لکھ دیا تھا۔

(۱۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضحاک صحابی کو لکھا تھا کہ اشیم ضبابی کی دیت سے اسکی بیوی کو ورثہ دے قَالَ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ كَتَبَ إِلَيَّ النَّبِيُّ أَنْ أُوَرِّثَ امْرَأَةَ أَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا (مشکوٰۃ ص۲۵۰، ترمذی ص۲۰۰، دار قطنی ص۴۸۵ ج۲، ابوداؤد مصری ص۲۵ ج۲ و تاریخ خطیب بغدادی ص۳ و ص۲۴۴ ج۸) یعنی بیوی مقتول شوہر کے خونبہا سے حصہ پائے گی۔

(۲۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوزہیر بن اقیش کو بشرط اسلام ایک امان نامہ چرمی قطعہ پر تحریر فرما دیا تھا دَخَلَ رَجُلٌ مَعَهُ قِطْعَةُ أَدِيمٍ قَالَ لِي هٰذِهٖ رَسُولُ اللهِ الخ (نسائی ص۱۳۹، ابوداؤد مصری ص۲۵،۴۴ ج۲) اسی طرح عمیر ذی مُرّان اور عک ذی خیوان کو بھی امان نامے لکھوا دیئے تھے كَتَبَ النَّبِيُّ إِلَى عُمَيْرٍ وَعَكٍّ الخ (ابوداؤد مصری ص۲۹ ج۲ و طبرانی وغیرہ)۔

(۲۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض خیبر کو ۳۶ حصوں میں تقسیم فرما کر نصف یعنی ۱۸ حصے اسلامی ضرورتوں کے لئے اپنے پاس رکھے اور بقیہ نصف (۱۸ حصے) صحابہ کرام میں تقسیم کر دیئے، ایک حصہ میں سو صحابی، اور ہر بیوی (ام المومنین) کو ایک ایک سو وسق (پیمانہ) اناج و خرما مرحمت فرمایا، یہ سارا تقسیم نامہ تحریری صورت میں تھا، جیسا کہ محدث یحییٰ بن آدم قریشی اپنی کتاب الخراج میں روایت لائے ہیں فَكَتَبَ فِيهَا النَّبِيُّ لِلنَّاسِ (الی) كَتَبَهُ لِكُلِّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ ثَمَانُونَ وَسْقًا تَمْرًا وَعِشْرُونَ حَبًّا ..... (مصری ص۳۸) یعنی صحابہ کے لئے بھی تحریر کر دیا اور اپنی بیوں کے لئے بھی)

(۲۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے علاوہ زمین مذکورہ کے دوسرے مقاموں کی زمینیں بھی صحابہ کرام کو مرحمت فرمائیں اور ان کو پٹہ لکھ دیا تھا، دیکھو صحیح بخاری احمدی باب کتابۃ القطائع ص ج ۱، دَعَا النَّبِیُّ الْاَنْصَارَ لِیَکْتُبَ لَھُمْ بِالْبَحْرَیْنِ الخ (بخاری احمدی ص ج ۱) یعنی انصار کو علاقہ بحرین کی زمینیں لکھوائیں، حریث بخدی کے لئے ارض دھنار لکھنے کا حکم دیا، اُکْتُبْ لَہٗ یَا غُلَامُ بِالدَّھْنَاءِ (ابوداود مصری ص ج ۲) بلال بن حارث مزنی کو مدینہ سے قریب ساحلی مقام "قبل" کی پست و بلند زمین اور جبل قدس کے دامن کی زمین لکھ دی تھی کَتَبَ لَہُ النَّبِیُّ الخ (ابوداود مصری ص ج ۲، مسند احمد ص ج ۱، مستدرک حاکم ص ج ۳) -

(۲۳) آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر صحابی رض کو جب وہ اپنے وطن حضرموت کو واپس جانے لگے تھے تین نوشتے مختلف مسائل (نماز، زکوٰۃ، ربٰو، بیع، نکاح، شغار، حقوق بیامی، حرمت اشیاء مسکرہ وغیرہ کے) لکھوا کر مرحمت فرمائے تھے جیسا کہ حضرت وائل خود کہتے ہیں اَمَرَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ بِکُتُبٍ ثَلَاثَۃٍ الخ (طبرانی صغیر ص ۲۴۲) یعنی میرے لئے تین نوشتے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تحریر کروائے تھے،

(۲۴) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں کے لکھنے والوں کو مغفرت کی بشارت دی ہے قَالَ مَنْ کَتَبَ عَنِّیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا رِجَاءَ اَنْ یَغْفِرَ اللّٰہُ لَہٗ غُفِرَ لَہٗ رَوَاہُ ابْنُ الْجَوْزِیْ (منتخب کنز العمال ص ج ۴ بر حاشیہ مسند احمد) یعنی جو شخص میری چالیس حدیثیں بامید مغفرت لکھے گا، اللہ تعالے اسے بخش دیگا، سبحان اللہ! -

(۲۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کو سندوں کے ساتھ لکھنے کا حکم دیا ہے عَنِ الْحُسَیْنِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ اِذَا کَتَبْتُمُ الْحَدِیْثَ فَاکْتُبُوْہُ بِاِسْنَادِہٖ الخ (بغیۃ الوعاۃ للسیوطی مطبوعہ مصر ص ۵۴) آپ نے فرمایا تم حدیثیں لکھو تو ان کی سندوں (راویوں کے ناموں) کے ساتھ لکھنا، (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، نیز انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی کہا ہے، کما سیجیئی :

عام

احادیث فعلیہ

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اواخر عمر میں تمام ماتحت حاکموں کے پاس بھیجنے کے لئے اپنی وہ تمام حدیثیں جن میں زکوٰۃ کے مسائل مذکور تھے تحریری صورت میں ایک جگہ جمع کرا دی تھیں جس کا نام کتاب الصدقہ تھا (یہ کتاب حدیث کی پہلی کتاب ہے جو بحکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھی گئی)، سنن ابی داؤد اور بیہقی وغیرہ میں ہے عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ كِتَابَ الصَّدَقَةِ فَلَمْ يُخْرِجْ إِلَى عُمَّالِهِ حَتّٰى قُبِضَ فَعَمِلَ بِهِ أَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى قُبِضَ ثُمَّ عَمِلَ بِهِ عُمَرُ حَتّٰى قُبِضَ ... وَهِيَ عِنْدَ آلِ عُمَرَ قَالَ الزُّهْرِيُّ أَقْرَأَنِيْهَا سَالِمٌ فَوَعَيْتُهَا وَهِيَ الَّتِي انْتَسَخَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ (ابوداود مصری صـ۵۶ ج ا السنن بیہقی صـ۸۸ ج ۴ مستدرک حاکم صـ۳۹۲ ج ا صـ۳۹۲) یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ لکھوائی پھر آپ کا انتقال ہو گیا اور کتاب عاملوں کے پاس نہ جا سکی، آپ کے بعد اس کا نفاذ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا، صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت عمر رضہ نے، یہ کتاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں (محفوظ) رہی، چنانچہ آپ کے پوتے سالم نے یہ کتاب امام زہری کو پڑھنے کے لئے دی، جسے زہری نے حفظ کر لیا، نیز اس کی نقل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عبداللہ بن عمر رضہ کے دو بیٹوں سے لے کر کرائی تھی، انتہیٰ۔

روایت بالا کے فقرہ "عمل بہ ابو بکر" کی تفصیل صحیح بخاری میں یوں آئی ہے،

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لِأَنَسٍ هٰذَا الْكِتَابَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری احمدی صـ۱۹۵ ج ا) وَعَلَيْهِ خَاتَمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ابوداود حوالہ مرقوم بیہقی صـ۸۵ ج ۴ مستدرک صـ۳۹۰) یعنی حضرت صدیق اکبر رضہ نے حضرت انس رضہ کو بحرین بھیجنے کے وقت "کتاب الصدقہ" جس پر مہر نبوی ثبت تھی مرحمت فرمائی تھی، نیز ملاحظہ ہو سنن دار قطنی صـ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۱۰ و سنن کبریٰ للبیہقی صـ۸۵، ۸۶ ج ۴۔

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخر عہد میں حدیثوں کی ایک ضخیم کتاب جس میں تلاوت قرآن مجید، نماز، زکوٰۃ، طلاق، عتاق، قصاص، دیت وغیرہ نیز فرائض و سنن اور کبیرہ گناہوں

کی تفصیل تحریر کرا کے عمرو بن حزم صحابی کی معرفت یمن والوں کے پاس بھجوائی تھی جیسا کہ سنن مجتبیٰ میں ہے
اَنَّ النَّبِیَّ کَتَبَ اِلٰی اَھْلِ الْیَمَنِ کِتَابًا فِیْہِ الْفَرَائِضُ وَالسُّنَنُ وَالدِّیَاتُ وَبَعَثَ بِہٖ مَعَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ۔ الخ (نسائی ص ۲۸۱ ج ۲، مراسیل ابی داؤد ص ۲۸، سنن دار قطنی ص ۴۸۵ ج ۲، مسند دارمی ص ۲۱۰، موطا مالک ص ۳۲۲، مسند شافعی ص ۱۹۵، کتاب الام للشافعی ص ۴۶ ج ۴، سنن بیہقی ص ۸۹ ج ۴، مستدرک حاکم ص ۳۹۵ ج ۱، کنز العمال ص ۱۸۶ ج ۱، منتقی الاخبار ص ۲۵۵، منتقی ابن الجارود ص ۲۶۱، مشکوٰۃ ص ۱۹۵، بلوغ المرام ص ۱۴۲، جامع بیان العلم ص ۷۱ ج ۱، تاریخ بغداد للخطیب ص ۲۲۸ ج ۸، کتاب الخراج لیحییٰ ص ۱۱۹، فتح الباری انصاری پ ۲۵ ص ۳۸۲، تفسیر ابن کثیر ص ۴۹ ج ۲، مسند احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان وغیرہ)

جامعیت مسائل کے لحاظ سے اس کتاب کو حدیث کی پہلی کتاب کہنا چاہئے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لکھوائی، اور جب کہ اس کتاب میں اتنے کثیر مسئلوں کی حدیثیں لکھی اور جمع کی گئی تھیں تو سمجھنا چاہئے کہ یہ کتاب کافی ضخیم ہوگی۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں ھُوَ کِتَابٌ عَظِیْمٌ فِیْہِ اَنْوَاعٌ کَثِیْرَۃٌ مِنَ الْفِقْہِ فِی الزَّکوٰۃِ وَالدِّیَاتِ وَالْاَحْکَامِ وَذِکْرِ الْکَبَائِرِ وَالطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ وَاَحْکَامِ الصَّلوٰۃِ وَمَسِّ الْمُصْحَفِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ لَاشَکَّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَہٗ (زاد المعاد طبع کانپور ص ۳۰ ج ۱) یعنی یہ کتاب جسکی بابت امام احمد رضؒ نے فرمایا ہے کہ بلاشک یہ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی لکھوائی ہوئی ہے ایک بڑی کتاب ہے اسمیں بہت سے مسائل شرعیہ لکھے ہوئے تھے، جیسے زکوٰۃ، دیات، کبائر، احکام، طلاق، عتاق، نماز، قرآن چھونے اور بہت سے مسئلے اس میں مرقوم تھے، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت چاہیئے!

احادیث قولیہ

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے علم حدیث کو تحریر میں لانے کا حکم عام مرحمت فرمایا ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ النَّبِیُّ قَیِّدُوا الْعِلْمَ قُلْتُ وَمَا تَقْیِیْدُہٗ؟ قَالَ کِتَابَتُہٗ (مستدرک حاکم ص ۱۰۶ ج ۱، تاریخ بغداد للخطیب ص ۴۶ ج ۱، جامع بیان العلم ص ۷۳ ج ۱، جامع صغیر للسیوطی ص ۲ ج ۲، کنوز الحقائق المناوی ص ۱۲۸ ج ۲، رسالہ ناسخ منسوخ لابن الجوزی ص ۱۳) آپ نے فرمایا کہ علم حدیث کو قید میں لاؤ۔ صحابی نے پوچھا کہ قید سے کیا مراد ہے، فرمایا قید تحریر میں لانا، اسی طرح کا حکم موقوفاً

حضرت عمر، عبداللہ بن عمر، ابن عباس اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کما میجیی۔

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام صحابہ کو عام طور سے حدیثیں لکھنے کا حکم مرحمت فرمایا تھا، جیسا کہ اوپر ۳ میں مذکور ہوا، وہ حکم یہ ہے اُکْتُبُوْا وَلَا حَرَجَ (مجمع الزوائد ص۱۵۱ ج۱ ومنتخب کنز ص۵۵ ج۴) یعنی حدیثیں لکھو، اب کوئی حرج نہیں رہا (پہلے منع تھا جو منسوخ ہو گیا)، چنانچہ صحابۂ کرام نے اس پر جیسا عمل کیا، اس کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

فصل دوم

دوسرا ثبوت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے

(بعض حدیثوں کا لکھنا)

(۱) مغیرہ بن شعبہ رضہ نے حضرت معاویہ رضہ کو ایک بار ایک حدیث لکھ کر بھیجی (بخاری احمدی ص۲۰۰ ج ۱ و ص۹۳۷ ج ۲ ومسلم ص۲۱۸ ج ۱) پھر دوسری بار دوسری حدیث لکھ کر روانہ کی (بخاری ص۹۵۸ و ص۹۷۹ ج ۲ ومسلم ص۷۶ ج ۲)

(۲) حضرت معاویہ رضہ نے مروان کو حدیث شغار لکھ کر بھیجی تھی (ابوداؤد مصری ص۲۰۶ ج ۱ ومسند احمد ص۹۴ ج ۴) نیز زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث سن کر اُسے لکھ لینے کا حکم دیا تھا، (ابوداؤد مصری ص۸۱ ج ۲ مسند احمد ص۱۸۲ ج ۵، وجامع بیان العلم ص۱۳ ج ۲)

(۳) فاطمہ بنت قیس صحابیہ رضہ نے ابوسلمہ کو حدیث لکھوائی تھی قَالَ کَتَبَ اَبِی وَکَتَبْتُ لَہٗ اِلٰی عُبَیْدِ اللہِ الخ (صحیح مسلم ص۱۴۸ ج ۱)

(۴) ابوبکرہ صحابی رضہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے دوسرے بیٹے عبیداللہ کے پاس حدیث لکھوا کر بھیجی تھی قَالَ کَتَبَ اَبِیْ وَکَتَبْتُ لَہٗ اِلٰی عُبَیْدِ اللہِ الخ (مسلم ص۷۵ ج ۲)

(۵) عبداللہ بن ابی اوفیٰ صحابی رضہ نے عمر بن عبیداللہ کی طرف حدیث تحریر کر کے روانہ کی تھی (بخاری ص۲۵ ج ۱۴ و ص۴۲۵ ج ۱)۔

(۶) ابو سعید خدری صحابی رضؓ تشہد والی حدیث تحریر کرنے کے مقر ہیں (ابوداؤد مع عون المعبود ص۵۷ ج ۲)

(۷) جابر بن سمرہ رضؓ صحابی نے عامر بن سعد کو حدیث خلفاء قریش تحریر کر کے بھیجی تھی (مسلم ص۱۱۹ ج۲) حدیث ذکر حوض کوثر لکھ کر دوسری بار روانہ کی (مسلم ص۲۵۲ ج۲) غالباً انہیں جابر کی بابت حافظ ابن عبد البرؒ نے جامع بیان العلم میں تحریر کیا ہے قَالَ الرَّبِيعُ رَأَيْتُ جَابِرًا يَكْتُبُ فِي الْأَلْوَاحِ (ص۷۲ ج۱) یعنی جابرؓ تختیوں میں حدیثیں لکھتے تھے،

(۸) رافع بن خدیج رضؓ صحابی جنہوں نے حدیث لکھنے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی (دیکھو ثبوت اوّل کا نمبر۳) اُن کے حدیث لکھنے کا ثبوت ملاحظہ ہو، وہ مروان سے کہتے ہیں ذٰلِكَ (الحديث مكتوب) عِنْدَنَا فِي أَدِيمٍ خَوْلَانِيٍّ إِنْ شِئْتَ أَقْرَأْتُكَهُ (صحیح مسلم ص۴۴۰ ج۱ مسند احمد ص۱۴۱ ج۴) یعنی مدینہ کے حرم ہونے کی حدیث میرے پاس خولانی چرم کے فرد پر لکھی ہوئی ہے اگر چاہو تو اُسے لاکر تمہیں سنا دوں۔

(۹) حضرت ابن عباس رضؓ حضرت ابو رافع رضؓ سے حدیثیں سن کر لکھا کرتے تھے (ابن سعد ص۱۲۳ ج۲) پھر دوسروں کو بھی حدیث لکھ کر دیا کرتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ مدعیٰ علیہ پر قسم کی حدیث ابن عباس نے ابن ابی مُلیکہ کو بھیجی (بخاری احمدی ص۲۶۷ ج) صحیح مسلم میں ہے کہ نجدہ حروری کو ابن عباس نے یہ حدیث لکھی كَانَ النَّبِيُّ يَغْزُوْا بِالنِّسَاءِ الخ (مسلم ص۱۱۶ ج۲) چنانچہ ابن عباس کی لکھوائی ہوئی حدیثوں کی کتاب اہل طائف کے پاس موجود تھی (ترمذی ص۵۶۳) ابن عباس کا یہ قول بھی منقول ہے قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ (جامع بیان العلم ص۷۲ ج۱) یعنی علم حدیث کو قیدِ تحریر میں لاؤ۔

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد نبوی میں ایک روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھی پھر لکھ کر آپ کو سنائی قَالَ سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ فَكَتَبْتُهَا فَعَرَضْتُهَا عَلَيْهِ (مستدرک حاکم ص۵۷ ج۲) اپنے ایک بیٹے کو بھی ایک حدیث لکھنے کا حکم دیا قَالَ فَقُلْتُ لِابْنِي اكْتُبْهُ (صحیح مسلم ص۶۴ ج۱) یعنی اے بیٹے! اس حدیث کو لکھ لو۔ اُس نے لکھ لیا۔ پھر اپنے دو بیٹوں کو عام طور سے تمام حدیثوں کو تحریر میں لانے کا حکم دیا، جیساکہ محدث خطیب

بغدادی نے اپنی کتاب شرف اصحاب الحدیث میں نقل کیا ہے اِنَّ اَنَسًا اَمَرَ النَّضْرَ وَمُوْسٰی اِبْنَیْہِمَا بِکِتَابَۃِ الْحَدِیْثِ وَالْاِسْنَادِ عَنِ النَّبِیِّ (ص) وَتَعَلُّمِہَا (ص۹ طبع دہلی) یعنی انس رض نے اپنے دو بیٹوں نضر اور موسیٰ کو حدیث نبوی سیکھنے اور اُن کو سند کے ساتھ لکھنے کا حکم دیا تھا، پھر جب اُن کو اللہ نے بہت سے بیٹے دیئے (بہ دعائے رسول) جن کی تعداد قریب ۱۲۹ کے ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے دُفِنَ لِصُلْبِیْ ... بِضْعٌ وَعِشْرُوْنَ وَمِائَۃٌ مطبوع احمدی ص۲۶۶ ج ۱) تو اپنے سب بیٹوں کو حدیثیں لکھنے کا حکم دیا۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ لِبَنِیْہِ قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتٰبِ (دارمی ص۶۸، مستدرک حاکم ص۱۰۶ ج ۱، جامع بیان العلم ص۷۳ ج ۱) یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تمام بیٹوں سے فرماتے کہ علم حدیث کو قید تحریر میں لاؤ۔ ابان کا انس سے حدیث لکھنا دارمی ص۶۸ میں منقول ہے، فَتِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ ؛

صحابہ کا تمام حدیثوں کا لکھنا

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو تمام حدیثیں لکھنے کا حکم (ملنا) ثبوت اوّل کے نمبر ۲ میں بیان ہو چکا ہے، اب اُن کا عمل سنئے،

اِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو کَانَ یَکْتُبُ الخ (بخاری احمدی ص۲۲ ج ۱، ترمذی ص۳۸۲ وص۵۴ دارمی ص۶۷) حضرت عبداللہ ساری حدیثیں لکھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر لکھا کرتے تھے (دارمی ص۶۸) ان تمام احادیث کے مجموعہ کا نام انہوں نے صحیفہ صادقہ رکھا تھا، چنانچہ فرمایا کرتے مَا یُرَغِّبُنِیْ فِی الْحَیٰوۃِ اِلَّا الصَّادِقَۃُ وَہِیَ صَحِیْفَۃٌ کَتَبْتُہَا مِنَ النَّبِیِّ (داری ص۱۶۸ ابن سعد ص۱۲۵ ج ۲ جامع بیان العلم ص۷۲ ج ۱) یعنی یہ حدیث کی کتاب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھی ہے اس لئے میری تمنا ہے، کہ میں ابھی کچھ دنوں اور زندہ رہوں تاکہ اس سے فائدہ اُٹھاؤں وہ اس صحیفہ (کتاب) کو مختلف لوگوں کو دکھلایا کرتے تھے، چنانچہ ترمذی میں ہے، اَلْقٰی عَبْدُ اللّٰہِ اِلٰی اَبِیْ رَاشِدٍ صَحِیْفَۃً فَقَالَ ھٰذَا مَا کَتَبَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ فَنَظَرْتُ فِیْہَا الخ (ص۵۰۰) یعنی حضرت عبداللہ نے اپنا صحیفہ ابو راشد کو دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوا دیا ہے یہ کتاب اُنکے

پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھی جسے دیکھ دیکھ کر وہ حدیث بیان کرتے تھے اسی وجہ سے آخر ضعف کا حکم لگا (ترمذی ص۳۵ و ص۱۱۶) صحابہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حدیث کی یہ پہلی کتاب ہے،

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے پاس احادیث نبویہ بہت سی کتابوں (جلدوں) میں لکھی ہوئی موجود تھی چنانچہ حسن بن عمرو کہتے ہیں الا انا (ابو هريرة) كتبا كثيرة من حديث النبيؐ وقال هذا هو مكتوب عندى (فتح الباری انصاری پارہ اول ص۲۰۱ وجامع بیان العلم لابن عبد البر ص۷۴ ج۱) ہم کو ابو ہریرہ نے احادیث نبویہ کی بہت سی کتابیں دکھائیں جو اُن کے پاس تھیں، ان کتابوں سے تابعی لوگ حدیثیں نقل کیا کرتے تھے جیسا کہ بشیر بن نہیک کہتے ہیں كنت اخذ الكتب من ابى هريرة فاكتبها (ترمذی ص۵۲۳، دارمی ص۶۸، شرح معانی الآثار طحاوی ص۳۸۵ ج۲، جامع بیان العلم ص۷۲ ج۱) کہ میں ابو ہریرہ سے اُن کی کتابیں لے کر اس سے حدیثیں نقل کیا کرتا تھا حضرت ابو ہریرہ ۵۳۷۴ حدیثوں کے حافظ تھے دیکھو شرح مقدمہ مسلم ص۳ پس ان کتابوں میں یہی سب حدیثیں کو ایک کتاب میں لکھ رکھا تھا، کا لفظ آیا ہے،

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ نے بھی حدیثوں کو ایک کتاب میں لکھ رکھا تھا جسے ان کے بیٹے عبد الرحمٰن لوگوں کو دکھایا کرتے تھے، چنانچہ معن کہتے ہیں اخرج الى عبد الرحمن بن عبد الله ابن مسعود كتابا وحلف لى انه خط ابيه بيده (جامع بیان العلم ص۷۲ ج۱) کہ عبد الرحمٰن نے مجھے حدیث کی ایک کتاب دکھائی پھر قسم کھائی کہ یہ کتاب میرے والد عبد اللہ بن مسعود رضؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے،

خلفاء راشدین کا عمل

(۴) خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے ایک کتاب میں پانسو حدیثیں لکھ رکھی تھیں جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں قالت عائشة جمع ابى الحديث عن النبيؐ فكانت خمس مائة حديث (منتخب کنز العمال ص۲۸۵ ج۴ و تذکرۃ الحفاظ ص۵ ج۱) کہ میرے ابا نے آنحضرت کی حدیثیں لکھنی شروع کیں تو اُن کا شمار پانسو تک پہنچا دا آگے واقعہ تحریق صحیح نہیں)۔

(۵) خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضؓ نے عتبہ بن فرقد کے پاس مقام آذربائیجان حدیث،

نَہَی النَّبِیُّ عَنِ التَّحْوِیْرِ الخ لکھ کر بھیجی تھی (صحیح مسلم ص ۱۹۱ ج ۲) اور تمام صحابہ کو حکم دے رکھا تھا قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتٰبِ (دارمی ص ۶۸، مستدرک حاکم ص ۱۰۶ ج ۱، جامع بیان العلم ص ۷۲ ج ۱) یعنی علم حدیث کو قید تحریر میں لاؤ (یہی قول ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی دارمی ص ۶۹ میں منقول ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بھی تمام حدیثوں کو لکھ کر جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا بلکہ لکھنا بھی شروع کر دیا تھا جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَرَادَ اَنْ یَّکْتُبَ ھٰذِہِ الْاَحَادِیْثَ اَوْکَتَبَھَا (جامع بیان العلم ص ۶۴ ج ۱)۔

(۶) خلیفہ چہارم حضرت علی کا ایک صحیفہ میں حدیثیں لکھنا ثبوت اوّل کے نمبر ۲ میں بیان ہو چکا ہے، اس کے علاوہ ایک کتاب "قضایا" لکھی تھی جس میں احکام قضا کی حدیثیں جمع کی تھیں (مقدمہ مسلم ص ۱۰ ج ۱) اور اپنے محرروں کو حکم دے رکھا تھا کہ اِذَا کَتَبْتُمُ الْحَدِیْثَ فَاکْتُبُوْہُ بِاِسْنَادِہٖ۔ (منتخب کنز العمال ص ۵۸ ج ۴) جب تم احادیث نبویہ کو لکھنے لگو تو اُن کی سندوں کو بھی ساتھ ہی لکھو جن سے تم نے حدیث سنی ہے (ایسا ہی حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی ثبوت اول کے آخری نمبر ۲۵ میں نقل ہو چکا ہے) وَلَعَلَّ فِیْمَا نَقَلْنَاہُ کِفَایَۃٌ لِمَنْ لَّہٗ فَھْمٌ وَّدِرَایَۃٌ ؕ

فصل سوم

تیسرا ثبوت تابعین عظام رحمہم اللہ کے عمل سے

(بعض حدیثوں کا لکھنا)

(۱) نافع تابعی حضرت ابن عمر کے سامنے بیٹھ کر اُن سے حدیثیں سنتے جاتے اور لکھتے جاتے تھے، یَکْتُبُ بَیْنَ یَدَیْہِ (دارمی ص ۶۹) پھر دوسروں کے پاس حدیث لکھ بھیجتے تھے چنانچہ ابن عون کو نافع نے حدیث غزوۂ بنی مصطلق لکھ کر بھیجی تھی (بخاری احمدی ص ۳۴۵ ج ۱ و مسلم ص ۸۳ ج ۲) ایک بار اور بھی انہیں ابن عون کو حدیث نَفَّلَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ بَعِیْرًا والی نافع نے تحریر کر کے روانہ کی تھی (صحیح مسلم ص ۸۶ ج ۲) یعنی مسئلہ انفال کی تفصیل کی حدیث،

(۲) عمر بن عبداللہ بن ارقم تابعی نے عبداللہ بن عتبہ کو حدیث عدتِ حاملہ یعنی قصہ سبیعہ صحابیہ مع جواب نبوی کے لکھ کر بھیجا تھا۔ (مسلم ص ۴۸۶ ج ۱)۔

(۳) عبداللہ بن محمد تابعی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیثیں سن سن کر لکھ لیا کرتے تھے جیسا کہ وہ خود کہتے

ہیں قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ کُنَّا نَاتِیْ جَابِرًا فَنَسْأَلُہٗ عَنْ سُنَنِ النَّبِیِّ صلعم فَنَکْتُبُھَا (شرح معانی الآثار للطحاوی صہ۳۸ ج ۲) ترجمہ بیان ہو چکا۔

(۴) وہب بن منبہؒ تابعی نے حضرت جابر رضؓ کی تمام حدیثوں کا مجموعہ لکھ کر تیار کیا تھا جو اسمٰعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا، (تہذیب التہذیب جلد اوّل صہ۲۱۶)

(۵) سلیمان بن قیس یشکری تابعی نے حضرت جابر رضؓ کی حدیثوں کا دوسرا مجموعہ لکھ کر بنایا تھا جس سے امام شعبی تابعی وغیرہ نے حدیثیں نقل کی ہیں (تہذیب التہذیب صہ۲۱۱ ج ۶)

(۶) سلیمان بن سمرہ تابعی نے اپنے والد سمرہ بن جندب رضؓ صحابی سے حدیثوں کا ایک بڑا نسخہ لکھا ہوا روایت کیا ہے (تہذیب التہذیب صہ۱۹۸ ج ۴)

(۷) عروہ تابعی نے غزوات کی حدیثیں لکھ کر جمع کی تھیں جیسا کہ کشف الظنون میں ہے اَوَّلُ مَنْ صَنَّفَ فِیْھَا عُرْوَۃُ بْنُ الزُّبَیْرِ (صہ۲۷۰ ج ۳) اور خلیفہ عبدالملک اموی کو عروہ نے اس کتاب کی ایک نقل روانہ کی تھی (طبری ۱۲۸۵) افسوس اُن کی یہ کتاب جنگ حرّہ (مدینہ) میں جل گئی (جامع بیان العلم صہ۳۳ ج ۱)

(۸) طاؤس تابعی نے دیت (خونبہا) کی حدیثیں لکھ کر جمع کی تھیں جیسا کہ بیہقی میں ہے، عَنْ طَاؤُسٍ اَنَّ عِنْدَہٗ کِتَابًا مِنَ الْعُقُوْلِ نَزَلَ بِہِ الْوَحْیُ وَمَا فَرَضَ النَّبِیُّ ؐ (مفتاح الجنۃ للسیوطی طبع مصر صہ۱) یعنی طاؤس کے پاس اُن دیتوں کی کتاب تھی جو وحی سے نازل شدہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ تھیں،

(۹) زہری تابعی نے خلیفہ ہشام اُموی کی فرمائش پر اُس کے ولی عہد کے لئے ایک کتاب میں چار سو حدیثیں لکھ دی تھیں، جیسا کہ ذہبی لکھتے ہیں اَنَّ ھِشَامَ بْنَ عَبْدِ الْمَلِکِ سَأَلَ الزُّھْرِیَّ اَنْ یُّمْلِیَ عَلٰی بَعْضِ وَلَدِہٖ شَیْئًا فَاَمْلٰی عَلَیْہِ اَرْبَعَ مِائَۃِ حَدِیْثٍ (تذکرۃ الحفاظ صہ۹۷ ج ۱) ترجمہ بیان ہو چکا،

(۱۰) ابو بردہ تابعی نے اپنے باپ ابو موسیٰ اشعری رضؓ صحابی سے بہت سی حدیثیں سن کر لکھ ڈالی تھیں جیسا کہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ قَالَ کَتَبْتُ عَنْ اَبِیْ کِتَابًا کَثِیْرًا (جامع بیان العلم صہ۶۵ ج ۱) یعنی میں نے اپنے والد سے بہت کچھ لکھا تھا۔

(۱۱) سعید بن جبیر تابعی حضرت ابن عمر رضؓ و ابن عباس رضؓ سے حدیثیں سن کر لکھا کرتے تھے، کُنْتُ اَسْمَعُ مِنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ الْحَدِیْثَ بِاللَّیْلِ فَاَکْتُبُہٗ (دارمی صہ۶۸) یعنی رات کو حدیث

سن کر لکھنے،

(۱۲) عنترہ تابعی نے حضرت ابن عباس سے حدیث سن کر ان کی اجازت سے تحریر کی عَنْ عَنْتَرَةَ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكُوفِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ بِحَدِيْثٍ فَقُلْتُ اَكْتُبُهُ عَنْكَ فَرَخَّصَ (دارمی ص۶۹ جامع بیان العلم ص۷۳ ج۱) ابن عباس نے ان کو تحریر حدیث کی رخصت دی۔

(۱۳) بہت سے تابعین حضرت براء بن عازبؓ صحابی کے پاس حدیثیں لکھا کرتے تھے قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَأَيْتُهُمْ يَكْتُبُوْنَ عِنْدَ الْبَرَاءِ رض بِاَطْرَافِ الْقَصَبِ (دارمی ص۶۹ جامع بیان العلم ص۷۳ ج۱) یعنی تابعین بانس کے قلموں سے براء کے پاس حدیث لکھتے تھے،

(۱۴) بشیر بن نہیک تابعی حضرت ابو ہریرہ رضؓ صحابی سے جو حدیثیں سنتے لکھ لیا کرتے تھے عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ قَالَ كُنْتُ اَكْتُبُ مَا اَسْمَعُ مِنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ (دارمی ص۶۸، جامع بیان العلم ص۷۲ ج۱) جیسا کہ دوسری فصل میں مفصّل گزر چکا ہے،

(۱۵) ہمام بن منبہ تابعی نے ابو ہریرہ سے ۱۳۸ حدیثیں سنی تھیں (تہذیب ج۱۱) ان حدیثوں کا مجموعہ "صحیفۂ ہمام" کے نام سے لکھ کر تیار کیا تھا (تہذیب التہذیب ص۳۱۶ ج۱) خلاصۂ تذہیب میں ہے عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ نُسْخَةٌ صَحِيْحَةٌ (ص۴۱۳ طبع مصر) یعنی ابو ہریرہ سے سنی ہوئی حدیثوں کا نسخہ ان کا صحیح ہے، امام احمد نے ہمام کا یہ پورا صحیفہ اپنی مسند جلد دوم میں ص۳۱۲ سے ص۳۱۸ تک نقل کر دیا ہے،

تابعین کا تمام حدیثوں کو لکھ کر جمع کرنا

(۱) امام زہری تابعی کی عادت تھی كَانَ يَكْتُبُ كُلَّ مَا سَمِعَ (جامع بیان العلم ص۷۳ ج۱) جو کچھ (حدیث و اثر) سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے، چنانچہ انہوں نے تمام سنن نبویہ و آثار صحابہ لکھ کر جمع کر لی تھیں جیسا کہ صالح بن کیسان کہتے ہیں قَالَ لِیَ الزُّهْرِیُّ تَعَالَ نَكْتُبُ السُّنَنَ فَكَتَبْنَا مَا جَاءَ عَنِ النَّبِیِّ وَعَنِ الصَّحَابَةِ فَاِنَّهُ سُنَّةٌ فَكَتَبَ (منتخب کنز العمال ص۱۳۱ ج۴ و جامع بیان العلم ص۷۶ ج۱) یعنی آؤ ہم تم مل کر تمام احادیث نبویہ و آثار صحابہ کو لکھ ڈالیں کہ ایسا کرنا سنت ہے، پس زہری نے سب لکھ ڈالا اور یہ واقعہ نمبر ۵ سے الگ ہے)۔

(۲) خلیفہ عمر بن عبد العزیز تابعی نے اپنی حکومت کے زمانہ میں جمع و کتابت احادیث پر خاص توجہ

کی، خود بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی کتاب الصدقہ عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹوں سے نقل کرائی (جیسا کہ اوپر "احادیث تعلیمہ" کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے) اور تمام شہروں کے علماء حدیث کو نیز خاص خاص اصحابِ حدیث کو جمع و کتابت احادیث کا حکم بھیجا، چنانچہ تمام شہروں کی بابت حوالہ ملاحظہ ہو۔ فتح الباری میں ہے کَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ اِلَی الْاٰفَاقِ اُنْظُرُوْا حَدِیْثَ النَّبِیِّ فَاجْمَعُوْہُ (پہلا پارہ ص۱۹۵) یعنی خلیفۂ مذکور نے تمام مقاموں میں تحریری حکم جمع احادیث کا بھیجا تھا۔

(۳) خاص نامزد کر کے جن علماء کو حکم دیا اُن سے ایک سعد بن ابراہیم ہیں وہ خود کہتے ہیں، قَالَ سَعْدٌ اَمَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ بِجَمْعِ السُّنَنِ فَکَتَبْنَاھَا دَفْتَرًا دَفْتَرًا (جامع بیان العلم ص۷۶ ج۱) کہ ہم نے خلیفہ مذکور کے حکم سے حدیثوں کے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے تھے،

(۴) اُن علماء میں سے دوسرے بزرگ ابوبکر بن حزم ہیں امام بخاری فرماتے ہیں، کَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ اِلٰی اَبِیْ بَکْرِ بْنِ حَزْمٍ اُنْظُرْ مَا کَانَ مِنْ حَدِیْثٍ فَاکْتُبْہُ (بخاری احمدی ص۲۰ ج۱) یعنی خلیفہ مذکور نے ابن حزم کو احادیث نبویہ لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے بھی حدیثیں لکھیں۔

(۵) اُن محدثوں میں تیسری ہستی امام زہری کی ہے، ابن حجر لکھتے ہیں دَوَّنَ الْحَدِیْثَ اِبْنُ شِہَابِ الزُّہْرِیُّ بِاَمْرِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ، ثُمَّ کَثُرَ التَّدْوِیْنُ وَالتَّصْنِیْفُ (فتح الباری انصاری پ ص۱۰۱) یعنی امام زہری نے بھی خلیفۂ مذکور کے حکم سے (علاوہ ذاتی طور سے احادیث جمع کرنے کے جس کا ذکر اوپر نمبر اوّل میں ہوا ہے، دو بارہ کتابوں میں حدیثیں مدوّن اور جمع کیں، (ابن حجر کہتے ہیں) پھر اس کے بعد تو کثرت سے حدیث کی کتابیں مدوّن ہوئیں اور تصنیف کی گئیں ان کتابوں کا مفصل حال (جو صحاح ستہ سے پہلے لکھی جا چکی تھیں) کتاب کشف الظنون جلد دوم ص۳۷ میں زیر عنوان السنن الموجودۃ قبل الصحیحین" مرقوم ہے، ان میں سے مسند ابی داؤد طیالسی، مسند شافعی، مؤطاء مالک طبع ہو کر شائع بھی ہو چکی ہیں، اور سنن سعید بن منصور، مسند ابو عوانہ مصنف ومسند ابن شیبہ وغیرہ۔ قلمی ہیں جو مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں،

جب یہ واضح ہو چکا کہ امام زہری کے بعد تدوین احادیث کا سلسلہ بکثرت جاری ہو گیا تھا، تو ہم کو اس امر کی اب کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ تابعین کے بعد والے قرون کی تالیفات کی

فہرس لکھیں، مختصر طور سے یوں سمجھ لینا چاہئے کہ محدثین کرام نے احادیث کی کتابت اور تدوین کے تین دور قائم کئے ہیں، پہلا دور سنہ ۱۰۰ھ تک قائم رہا۔ دوسرا دور سنہ ۱۵۰ھ تک، اور تیسرا دور تیسری صدی کے بعد تک قائم رہا۔ پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا، ان دونوں دور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزارہا اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے فالحمد للہ علیٰ احسانہ، لھٰذا جس قدر ہم لکھ چکے ہیں وہ کافی وافی شافی ہے ؎

در خانہ اگر کس است حرفے بس است

خاتمہ

تحقیق روایت منع کتابت احادیث و دیگر امور

فصول مذکورہ بالا کے پڑھ لینے کے بعد ناظرین یا تمکین کو بخوبی واضح ہو گیا ہو گا کہ جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حدیثوں کی تدوین دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہے ان کا یہ زعم کس قدر غلط باطل اور حقیقت سے بعید ہے نیز جن کے نزدیک کتابت و تدوین احادیث "بدعت حسنۃ" کی ایک عمدہ مثال ہے، اُن کی نظر کس قدر کوتاہ، اور اُن کی تحقیق کتنی خلاف واقع ہے کیونکہ حقیقتِ اصلیہ تو یہ ہے کہ کتابت و جمع احادیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل نیز صحابہ کے عمل سے ہوئی ہے پہلی اور دوسری فصل کو پھر پڑھئے اور غور سے دیکھئے۔

رہا یہ عمل کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں کے لکھنے سے منع فرمادیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْتُبُوا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ۔ (ص ۴۱۴ ج ۲)

یعنی میری حدیث نہ لکھو، جس نے لکھی ہو وہ مٹا دے، سو واضح ہو کہ یہ حکم منع صرف زمانہ نزولِ قرآن تک مختص تھا اس لئے کہ اُس وقت قرآن لکھا جا رہا تھا، اس کے ساتھ حدیثوں کے رل جانے کا خوف تھا، جب قرآن کتابی صورت میں جمع ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثیں لکھنے کی اجازت دے دی بلکہ خود بھی لکھوائیں اس طرح پہلی ممانعت کو خود ہی اُٹھا دیا۔ جیسا کہ اس باب (دوم) کی فصلِ اوّل میں مفصّل بیان ہو چکا ہے محدثینِ عظام کی تحقیق بھی یہی ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فتح الباری شرح بخاری میں ہے اَلنَّهْيُ مُقَدَّمٌ وَالْاِذْنُ نَاسِخٌ لَهُ (ص ۱۸۵ پ ۱)

منہاج شرح مسلم میں ہے، حَدِيْثُ النَّهْيِ مَنْسُوْخٌ (ص ۴۱۴ ج ۲)۔

رسالہ ناسخ منسوخ لابن الجوزی میں ہے:۔ نَهٰى فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ ثُمَّ أَجَازَ

الکتابۃ (ص۱۳ طبع مصر)۔

ابن قتیبہ اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث میں لکھتے ہیں نَہٰی فِی اَوَّلِ الْاَمْرِ اَنْ یُّکْتَبَ ثُمَّ رَأَی اَنْ تُکْتَبَ وَتُقَیَّدَ (ص۲۶۵ طبع مصر)۔

ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث لکھنے کی ممانعت کا حکم پہلے ہوا تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور حدیث لکھنے کی اجازت ہو گی،

امام بخاریؒ کی تحقیق یہ ہے کہ منع کی روایت مرفوع ہی نہیں ہے بلکہ موقوف ہے یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے بلکہ راوی صحابی کا قول ہے جو اجازت کی حدیث مرفوع سے مدفوع ہے۔

فتح الباری میں ہے اَلصَّوَابُ وَقْفُہٗ عَلٰی اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَہُ الْبُخَارِیُّ وَغَیْرُہٗ (ص۱۸۵ پ۱) یعنی روایت مسلم مذکورہ کا راوی ابو سعید پر موقوف ہونا ہی صواب اور درست ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے حدیثوں کے لکھنے کے ثبوت میں، قرآن مجید کی ایک آیت سے دلیل پکڑی ہے، طحاوی لکھتے ہیں۔

قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ لَمَّا اَمَرَ اللّٰہُ بِکِتَابَۃِ الدَّیْنِ خَوْفَ الرَّیْبِ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَلَا تَسْئَمُوْا اَنْ تَکْتُبُوْہُ صَغِیْرًا اَوْ کَبِیْرًا اِلٰی اَجَلِہٖ ذٰلِکُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاَقْوَمُ لِلشَّہَادَۃِ وَاَدْنٰی اَلَّا تَرْتَابُوْا کَانَ الْعِلْمُ الَّذِیْ حِفْظُہٗ اَصْعَبُ مِنْ حِفْظِ الدَّیْنِ اَحْرٰی اَنْ یُّبَاحَ کِتَابَتُہٗ خَوْفَ الرَّیْبِ فِیْہِ وَالشَّکِّ (شرح معانی الآثار ص۳۸۳ ج۲)۔

یعنی جب کہ اللہ تعالےٰ نے شک و شبہ سے بچنے کے لئے قرض کے لکھ لینے کا حکم اس آیت میں دیا ہے، ارشاد ہے کہ قرض تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو اسے مدت سمیت لکھو۔ یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے اور شہادت کو ٹھیک رکھنے

والا ہے، تم خنک و شبہ میں نہ پڑو گے، تو علم حدیث کا یاد رکھنا قرض کے یاد رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے، لہٰذا حدیث میں شک و شبہ سے بچنے کے لئے اس کے لکھنے کی اجازت و اباحت زیادہ ضروری ہے، سبحان اللہ کیا خوب استدلال ہے،

علامہ ابو الملیح نے ایک اور ہی آیت سے دلیل پکڑی ہے فرماتے ہیں۔

یَعِیْبُوْنَ عَلَیْنَا الْکِتَابَ وَقَدْ قَالَ اللّٰہُ عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتَابٍ۔

(دارمی صا و جامع بیان العلم ص۷۳ ج ا)۔

یعنی لوگ ہم محدثین پر حدیثوں کے لکھنے کے باعث عیب لگاتے اور اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ اللہ فرماتا ہے کہ "فرون کا علم اللہ کے پاس لکھا ہوا ہے"۔ پس اللہ تعالیٰ جس کی شان یہ ہے لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی (طٰہٰ) جو اسی آیت کے بعد مذکور ہے کہ وہ نہ غلطی کرے نہ بھولے، پھر بھی وہ لکھتا ہے، تو ہم جو غلطی کرتے اور بھول لیتے ہیں۔ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ مُرَکَّبُ النِّسْیَانِ یعنی آدمی سواری ہے بھول کی، بھول چونکہ انسان پر سوار رہتی ہے تو ہم احادیث کو کیوں نہ لکھ لیا کریں! یہ استدلال بھی خوب ہے،

وَلٰکِنْ ھٰذَا اٰخِرُ مَا اَرَدْتُ اِیْرَادَہٗ فِیْ ھٰذِہِ الرِّسَالَۃِ النَّافِعَۃِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ۔ خَتَمَ اللّٰہُ لِیْ بِالْحُسْنٰی، وَاَذَاقَنِیْ حَلَاوَۃَ رِضْوَانِہِ الْاَسْنٰی ۵

یَلُوْحُ الْخَطُّ فِی الْقِرْطَاسِ دَھْرًا
وَکَاتِبُہٗ رَمِیْمٌ فِی التُّرَابِ

تمام شد

فہرست

اسماء، مقامات و کتب وغیرہ

ک

ل

م

لابی الطیب المدعو بشمس الحق عظیم آبادی، شارح ابی داؤد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْغَفَّارِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ سَيِّدِ الْاَبْرَارِ وَعَلٰى اٰلِهِ الْاَطْهَارِ وَاَصْحَابِهِ الْاَخْيَارِ - اَمَّا بَعْدُ

ایں رسالہ ایست کہ در بیان جواز تعلیم کتابت نسواں کہ حسب املائے بعض احباب تحریر یافت اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهَا مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

سوال: چہ میفرمایند علماء دین اندریں مسئلہ کہ نسواں را تعلیم خط و کتابت جائز است یا نہ و امر محقق دریں باب چیست۔

جواب: سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

باید دانست کہ روایات در جانبین یعنی بجواز و عدم جواز واردانہ۔

و اما روایات عدم جواز تعلیم کتابت قابل احتجاج نیستند و بر ہمچوں ضعاف و اباطیل اثبات احکام شرعیہ نے تواند شد و امر محقق دریں مسئلہ ہمیں جواز تعلیم کتابت بر نسواں است

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں جو اعلیٰ مقام والا غفار ہے اور درود و سلام اس کے رسول پر جو تمام نیکیوں کا سردار ہے۔ اور ان کی آل پر جو پاکباز ہیں اور ان کے اصحاب پر جو بہترین ہیں۔

یہ رسالہ عورتوں کو تحریر (کتابت) سکھلانے کے جواز کے بارہ لکھا گیا۔ بعض احباب کے کہنے پر لکھا گیا اللہ تعالیٰ ہماری یہ کوشش قبول فرمائے۔ اے اللہ! تو سننے والا۔ دیکھنے والا ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ آیا عورتوں کو خط و کتابت کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں اور صحیح تحقیق اس مسئلہ میں کیا ہے

جواب: (اللہ) تو پاک ہے ہم نہیں جانتے مگر جو تو نے ہم کو سکھلایا۔ بیشک تو جاننے والا حکمت والا ہے۔

یاد رہے کہ اس مسئلہ (عورتوں کی کتابت) کے بارہ میں ہر دو طرق جواز و عدم جواز کی روایات وارد ہیں

مگر عدم جواز کی روایات قابل اعتبار نہیں نیز اس طرح کی ضعیف اور جھوٹی روایات پر احکام شرع کا مدار بھی نہیں۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ عورتوں کو خط و کتابت کی تعلیم دینا (سکھانا) جائز ہے۔

واما روایات جانبین را باصلہا نقل کنیم۔
تا حقیقت حال منکشف گردد

پس بدانکہ روایات عدم جواز را ابن حبان در کتاب
الضعفاء و حاکم در مستدرک و بیہقی در شعب الایمان تخریج کردہ اند

اما روایت ابن حبان این ست۔

اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ
ثَنَا يَحْيٰى بْنُ زَكَرِيَّا بْنُ يَزِيْدَ الدَّقَّاقُ
ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ
الشَّامِيُّ ثَنَا شُعَيْبُ بْنُ اِسْحٰقَ الدِّمَشْقِيُّ
عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا. قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ. لَا تُسْكِنُوْهُنَّ
الْغُرَفَ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ الْكِتَابَةَ وَعَلِّمُوْهُنَّ
الْمِغْزَلَ وَسُوْرَةَ النُّوْرِ (انتہی)

در سند این روایت محمد بن ابراہیم شامی است
واو منکر الحدیث است و منجملہ وضاعین است۔
حافظ شمس الدین الذہبی در میزان الاعتدال
در ترجمہ وے گفتہ
قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ

درج ذیل ہم ہر دو قسم کی روایات پیش کرتے ہیں
تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

تو سنیے عدمِ جواز کی روایات ابن حبان نے اپنی کتاب
"الضعفاء" میں اور حاکم نے مستدرک میں امام بیہقی نے
شعب الایمان میں ذکر کی ہیں۔

پہلے ابن حبان کی روایات سنیئے (سند) ہمیں
محمد بن عبداللہ بن ابراہیم نے بتایا کہ ہمیں یحییٰ
بن زکریا بن یزید دقاق نے بتایا کہ ہم کو محمد بن
ابراہیم ابو عبداللہ شامی نے بتایا کہ ہمیں شعیب
بن اسحاق الدمشقی نے بتایا۔ اس نے ہشام بن
عروہ سے اس نے اپنے باپ سے۔ اس نے عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا۔ اس نے
کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ان
کو بالاخانوں (چوباروں) میں نہ ٹھہراؤ اور نہ ان
کو لکھنا سکھاؤ۔ اور سکھاؤ ان کو سوت کاتنا اور
سورۃ النور۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن ابراہیم
شامی راوی ہے یہ منکر الحدیث ہے اور وضاعین
(جھوٹی باتیں بنانے والوں) سے ہے۔ حافظ شمس الدین
ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس نام کی بحث میں فرمایا
امام دارقطنی اس کو کذاب بتاتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ عَامَّةُ اَحَادِيْثِهٖ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ قَالَ ابْنُ حِبَّانَ لَا يَحِلُّ الرِّوَايَةُ عَنْهُ اِلَّا عِنْدَ الْاِعْتِبَارِ كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ۔

ابن عدی فرماتے ہیں اس کی اکثر روایات محفوظ نہیں ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں۔ اس کی روایات تحقیق کے بعد ہی قبول کی جائیں گی۔ کیوں کہ یہ جھوٹی روایات بھی بنا کر بیان کرتا ہے۔

وَرُوِيَ عَنْ شُعَيْبِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا لَا تُنْزِلُوْهُنَّ الْغُرْفَةَ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ الْكِتَابَةَ وَعَلِّمُوْهُنَّ الْمِغْزَلَ وَسُوْرَةَ النُّوْرِ۔

شعیب بن اسحاق سے مروی ہے۔ وہ ہشام بن عروہ سے وہ اپنے باپ سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ ان (عورتوں) کو بالاخانوں میں نہ ٹھہراؤ اور نہ ان کو کتابت سکھاؤ، ان کو توسوت کاتنا سکھاؤ اور سورۃ نور پڑھاؤ۔

وشیخ ابن الجوزی در عِلَلِ الْمُتَنَاهِيَةِ فِي الْاَحَادِيْثِ الْوَاهِيَةِ گفتہ هٰذَا الْحَدِيْثُ لَا يَصِحُّ مُحَمَّدُ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ الشَّامِيُّ كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ:۔ (انتهٰی)

اس حدیث کے بارہ میں شیخ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ" میں فرمایا۔ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس میں محمد بن ابراہیم شامی خود حدیث بنا کر بتاتا یعنی جھوٹی روایات سناتا۔ الیٰ آخرہ

وحافظ ابن حجر در تقریب گفتہ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الدِّمَشْقِيُّ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الزَّاهِدُ منكر الْحَدِيْث (انتهٰی)

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب تقریب میں کہا کہ محمد بن العلاء الدمشقی ابو عبداللہ الزاہدی منکر الحدیث ہے باقی رہی بات کہ علامہ خزرجی نے خلاصہ میں کہا۔

علامہ خزرجی در خلاصہ گفتہ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ كَذَّبَهٗ

کہ محمد بن ابراہیم الدمشقی کو ابو نعیم اور دارقطنی نے جھوٹا

اَبُونُعَیمٍ وَالدَّارُقُطْنِیُّ وَوَثَّقَهُ اَبُوحَاتِمٍ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ ابْنُ عَدِیٍّ عَامَّةُ اَحَادِیْثِهٖ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ انتھیٰ۔

کہتے ہیں مگر ابوحاتم و نسائی ثقہ کہتے ہیں اور ابن عدی تو کہتے کہ اس کی، اکثر بیان کردہ احادیث غیر محفوظ ہیں

اما قول علامہ خزرجی وثّقہ ابو حاتم والنسائی در محل نظر است زیرا چہ توثیق ابوحاتم والنسائی اِحدٌ ھُوَ اصحاب کتب رجال نقل نہ کردہ بل در تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر و در کاشف و میزان الاعتدال حافظ ذہبی صرف اقوال جارحین مذکور ست ذکر توثیق نسائی و ابوحاتم نیست۔

یہ علامہ خزرجی کا قول بابت توثیق بقول ابوحاتم و النسائی محل نظر ہے (یعنی غیر صحیح ہے) کیونکہ ابوحاتم اور نسائی کی توثیق مشہور کتب رجال میں منقول نہیں۔ تہذیب التہذیب میں ابن حجر نے اور امام ذہبی نے کاشف اور میزان الاعتدال میں صرف جارحین کے اقوال ملتے ہیں۔ توثیق کا یہ قول امام نسائی اور ابوحاتم کا کسی کتاب میں مذکور نہیں۔

پس واللّٰہُ اَعْلَمُ ایں از مسامحات علامہ خزرجی باشد۔ چنانکہ در بعضے مواضع دیگر دریں کتاب از و مسامحہ شدہ واگر بہ ثبوت رسد تاہم تعدیل امامین حافظین نسائی و ابوحاتم معارضہ نہ کند تجریح حفاظ دیگر را مثل دار قطنی و ابن حبان و ابن عدی زیرا چہ ایں جرح مفسر است و مبین و جرح مفسر مقدم باشد بر تعدیل حافظ۔

اللہ ہی جانتا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ کوتاہی علامہ خزرجی سے ہو گئی ہو گی جیسے کہ بعض اور مقامات پر جیسے اسی کتاب میں ان کی لغزشیں موجود ہیں۔ بالفرض یہ بات ثابت بھی ہو جائے۔ تب بھی ان دو اماموں کی تعدیل بڑے بڑے ائمہ فن رجال کی جرح کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی جارحین ائمہ یہ ہیں۔ دارقطنی، ابن حبان، ابن عدی کیونکہ جرح مفسر اور مبین ہے، اور مفسر جرح حافظ کی تعدیل پر مقدم ہوتی ہے

چنانکہ ابن صلاح در مقدمہ گفتہ۔ اِذَا اجْتَمَعَ فِیْ شَخْصٍ جَرْحٌ وَتَعْدِیْلٌ فَالْجَرْحُ مُقَدَّمٌ لِاَنَّ الْمُعَدِّلَ یُخْبِرُ عَنْ ظَهَرَ مِنْ حَالِهٖ وَالْجَارِحَ

جیسا کہ امام ابن صلاح نے مقدمہ میں فرمایا۔ پانچویں بحث ہے کہ جب کسی راوی کے بارہ جرح و تعدیل دونوں موجود ہوں تو اس وقت جرح مقدم ہو گی۔ اس لیے کہ معدل ظاہری بات کہتا ہے

يخبر عن باطن خفي على المعدل ....

اور جارح مخفی بات سے مطلع کرتا ہے لہذا جارح کا اعتبار ہوگا نہ کہ معدل کا۔

فان كان عدد المعدلين اكثر فقد قيل التعديل اولى والصحيح الذي عليه الجمهور ان الجرح اولى (انتهى)

اگرچہ یہ قول بھی ہے کہ اگر معدلین کی تعداد (بنسبت جارحین سے) زیادہ ہو تو تعدیل اولی ہے مگر صحیح بات جمہور کی ہے کہ جرح ہی اولی ہے (انتہیٰ)

ونیز در مقدمہ ابن صلاح است اذا قالوا متروك الحديث او ذاهب الحديث او كذاب فهو ساقط الحديث لا يكتب حديثه (انتهى)

نیز مقدمہ ابن صلاح میں یوں لکھا ہے کہ جب محدثین کسی راوی کو متروک الحدیث یا ذاہب الحدیث یا کذاب کہیں تو اس کی روایت ساقط الاعتبار ہوگی اور اس کی حدیث نہیں لکھی جائیگی

وعلامہ سخاوی در فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث گفتہ الخامسة في تعارض الجرح والتعديل في راو واحد وقدموا جمهور العلماء ايضا الجرح على التعديل مطلقا استوى الطرفان في العدد ام لا قال ابن الصلاح انه الصحيح وكذا صححه الاصوليون كالفخر والآمدي بل حكى الخطيب اتفاق اهل العلم عليه اذا استوى العدد وصنيع ابن الصلاح مشعر بذلك،

علامہ سخاویؒ نے اپنی کتاب فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث میں فرمایا۔ پانچویں بحث ہے جب کسی راوی کے بارہ جرح و تعدیل متعارض ہوں تو جمہور علماء تو جرح کو مطلقاً مقدم بتلاتے ہیں خواہ ہر دو کی تعداد مساوی ہو یا مساوی نہ ہی ہو۔ امام ابن صلاح نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا۔ علماء اصول نے بھی اسی کو صحیح بتایا مثلاً امام فخر اور آمدی وغیرہ بلکہ خطیب نے تو اہل علم کا اتفاق ہی اس پر بتایا۔ جب تعداد برابر ہو ابن صلاح کا انداز بھی اسی کا مؤید ہے۔

وعليه يحمل قول بن عساكر اجمع اهل العلم على تقديم قول من جرح راويا على قول من عدله لكن تقييد الحكم بتقدم

درج بالا بات پر ابن عساکر کا قول محمول کیا جائے گا۔ جو انہوں نے فرمایا کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ جارح کا قول معدل کے قول پر مقدم ہوگا۔

الجرح بما اذا فسّر (انتهیٰ مختصراً)

بشرطیکہ جرح مفسّر ہو (انتھیٰ)

مُلّا اکرم سندھی در شرح الشرح گفتہ....

شرح الشرح میں مُلا اکرم سندھی نے فرمایا جرح

والجرح مقدّم علی التعدیل واطلق ذلک جماعة لان مع الجارح زیادة علم لم یطّلع علیہ المعدّل ولان الجارح مصدّق للمعدّل فیما اخبر بہ عن ظاہر الحال وھو یخبر عن امر باطن خفی عن الآخر نعم۔

تعدیل پر مقدم ہے یہ بات ایک جماعت نے مطلق کہی کیونکہ جارح کو مزید معلومات ہیں جو معدل کو معلوم نہ ہو سکے۔ ویسے جارح معدل کا مصدق ہی ہے ظاہری بات میں اور خود وہ مخفی بات کی خبر دیتا ہے (جو معدل کو معلوم نہیں۔)

ان عیّن سبباً نفاہ المعدّل فانہما متعارضان ولکن محلّہ ان صدر مبیّناً ای مفسّراً بان یقول وجہ ضعفہ ان راویہ فلان متّھم بالکذب او ھو سیّئ الحفظ مثلاً،

ہاں! اگر وہ کسی ایسے سبب کا ذکر کرے جس کی معدل نے نفی کی تب دونوں متعارض ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ سبب مبین ہو۔ یعنی وہ یوں کہے اس حدیث کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ فلاں راوی متہم بالکذب ہے یا وہ سیّئ الحفظ (کمزور حافظہ والا) ہے

کذا قال البقاعی فی حواشی شرح الفیة العراقی۔ واما روایت حاکم ایں ست

البقاعی نے شرح الفیۃ العراقی کے حواشی میں یوں ہی ذکر کیا۔ اسکی مثال درج ذیل روایت ہے

انبانا ابو علی الحافظ ثنا محمد بن محمد بن سلیمان ثنا عبد الوھاب بن الضحاک ثنا شعیب بن اسحاق عن ھشام بن عروة عن ابیہ عن عائشة رضی اللہ عنہا فذکرہ وقال صحیح الاسناد اخرجہ البیھقی فی شعب الایمان عن الحاکم

ہمیں حافظ ابو علی نے بتایا اسے محمد بن محمد بن سلیمان نے حدیث سنائی ان کو عبدالوہاب بن الضحاک نے ان کو شعیب بن اسحاق نے وہ ہشام بن عروہ سے بیان کرتے ہیں وہ اپنے والد سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تمام روایت بتائی۔ حدیث کو محدث مذکور نے صحیح الاسناد بتایا۔ امام

من هٰذا الطریق - پس در اسناد ایں عبدالوہاب
بن الضحاک ہے۔
قَالَ الذَّهَبِيُّ فِي الْمِيزَانِ كَذَّبَهُ أَبُو حَاتِمٍ
وَقَالَ النَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُ مَتْرُوكٌ۔

وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ
وَقَالَ الْبُخَارِيُّ عِنْدَهُ عَجَائِبُ
انتهٰی۔

وشیخ جلال الدین سیوطی در اللآلی المصنوعہ
فی احادیث الموضوعہ گفتہ۔ قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ
حَجَرٍ فِي الْأَطْرَافِ بَعْدَ قَوْلِ ذِكْرِ الْحَاكِمِ صَحِيحُ
الْإِسْنَادِ بَلْ عَبْدُ الْوَهَّابِ مَتْرُوكٌ وَقَدْ
تَابَعَ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الشَّامِيُّ عَنْ شُعَيْبِ
بن اسحاق وابراهیم رَمَاهُ ابْنُ حِبَّانَ
بِالْوَضْعِ۔

انتهٰی کلام الحافظ در خلاصہ است۔ قَالَ الدَّارُ
قُطْنِيُّ متروک و روایت دیگر حافظ البیہقی این است
أَنْبَأَنَا أَبُو نَصْرِ بْنُ قَتَادَةَ أَنْبَأَنَا أَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ
بْنُ السَّرَّاجِ حَدَّثَنَا مَطِينٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ
بْنُ إِبْرَاهِيمَ الشَّامِيُّ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ

حاکم نے یہی سند ذکر کی۔ اس سند میں ایک راوی عبدالوہاب
بن الضحاک ہے۔

اس کے بارہ امام ذہبی میزان میں فرماتے ہیں
اس کو ابو حاتم نے جھوٹا۔ اور امام نسائی اس کو متروک
الحدیث فرماتے ہیں۔
امام دارقطنی اس کو منکر الحدیث فرماتے ہیں اور
امام بخاری فرماتے ہیں اس سے عجیب روایات ہیں

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب اللآلی المصنوعہ
فی احادیث الموضوعہ میں فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے
الاطراف میں امام حاکم کا قول ذکر کیا کہ یہ سند صحیح
اس کے بعد سیوطی فرماتے ہیں بلکہ عبدالوہاب تو متروک
الحدیث اور اسکی متابعت محمد بن ابراہیم شامی نے کی جو شعیب
بن اسحاق سے حدیث سناتے ہیں اور ابراہیم وہ کہتے
ہیں کہ ابن حبان نے اس پر وضع کا الزام لگایا ہے۔
حافظ صاحب نے خلاصہ میں امام دارقطنی کا قول ذکر
کیا ہے کہ یہ راوی متروک ہے امام حافظ بیہقی کی ایک
دوسری روایت یوں ہے ہمیں خبر دی ابو نصر بن قتادہ
نے۔ انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو الحسن محمد بن السراج نے اسے
حدیث بتائی محمد بن ابراہیم الشامی نے اسے کہا ہمیں حدیث

بْنُ إِسْحٰقَ الدِّمَشْقِيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ
أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ بِهٰذَا
الْإِسْنَادِ مُنْكَرٌ انتہی ۔

در سند این محمد بن ابراہیم شامی مذکور است واو
قابل احتجاج نیست

ونیز ابن حبان در کتاب الضعفاء باسناد دیگر
روایت کردہ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُهَيْلٍ حَدَّثَنَا
جَعْفَرُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ
عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا لَا تُعَلِّمُوْا
نِسَاءَكُمُ الْكِتَابَةَ وَلَا تُسْكِنُوْهُنَّ الْعَلَالِيَ خَيْرُ
لَهْوِ الْمَرْأَةِ الْمِغْزَلُ وَخَيْرُ لَهْوِ الرَّجُلِ السِّبَاحَةُ
انتہی۔

ودر سند ابن جعفر بن نصر است قَالَ الذَّهَبِيُّ
فِي الْمِيْزَانِ جَعْفَرٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ وَغَيْرِهِ
مُتَّهَمٌ بِالْكَذِبِ وَهُوَ أَبُوْ مَيْمُوْنٍ الْعَنْبَرِيُّ
ذَكَرَهُ صَاحِبُ الْكَامِلِ فَقَالَ حَدَّثَ عَنِ
الثِّقَاتِ بِالْبَوَاطِيْلِ انتہی۔

ثُمَّ أَوْرَدَ الذَّهَبِيُّ بَعْدَ هٰذَا مِنْ مَرْوِيَّاتِهِ
ثَلَاثَ أَحَادِيْثَ مِنْهَا هٰذَا الْحَدِيْثُ لِابْنِ عَبَّاسٍ
ثُمَّ قَالَ هٰذِهِ أَبَاطِيْلُ وَشَيْخُ ابْنِ الْجَوْزِي

بتائی شعیب بن اسحاق الدمشقی نے وہ ہشام بن
عروہ سے وہ اپنے باپ سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت
کرتے پس تمام حدیث ذکر کی ایسے یہ حدیث سند کے اعتبار سے منکر الاسناد ہے

اس سند میں محمد بن ابراہیم شامی راوی ہے وہ
قابل اعتبار نہیں۔

نیز ابن حبان نے در کتاب ضعفاء میں دوسری
سند سے یہ حدیث بیان کی ہے کہا ہمیں حدیث بتائی
جعفر بن سہیل نے اس نے کہا ہمیں حدیث بتائی
کہ عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ۔ اور نہ ان کو بالاخانوں میں
آباد رکھو عورتوں کے لیے بہترین شغل چرخہ سے سوت
کاتنا ہے۔ اور مردوں کا بہترین شغل سفر جنگ کا۔

اس سند میں جعفر بن نصر راوی ہے۔ ذہبی
نے میزان میں کہا کہ جعفر عن حماد بن زید متہم بالکذب
ہے۔ اور وہ ابو میمون العنبری ہے یہ بات الکامل
والے نے ذکر کی کہ یہ ثقہ راویوں کے نام پر باطل روایات
ذکر کیا کرتا ہے۔

اس کے بعد بطور مثال امام ذہبی نے اس کی تین
روایات بیان کی۔ ان میں درج بالا حدیث ابن عباس
کے نام ایک ہے پھر کہا یہ تمام روایات باطل ہیں

در العلل المتناہیہ گفتہ ہذا لا یصح

جعفر بن نصر حدث عن الثقات
بالبواطیل - انتہیٰ -

ودر کشف الاحوال فی نقد الرجال است -
جعفر بن نصر ابو میمون العنبری الکوفی
حَدَّثَ عَنِ الثِّقَاتِ بِالْبَوَاطِیْلِ سَمِعَ
حفص بن غیاث وحماد بن زید روی عنہ
جعفر بن سہل - انتہیٰ -

پس ایں ہمہ روایات مانعین کہ مذکور شدند
بجمیع طرق معلول اند ہیچ یکے ازیں ہم قابل حجت
وتمسک نیست واللہ اعلم واما استدلال مجوزین
پس بحدیث شفا بنت عبداللہ است -

کہ ابوداؤد واحمد بن حنبل ونسائی وطبرانی
روایت کردہ ففی سنن ابی داؤد حدثنا ابراہیم بن
مہدی المصیصی نا علی بن مسہر عن عبد
العزیز بن عمر بن عبد العزیز عن صالح
بن کیسان عن ابی بکر بن سلیمان بن
ابی حشمۃ عن الشفاء بنت عبد اللہ
قالت دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وَاَنَا عِنْدَ حَفْصَۃَ فَقَالَ لِیْ اَلَا

ابن جوزی نے علل المتناہیہ میں فرمایا یہ حدیث
صحیح نہیں ہے -

کیونکہ جعفر بن نصر ثقہ راویوں کے نام پر باطل
روایات ذکر کرتا رہتا ہے -

کتاب کشف الاحوال فی نقد الرجال میں ہے کہ
جعفر بن نصر ابو میمون العنبری الکوفی ثقہ راویوں
کے نام لے کر غلط روایات سناتا ہے جفص بن
غیاث اور حماد بن زید سے اس نے سنا اور اس
کا شاگرد بھی جعفر بن سہیل ہے

عورتوں کو لکھائی سکھلانے کی مخالفت کرنے
والوں کی درج بالا روایات دلیل میں جو تمام ہی
ناقابل اعتبار ہیں واللہ اعلم باقی رہے مجوزین تو
ان کے دلائل درج ذیل ہیں شفا بنت عبداللہ
کی روایت جو حدیث کی مشہور کتب میں سے
ابوداؤد مسند احمد نسائی طبرانی میں ہے
سنن ابوداؤد میں اس کی سند یہ ہے
حدثنا ابراہیم بن مہدی المصیصی نا علی
بن مسہر عن عبد العزیز بن عمر بن
عبدالعزیز عن صالح بن کیسان عن
ابی بکر بن سلیمان بن ابی حشمہ عن الشفاء
بنت عبداللہ قالت دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں

تعلمین ھذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیھا الکتابۃ۔" انتھی

٭

یعنی گفت شفاء بنت عبد اللہ و آمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وحال آنکہ من حاضر بودم۔

نزد حفصہ ام المومنین پس فرمود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیا نمے آموزی این یعنی حفصہ را افسون نملہ چنانکہ تعلیم کردی تو او را نوشتن را و نملہ ریشہا است کہ بر پہلو ظاہر میشود و بغایت مولم است و مریض از وے احساس حرکت نمل مے کند وھذا ھو الصحیح فی تفسیر النملۃ وقد فسر بعض بتفسیر آخر لیس ہو بصحیح واللہ اعلم۔

داما رجال ھذا الاسناد فابراھیم بن مھدی المصیصی قال فی الخلاصۃ وثقہ ابو حاتم وقال الذھبی المیزان روی عنہ احمد وابو عاصم وقال ثقۃ وقال العقیلی حدث بمناکیر ثم اسند الی یحیی بن معین انہ قال ابراھیم بن مھدی جاء بمناکیر انتھی وفی التقریب ہو مقبول من العاشرۃ انتھی واگر گوئی کہ ابن معین وعقیلی در حق وی حدث بمناکیر گفتہ پس خالی از جرح نماندہ گویم بفضلہ تعالٰے کہ ابراہیم بن مہدی راوی ثقہ است چہ ابوحاتم و ابو عاصم ... مانع ثقاہت نیست زیراچہ درمیان قول محدثین ہو منکر الحدیث ولہ احادیث بمناکیر فرق عظیم است علامہ شمس الدین سخاوی در فتح المغیث گفتہ قال شیخنا قولھم متروک او ساقط او فاحش

تشریف لائے اور میں حفصہ کے پاس تھی آپ نے مجھے فرمایا کیا تو اس (حفصہ) کو زہر کا دم نہیں سکھلاتی جیسے تو نے اس کو لکھنا سکھا دیا ہے۔

یعنی شفا بنت عبد اللہ بتاتی ہیں کہ آنحضرت تشریف لائے میں اس وقت حفصہ کے پاس موجود تھی۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اسکو (یعنی حفصہ کو) نملہ کا دم نہیں سیکھاتی جیسے تو نے اس کو لکھنا سیکھایا ہے۔ نملہ ایک طرح کے زخم ہوتے ہیں جو پہلو پر دیکھائی دیتے ہیں اور سخت تکلیف وہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے مریض چیونٹی کی سی چال چلتا ہے یہ ہے صحیح تعریف جو نملہ کے لفظ مشہور کی ہے اور تعریف بھی کی جاتی ہے مگر وہ صحیح نہیں واللہ اعلم۔

اس سند کے راوی ابراہیم بن مہدی المصیصی کے بارہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اس کو ابو حاتم نے ثقہ بتایا امام ذہبی نے میزان میں فرمایا کہ اس سے احمد نے روایات بیان کی ہیں ابو عاصم نے بھی اس کی توثیق فرمائی تمام منکر احادیث جن کے بارہ لفظ منکر استعمال ہوا ہو وہ تمام غیر ثقہ نہیں ہوتیں کیونکہ محدثین کے نزدیک لفظ منکر الحدیث اور لفظ لہ احادیث بمناکیر میں بڑا فرق ہے علامہ شمس الدین سخاوی رح نے

الغلط او منکر الحدیث اشد من قولھم ضعیف او لیس بقوی و فیہ مقال و قال العراقی فی الاکبر الاحیاء۔

اپنی کتاب فتح المغیث میں فرمایا ہے کہ ہمارے شیخ فرماتے ہیں محدثین کا قول متروک ساقط فاحش الغلط منکر الحدیث یہ جرح میں سخت ہیں نسبت ضعیف اور لیس بقوی یا فیہ مقال سے امام عراقی احیاء کی تخریج میں فرماتے ہیں

وکثیر ما یطلقون المنکر علی الراوی لکونہ روی حدیثا واحدًا۔

لفظ منکر راوی کے بارہ کتنی بار استعمال کرتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ اس نے ایک ہی حدیث بیان کی ہے یا بہت کم روایت بیان۔

اونحوہ وقال الذھبی قولھم منکر الحدیث۔ لا یعنون بذا ان کل ما رواہ منکر بل اذا روی الرجل جملۃ و بعض ذالک مناکیر فھو منکر الحدیث وقال السخاویؒ قلت قد یطلق ذالک علی الثقۃ اذا روی المناکیر عن الضعفاء

امام ذہبی کہتے ہیں محدثین کے ہاں لفظ منکر الحدیث سے یہ مراد نہیں کہ یہ روایت منکر ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب ایک راوی بہت سی روایات بیان کرے چند ان میں غیر معروف ہیں تو وہ راوی منکر الحدیث ہوا سخاوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ لفظ ثقہ راوی پر بھی بولا جاتا ہے جب وہ غیر معروف حدیث کسی ضعیف راوی سے بیان کرے۔

قال الحاکم قلت للدارقطنی فسلیمان بن بنت شرجیل قال ثقۃ قلت الیس عندہ مناکیر قال یحدث بھا عن قوم ضعفاء

امام حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے دارقطنی سے سلیمان بن بنت شرجیل کے بارہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا وہ ثقہ ہے میں نے کہا کہ کیا وہ منکر ہیں تو فرمایا کہ وہ ضعیف راویوں سے

فاماتا هو.

هو ثقة وقال ابن دقيق العيد
في شرح الالمام قولهم روى مناكير
لا يقتضي بمجرده ترك روايته
حتى تكثر المناكير في روايته وتنتهي
الى ان يقال فيه منكر الحديث

بیان ضرور کرتا ہے مگر خود وہ ثقہ ہے۔

ابن دقیق العید نے اپنی کتاب شرح الالمام
میں کہا کہ محدثین کا قول روی مناکیر سے یہ
لازم نہیں آتا کہ ایسے راوی کی احادیث ترک
کر دی جائیں جب تک کہ وہ بکثرت منکر روایات
نہ بیان کرے، اور اس کو تب کہا جائے گا۔
کہ یہ راوی منکر الحدیث ہے۔

لان منكر الحديث وصف
في الرجل يستحق به الترك بحديثه
والعبارة الاخرى يقتضي انه وقع
له في حين لا دائما كيف وقد قال احمد
بن حنبل في ابراهيم التيمي يروي
احاديث منكرة وهو ممن اتفق
عليه الشيخان واليه المرجع في حديث
انما الاعمال بالنيات وكذالك قال
في زيد بن ابي أُنيسة في بعض حديثه
نكارة وهو ممن احتج به البخاري
ومسلم وهما العمدة في ذالك
انتهى.

کیونکہ منکر الحدیث ہونا ایک وصف ہے جس کی وجہ
سے اس کی بیان کردہ احادیث متروک ہو جاتی
ہیں مگر پہلا لفظ (روی مناکیر) کا مفہوم ہے کہ
یہ بات اس راوی سے کبھی کبھی ہوتی ہے ہمیشہ نہیں
غور فرمائیے کہ امام احمد ابراہیم تیمی کے بارہ میں فرماتے
ہیں کہ یروی کہ وہ منکر روایات بیان کرتا ہے
مگر یہ (ابراہیم) شیخین کے راویوں میں سے بلکہ یہ
راوی مشہور روایات انما الاعمال بالنیات کا بھی راوی
ہے ایسے ہی زید بن ابی انیسہ کے بارہ میں فرماتے ہیں،
کہ اس کی بعض احادیث میں نکارۃ ہے۔ اور یہ
راوی بھی بخاری مسلم کے راویوں میں شمار ہوتا ہے
جن کے تمام راوی قابل احتجاج ہوتے ہیں، اور
ثقہ شمار ہوتے ہیں انتہیٰ۔

وقطع نظر ازیں ابراہیم بن مہدی را متابع
ہم است یعنی ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق
وھو ثقۃ وروایت ایں در سنن کبری نسائی

درج بالا تفصیل سے قطع نظر ویسے ابراہیم
بن مہدی راوی کا متابع بھی موجود ہے۔ یعنی
ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق یہ راوی ثقہ ہیں اور

است چنانچہ بیاید۔

وَ اَمَّا علی بن مسہر القرشی ابو الحسن الکوفی الحافظ فوثقہ ابن معین کذا فی الخلاصۃ وغیر ذلک من الکتب۔

واما عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز پس راوی ثقہ است وائمہ ستہ از و روایات کردہ اند ودر خلاصہ گفتہ وثقہ ابن معین وابو داؤد انتہیٰ ودر میزان الاعتدال است وثقہ جماعۃ وضعفہ ابو مسہر وحدہ انتہیٰ۔

وحافظ ابن حجر در مقدمہ فتح الباری گفتہ

عبد بن العزیز عمر بن عبد العزیز بن مروان الاموی نزیل المدینۃ وثقہ ابن معین وابو داؤد والنسائی وابو زرعۃ وزاد لیس بین الناس فیہ اختلاف وحکی الخطابی عن احمد انہ قال لیس ہو من اہل الحفظ یعنی بذالک سعۃ المحفوظ والا فقد قال یحیی بن معین ہو ثبت یروی شیئاً یسیرا۔

وقال ابو حاتم یکتب حدیثہ وقال میمون ابن الاصبغ عن ابی مسہر ضعیف الحدیث۔

ان کی روایات سنن کبریٰ نسائی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

باقی رہے علی بن مسہر القرشی ابو الحسن کوفی جو الحافظ کے نام سے مشہور ہیں ان کو ابن معین نے ثقہ بتایا کتاب خلاصہ وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

اور عبد العزیز بن عمر بن العزیز یہ راوی بھی ثقہ ہے اور صحاح ستہ میں اس کی روایات ہیں خلاصہ میں صاحب کتاب نے کہا ہے کہ اس کو ابن معین اور ابو داؤد نے ثقہ بتایا میزان الاعتدال میں ہے اس کو ایک جماعت محدثین کی ثقہ کہتی ہے۔ صرف اکیلے مسہر ضعیف کہتے ہیں انتہٰی۔

حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں فرمایا

عبد بن العزیز عمر بن عبد العزیز بن مروان اموی جو مدینہ کے رہائشی ہیں انکو ابن معین اور ابو داؤد نسائی ابو زرعہ نے ثقہ کہا مزید فرمایا لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں (یعنی ان کے ثقہ ہونے میں) خطابی نے امام احمد سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں یہ راوی اہل حفظ سے نہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زیادہ باتیں نہ کر سکتے تھے، ورنہ یحییٰ بن معین تو کہتے ہیں وہ ثقہ راوی ہے چند روایات ہی بیان کرتا ہے۔

ابو حاتم کا قول ہے اس کی روایات قابل اعتبار ہیں میمون ابن اصبغ ابو مسہر سے اس کا ضعیف ہونا بتاتے ہیں الحدیث۔

وقال يعقوب بن سفيان حدثنا
ابو نعيم حدثنا عبد العزيز
وهو ثقة۔

پس توثيق عبدالعزيز برراے جمهور محدثين
است مثل يحيى بن معين و ... ابوداؤد ونسائى وابو
زرعة وابونعيم وابوحاتم بلكه ابن عمار گفته كه در
ثقاهت آں علماء را اختلاف نيست پس تضعيف
يك كس ابومسهر بلاحجه وبرهان قابل سمار بناشد

واما صالح بن كيسان المدنى
فوثقه ابن معين واحمد وجماعة وكذا
فى اسعاف المبطا فى رجال الموطا للسيوطى
والخلاصه وغيرهما۔

واما ابوبكر بن سليمان بن ابو
حثمة المدنى ثقة عارف بالنسب كذا فى
التهذيب وفى الخلاصة قال الزهرى هو
من علماء قريش واما شفاء بنت
عبدالله پس صحابيه از مهاجرات اول است حافظ
جمال الدين المزنى در تحفة الاشراف گفته شفاء
بنت عبدالله بن عبدالشمس ويقال الشفاء بنت
عبدالله بن هاشم بن خلف بن عبدالشمس القرشيه
العدويه وهى ام سليمان ابن ابى حثمه قال احمد
بن صالح اسمها ليلى وغلب

یعقوب بن سفیان نے ابونعیم سے بیان
کیا وہ عبدالعزیز سے بیان کرتے ہیں کہ یہ راوی
ثقہ ہے۔

تو ثابت ہوا عبداللہ کی توثیق جمہور محدثین
سے ہورہی مثلاً یحییٰ بن معین ابوداؤد نسائی ابوزرعہ
ابونعیم ابوحاتم ..... بلکہ ابن عمار
کہتے ہیں کہ اس راوی کے ثقہ ہونے میں کسی کا
اختلاف نہیں صرف ایک ابومسہر اگر اسکو ضعیف
کہتے ہیں، اور وہ بھی بلا دلیل تو ان کی بات قابل اعتبار نہیں۔

صالح بن کیسان المدنی راوی کو ابن معین
امام احمد اور ایک جماعت ان کو ثقہ کہتے ہیں
یہ بات اسعاف المبطانی رجال الموطا نامی کتاب
میں ہے جو امام سیوطی نے لکھی نیز خلاصہ وغیرہ میں بھی ہے،

ابوبکر بن سلیمان بن ابوحثمہ المدنی راوی کو ثقہ
بتایا گیا یہ عارف النسب تھے تقریب میں ایسے
ہی ہے نیز خلاصہ میں ہے امام زہری کہتے یہ
علماء قریش سے حدیث کی راوی شفاء بنت
عبداللہ (حضرت شفاء) تو جلیل القدر صحابیہ
ہیں اور مہاجر عورتوں کی صف اول میں شمار
ہوتی ہیں حافظ جمال الدین المزنی نے اپنی
کتاب تحفہ الاشراف میں فرمایا کہ شفاء
کا نسب یوں ہے شفاء بنت عبداللہ بن عبدالشمس
بعض کہتے ہیں کہ یوں ہے الشفاء بنت عبداللہ بن

علیها شفاءً وھیَ من المهاجرات الاول انتهی۔

وحافظ ابن حجر در اصابه فی معرفة الصحابه گفته اسلمت الشفاء قبل الهجرة وھی من المهاجرات الاول وبایعت النبی صلی الله علیه وسلم وکانت من عقلاءِ النساءِ وفضلاءِهن وکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزورها ویقیلُ عندها فی بیتها وکانت قد اتخذت له فراشا وازارا ینام فیه فلم یزل ذالک عند ولدها حتی اخذهٗ منهم مروان بن الحکم وقال لها رسول الله صلی الله علیه وسلم علمی الحفصة رقیةَ النملة کما علمتها الکتابة۔ واقطعها رسول الله صلی الله علیه وسلم دارا عند الحکاکین بالمدینة فنزلتها مع ابنها سلیمان وکان یقدمها فی الرایِ ویرعاها ویفضلها وربما ولاها شیئًا من امر السوق انتهی۔

وحدیث شفاء را احمد در مسند خود۔

ہاشم بن خلف بن عبد الشمس القرشیہ العدویہ یہ سلیمان بن ابی حشمہ کی والدہ ہیں احمد بن صالح کہتے ہیں کہ نام ان کا لیلیٰ ہے مگر شفاء زیادہ مشہور ہے یہ پہلی مہاجر عورتوں میں سے ہیں۔

حافظ ابن حجر رح نے اپنی کتاب الاصابہ فی معرفت الصحابہ میں کہا کہ اسلمت الشفاء قبل الہجرۃ وہی سب سے پہلے مسلمان ہوئی ہیں اسی لئے مہاجرات اوّل میں شمار ہوئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی تھی بڑی سمجھدار اور اچھی عورتوں سے شمار ہوتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کی ملاقات کو تشریف لے جاتے اور اس کے ہاں دوپہر کو آرام فرماتے اس نے آپ کیلئے بستر بنا رکھا تھا اور تہبند بھی جو آپ استعمال کرتے وہاں سوجاتے یہ تہبند ان کی پاس عرصہ تک رہا پھر ان کے اولاد کے پاس رہا حتیٰ کہ ان سے مروان بن حکم نے لے لیا اسی شفاء سے آپ نے فرمایا تھا کہ حفصہ کو نملہ کا دم بتادے جیسے تو نے اسکو لکھنا سکھایا ہے آپ نے اس کیلئے حکاکین میں جگہ دے رکھی تھی جو مدینہ منورہ میں ہے یہ وہاں اپنے بیٹے سلیمان کے ہمراہ ہیں آنحضرت ؐ اس کی رائے کو دوسروں پر مقدم قرار دیتے اور اس کی رائے کو پسند کرتے کئی مرتبہ اس کو اہم خدمات پر مامور فرماتے۔

شفاء کی حدیث امام احمد نے اپنی کتاب مسند میں ذکر کی ہے نیز

روایت کردہ و ابوداؤد و عبد العظیم
منذری در مختصر خود بریں حدیث سکوت کردہ
و شوکانی در نیل الاوطار گفتہ و حدیث الشفاء
سکت عنہ ابوداؤد والمنذری و رجال
اسنادہ رجال الصحیح الا ابراہیم بن
مہدی المصیصی و ہو ثقۃ انتہی

وکمال الدین الدمیری در حیوۃ الحیوان
گفتہ روی ابوداؤد والحاکم وصححہ۔

و ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
للشفاء بنت عبد اللہ علمی حفصۃ رقیۃ النملۃ
کما علمتہا الکتابت انتہی۔

وحافظ ابن حجر در اصابہ گفتہ و اخرجہ
ابونعیم عن الطبرانی من طریق صالح بن کیسان
عن ابی بکر بن حشمۃ ان الشفاء بنت عبد
اللہ قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم وانا قاعدۃ عند حفصۃ
فقال ما علیک ان تعلمی ہذہ رقیۃ
النملۃ کما علمتہا الکتابت
انتہی۔

و نسائی در کتاب الطب سنن کبری روایت
کردہ حدثنا ابراہیم بن یعقوب عن علی

امام ابوداؤد اور عبد المعظیم المنذری نے
بھی اپنی مختصر میں ذکر کی اور کوئی تبصرہ نہیں کیا
بلکہ سکوت ہی فرمایا امام شوکانی نے نیل میں
فرمایا شفاء کی روایت پر امام ابوداؤد اور امام منذری
خاموش رہے اس کی سند کے راوی صحیح کے
راوی ہیں مگر ابراہیم بن مہدی مصیصی اور یہ
راوی بھی ثقہ ہے الخ

کمال الدین الدمیری نے اپنی کتاب حیوۃ
الحیوان میں فرمایا یہ حدیث ابوداؤد اور حاکم
نے بیان کی اور اس کو صحیح قرار دیا۔

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاء
بنت عبد اللہ سے فرمایا تھا کہ حفصہ کو نملہ کا
علاج بھی سکھاؤ جیسے اس کو کتابت سکھائی ہے انتہی

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب اصابہ میں فرمایا
یہ حدیث ابونعیم نے طبرانی سے نقل کی ہے۔
سند یہ ہے صالح بن کیسان عن ابی بکر بن حشمہ
ان شفاء بنت عبد اللہ قالت الخ شفاء کہتی ہیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف
لائے میں حضرت حفصہ کے پاس بیٹھی تھی
فرمایا تیرا کیا حرج ہے اگر تو اس کو نملہ کا علاج
بتادے جیسے تونے اس کو کتابت سکھائی ہے انتہی

امام نسائی نے سنن کبری کتاب الطب میں
یہ روایت اس سند سے بیان کی حدثنا ابراہیم بن

بن عبد اللہ المدینی عن محمد بن بشیر
عن عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز عن
صالح بن کیسان عن ابی بکر بن سلیمان بن
ابی حثمۃ عن الشفاء بالحدیث
المذکور۔

یعقوب عن علی بن عبد اللہ المدینی عن محمد بن
بشیر عن عبد العزیز بن عمر بن۔ عبد العزیز
عن صالح بن کیسان عن ابی بکر بن سلیمان
بن ابی حثمۃ عن الشفاء مکمل سابقہ حدیث
سابقہ الفاظ سے مروی ہے۔

وہمچنین حافظ جمال الدین المزی در تحفۃ
الاشراف و علامہ شوکانی در نیل بایں سند
از نسائی نقل کردہ و ایں حدیث ہم صحیح الاسناد
است۔

ایسے ہی تحفۃ الاشراف میں حافظ جمال الدین
المزی نے اور نیل الاوطار میں امام شوکانی رح
نے اسی سند سے بحوالہ نسائی یہ حدیث بیان
کی تو یہ حدیث صحیح سند سے مذکور ہے۔

اما ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق
الجوزجانی ابو یعقوب الحافظ وثقہ النسائی
والدارقطنی وقال کان من المصنفین وقد
رمی بالنصب وکان احمد یکاتبہ الی
دمشق ویکرمہ اکراما شدیدا کذا فی
الخلاصۃ وغیرہ۔

امام ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق الجوز
جانی کی کنیت ابو یعقوب ہے الحافظ کے نام
سے مشہور ہیں ان کو امام نسائیؒ اور دارقطنی
نے بتایا ہے دارقطنی فرماتے ہیں یہ حفاظ حدیث
سے شمار ہوتے ہیں مگر اس کو بدعتی فرقہ نصب سے
تعلق کا الزام دیا گیا ہے امام احمد ان سے دمشق میں
رابطہ رکھا کرتے اور ان کی بہت عزت کرتے
کتاب خلاصہ میں ایسے ہی لکھا ہے۔

ورمی بنصب ضرر نکند چرا کہ حدیث شفاء
مقوی مذہب اہل نصب نیست فلا محذور فیہ
کما تقرر فی الاصول واما علی بن عبد اللہ المدینی
فقال ابن حجر فی التقریب ثقۃ ثبت امام
اہل عصرہ بالحدیث وعللہ حتی قال البخاری
ما استصغرت نفسی الا عندہ وقال فیہ شیخہ

باقی رہا ان کے بارہ نصب کا الزام تو یہ ان
کیلئے مضر نہیں کیونکہ شفاء کی حدیث اس کے مسلک
کی مؤید نہیں بنا بریں کوئی حرج نہیں جیسا کہ
کتب اصول میں موجود ہے رہے راوی علی
بن عبد اللہ المدینی ان کے بارہ امام ابن حجرؒ نے
تقریب میں فرمایا یہ ثقہ ہیں اور قابل اعتماد

عُیَیْنَۃَ کنت اتعلم منہ اکثر مما یتعلم منی وقال النسائی کان اللہ خلقہ للحدیث واما محمد بن بشر العبدی فھو احد العلماء الحفاظ وثقہ ابن معین کذا فی الخلاصۃ۔

ہیں اپنے زمانہ میں امام الحدیث تھے جو علل حدیث کو خوب جانتے تھے حتی کہ امام بخاری نے فرمایا میں نے خود کو کسی کے سامنے کم علم نہیں خیال کیا مگر ان کے سامنے خود کو علم خیال کیا امام نسائی فرماتے ایسے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالےٰ نے ابن مدینی کو خدمت علم حدیث کیلئے پیدا فرمایا اس حدیث کے ایک راوی محمد بشر عبدی ہیں یہ بھی حفاظ حدیث میں شمار ہوتے ان کو ابن معین نے ثقہ بتایا خلاصہ میں ایسے ہی ہے۔

و ترجمہ باقی روایان بالا گذشتہ پس اکنوں در صحت حدیث شفاء بنت عبداللہ ہیچ کلام باقی نماندہ اما از مجادل مرتاب بعید نیست کہ این حدیث صحیح الاسناد را رد کند و حدیث موضوع و باطل را تمسک نماید شیوہ این ہمہ ناحق شناسان ہمیں است اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ و این ہمہ کہ مذکور شد تحقیق و تنقید

باقی راویان کا تعارف پہلے ذکر ہو چکا ہے جب سند کے راوی تمام ثقہ ہیں تو حدیث شفاء بنت عبداللہ میں کوئی کلام نہیں بناء بریں یہ حدیث صحیح ثابت ہوئی (جس پر اعتماد کر کے مسئلہ ثابت ہو گیا، ہاں ضد اور ہٹ دھرمی کا علاج نہیں ضد کی بنا پر اگر کوئی اس صحیح حدیث کو بھی رد کرے تو اسکی مرضی اور اسکے مقابلہ میں کسی موضوع اور باطل حدیث پر اعتماد کرے یہ شیوہ تو ہمیشہ حق کے دیریو نکا رہا ہے (اس پر کوئی تعجب کی ضرورت نہیں) انا للہ وانا الیہ راجعون اب تک تو احادیث کی تحقیق و تنقید آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے

احادیث بود اما اقوال آئمہ پس۔

علامہ اردبیلی در ازہار شرح المصابیح گفتہ قال الخطابی فیہ دلالۃ علی ان تعلم النساء

آئمہ کے اقوال بھی سنیئے۔

علامہ اردبیلی اپنی کتاب ازہار شرح المصابیح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں

الکتابۃ غیر مکروہ انتھی ۔ وحافظ ابن القیم در زاد المعاد گفتہ وفی الحدیث الخ دلیل علی جواز تعلیم النساء الکتابۃ انتہی ۔

والشیخ العلامہ ابن تیمیہ در منتقی الاخبار گفتہ وہو دلیل علی جواز تعلیم النساء الکتابۃ انتہی واز مؤیدات این مسئلہ اثر حضرت عائشہ است کہ بخاری در الادب المفرد روایت کردہ باب الکتابۃ الی النساء وجوابھن حدثنا الخ

حدثنا ابو رافع ثنا ابو اسامۃ قال حدثنی موسیٰ بن عبد اللہ قال ثنا عائشۃ بنت طلحہ قالت قلت لعائشۃ وانا فی حجرھا وکان الناس یاتونھا من کل مصر فکان الشیوخ ینتابوا فی المکانی منھا وکان الشبات یتاخون فیھدون الی ویکتبون الی من الامصار فاقول لعائشۃ خالۃ ھذا کتاب فلان وھدیتہ فتقول لی عائشۃ ای بنیۃ فاجیبہ واثیبیہ فان لم یکن عندک ثواب اعطیتک فقالت تعطینی رواہ البخاری فی الادب المفرد ۔

دلیل سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو کتابت کی تعلیم دی جا سکتی ہے ۔

علامہ ابن تیمیہ منتقی الاخبار میں فرماتے ہیں یہ حدیث دلیل ہے کہ عورتوں کو کتابت کی تعلیم دی جا سکتی ہے بلکہ وہ جواب بھی دے سکتی ہیں جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے پتہ چلتا ہے ۔

ثنا ابو رافع ثنا ابو اسامۃ قال حدثنی موسیٰ بن عبد قال ثنا عائشہ رض بنت طلحہ قالت قلت لعائشہ رض وانا الخ عائشہ رض کی بیٹی کہتی ہے میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رض سے عرض کی جبکہ میں انکی تربیت میں تھی ہر شہر کے حضرت عائشہ رض سے ملنے آتے مصر کے لوگ میرے پاس آتے میری وساطت سے بات کرتے کیونکہ مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رض کا خاص مقام حاصل تھا ۔ نوجوان بھی مجھے بہن خیال کرتے تحائف لاتے اور مجھے دوسرے شہروں سے خطوط لکھتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رض سے آکر عرض کرتی خالہ جان یہ لیجیئے فلاں کا خط آیا ہے اور یہ انکا ہدیہ ہے تب حضرت عائشہ رض فرماتیں بیٹی ان کو جواب لکھوا اور ہدیہ کے بدلے ہدیہ بھیجو اگر تحفہ کیلئے تمہارے پاس کچھ نہیں تو مجھ سے لے لو پھر مجھے تحائف بھیجنے کے لئے سامان دیا کرتیں یہ واقعہ امام بخاری نے المفرد میں ذکر کیا ہے ۔

از تتبع کتب تواریخ معلوم میشود کہ در از منہ
سابقہ نسوان کتابت میکردند و انکار علمائے وقت
ایشاں بر ایشاں یافتہ نہ شد بلکہ خود بعض نسواں
کاتبہ صاحب علم و عمل بودند قاضی احمد بن خلکان
در وفیات الاعیان نوشتہ فخر النساء شہدۃ
بنت ابی نصر احمد بن فرج بن
عمر الابری الکاتبۃ الدینوریۃ
الاصل البغدادیۃ المولد والوفاۃ
کانت من العلماء وکتبت الخط الجید
وسمع علیہا خلق کثیر کان لہا السماع
العالی الحقت فیہ الاصاغر بالاکابر سمعت
من الحفاظ نصر بن احمد بن البطرانی
وابی عبد اللہ الحسین بن احمد بن طلحہ
النعالی وطلحۃ بن الزینبی وغیرہم
مثل ابی الحسین بن ایوب وابی الحسین
احمد بن عبد القادر بن یوسف وفخر
الاسلام ابی بکر محمد بن احمد الشاشی
واشتہر ذکرہا و بعد صیتہا وکانت
وفاتہا یوم الاحد بعد العصر ثالث
عشر المحرم سنہ اربع وسبعین وخمسۃ
مائۃ ودفنت بباب ابزر وقد نیفت علی
تسعین سنۃ من عمرہا رحمہا
اللہ تعالیٰ وعلامہ مقری در جلد

کتب تاریخ کے مطالعہ کی گردانی سے پتہ
چلتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں عورتیں کتابت کرتی
رہیں اس وقت علماء نے اسکا نہ انکار کیا (اور نہ منع
کیا) بلکہ اس دور کی بعض عورتیں کاتبہ بڑی صاحب
علم تھیں اور با عمل عالمہ تھیں۔ قاضی احمد بن خلکانؒ
نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ فخر النساء شہدہ
بنت ابو نصر انکا نام احمد بن فرج بن عمر الابری (یہ بڑی
کاتبہ تھیں الدینوریتہ (کی نسبت سے مشہور تھیں انکی ولادت
اور وفات بغداد میں ہوئی اسلئے بغدادیہ ہیں بڑی عالمہ
اور بہترین کاتبہ تھیں تحریر بہترین طور پر لکھتیں کتنے
ہی علماء ان کے شاگرد تھے ان کی وساطت سے سماع
عالی کا درجہ ملتا اور سند میں کم راوی کی بنا پر اصاغر کو اکابر
کی برابری حاصل ہو جاتی انکے اساتذہ میں بڑے مشہور
علماء یہ ہیں ۱؎ نصر بن احمد بن البطروانی ۲؎ ابو عبد اللہ الحسین
بن احمد بن طلحہ النعالی ۳؎ طلحہ بن الزینبی وغیرہ تیرہ ۴؎
ابو الحسن علی بن الحسین بن ایوب ۵؎ ابو الحسین احمد بن
عبد القادر بن یوسف ۶؎ اور فخر الاسلام ابوبکر محمد بن احمد
الشاشی (اس کاتبہ کی) علمی طور پر بڑی شہرت ہوئی اور
دور دور تک انکا تذکرہ ہوتا رہا انکی وفات اتوار کے
دن عصر کے بعد ۱۳/محرم ۵۷۴ھ کو ہوئی اور (بغداد میں
ہیں) ابزر کے دروازہ کے پاس سپرد خاک ہوئی آپکی
عمر ۹۰ سال کو پہنچ چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے
علامہ مقری نے اپنی کتاب نفح الطیب کی دوسری جلد

ثانی نفح الطیب تاریخ اندلس نوشتہ۔

عائشہ بنت احمد القرطبیۃ

قال ابن حیان فی المقتبس لم یکن فی زمانہا من حرائر اندلس من یعدل علما وفہما وادبا وشعرا وفصاحۃ تمدح ملوک الاندلس وتخاطبہم بما یعرض لہا من حاجۃ وکانت حسنۃ الخط تکتب المصاحف وماتت عذراء لم تنکح سنۃ اربعمائۃ وقال فی المغرب انہا من عجائب زمانہا وغرائب اوانہا وابو عبد اللہ الطیب عمہا ولو قیل انہا اشعر منہ لجاز انتہی۔

پس ازیں قول بالا صاف ظاہر است کہ شفاء بنت عبد اللہ تعلیم کتابت بہ حفصہ کرد و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم بود راضی شدہ وبعد زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابیہ ہم نسواں کہ از علماء وکملاء بودند صاحب خط وکتابت بودند واحادیث نہی کل از بواطیل وموضوعات اند واحدی ہم از علماء تصحیح آن نکردہ جز حافظ ابو عبد اللہ الحاکم وتصحیح آں متعقب فیہ است وساہلت حافظ حاکم درباب تصحیح مشہور بین المحدثین است

میں اندلس کی تاریخ بیان کی اسمیں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

عائشہ بنت احمد القرطبیہ کے بارہ ابن حبان "المقتبس" میں فرمایا اس دور میں اندلس کی حرّہ عورتوں میں کوئی بھی علمیت کے برابر نہ تھی۔ یہ فہم علم اور علم ادب فن شعر اور فصاحت میں اپنی مثال نہ رکھتی تھیں اندلس کے حکمرانوں کی مدح میں اس کا کلام مثال ہوتا حکام سے مطالبات میں بھی اسکا کلام مثالی ہوتا بہترین کتابت کرتیں اپنے قلم سے مصاحف لکھتیں زندگی بھر کنواری رہیں اور شادی کیلئے بغیر ہی ۴۰۰ھ کو فوت ہوئیں المغرب میں لکھا کہ یہ عائشہ اپنے وقت کی عجیب خاتون تھیں انکا چچا ابو عبد اللہ الطیب کے نام سے معروف ہے جو شاعر تھا اگر کہہ دیا جائے کہ یہ اپنے چچا سے بڑی شاعرہ تھیں تو درست ہے

درج بالا تحریرات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ شفاء بنت عبد اللہ نے حضرت حفصہ کو کتابت سکھائی اور اس (تعلیم کتابت) پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رضامند تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کے دور میں بھی کتنی ہی عورتیں بڑی عالمہ اور کاملہ تھی جو خط و کتابت کی ماہر بھی تھیں رہی بات (کتابت نسواں کے احادیث نہی کی تو وہ سب موضوع اور باطل ہیں کسی عالم نے انکی تصحیح تک نہیں کی اور انکو درست نہیں کہا انکو صرف امام ابو عبد اللہ الحاکم ہیں جو صحیح کہتے ہیں ان کی تصحیح پر علماء نے تعاقب کیا امام حاکم کی اس طرح کی تصحیح میں سست

تا آنکہ دیگر حفاظ موافقت بہ تصحیح آں نکنند وآنکہ گفتہ کہ بیہقی ہم تصحیح حدیث نہی کردہ وشیخ جلال الدین سیوطیؒ تبعیت حاکم و بیہقی نمودہ پس دے بر بیہقی وسیوطی افترائے عظیم بستہ ہر کہ لآلی منصوعہ را مطالعہ کند ایں معنی برو آشکارا گردد بخلاف حدیث شغار کہ اسناد او صحیح وثابت است ورجال اسناد او رجال صحیحین اند فلا کلام فی صحۃ اسنادہ الا المجادل علیہ۔

روی اور کاہلی کلام ہونا مشہور ہے جس کا محدثین اعتبار نہیں کرتے جب تک کوئی اور محدث بھی تصحیح نہ کرے تب تک انکے فیصلہ پر اعتبار نہیں اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ بیہقی نے احادیث نہی کی تصحیح کی ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی نے حاکم اور بیہقی کا اتباع کیا ہے یہ ہر دو باتیں غلط اور افترا محض ہیں اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوگا اصحاب علم جو سیوطیؒ کی کتاب اللآلی المصنوعۃ کا مطالعہ کرتے ہیں ان سے یہ بات مخفی نہیں (کہ یہ بات غلط ہے) ان پر احادیث موضوعہ کے مقابلہ شغار کی حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ثابت ہے، اور یہ بھی واضح ہے، اس سند کے راوی صحیحین کے راوی ہیں، بنا بریں اس حدیث کی صحت میں تو کوئی شبہ نہیں ہاں مگر محض جھگڑتے اور دشمنی کرنے والے کا کوئی علاج نہیں۔

وابوداؤد ومنذری بر حدیثے شغار سکوت کردہ وبقاعدہ مقررہ سکوت ایں ہر دو حافظ بر حدیثے از احادیث سنن ابی داؤد مقتضی صحت اوست۔

امام ابوداؤد اور منذری نے شغار کی روایت پر جو خاموشی اختیار کی ہے یہ خاموشی بھی ابوداؤد اور منذری جیسے حافظ احادیث کی محدثین کے ہاں صحت حدیث کی دلیل خیال کی جاتی ہے تو مضمون حدیث کیلئے یہ اور مؤید ثابت ہوئی۔

وابوعبداللہ الحاکم تصحیح آں کردہ وذکر کردن مفسر آں حدیث نہی را در تفسیر سورۃ نور قابل حجت ومقتضی صحت او نیست چراکہ مفسر آں التزام ایراد احادیث صحیحہ نکردہ اند۔

امام حاکم نے بھی اس حدیث کی صحت بتائی ہے کسی مفسر کا حدیث نہی کو سورہ نور کی تفسیر میں ذکر نا قابل اعتبار اور دلیل صحت نہیں کیونکہ مفسر نے کتاب میں اندراج کے لئے اس کو شرط نہیں قرار دیا۔

بلکہ امام بغوی کہ مقتدائے اہلحدیث
است احادیث واہیہ ومنکر وشاذہ ہر قسم
در تفسیر خود کہ مسمیٰ بمعالم التنزیل است مے
آرد بلا تنقید وکشف احوال رواۃ این معنیٰ
از جلالت شان او بہایت بعید است البتہ
حافظ ابن کثیر متکفل ایں امر شدہ در تفسیر
خود کہ احادیث مے آرد تنقید ہم میکند بایں
جہت تفسیر او فائق بر جملہ تفاسیر شدہ پس
ایراد کردن بغوی حدیث نہی را بر طالب حق
حجت نیست خصوصاً بغوی ہم حدیث نہی
را من روایت محمد ابراہیم الشامی عن شعیب
بن اسحاق عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن
عائشہ رض روایت کردہ و بطلان ایں روایت
از تحریر ماسبق ظاہر شدہ۔

بلکہ امام بغوی جو علماء حدیث کے ہاں بڑے
جید عالم اور متقد الخیال کئے جاتے ہیں وہ بھی نہایت
کمزور منکر شاذ قسم کی روایات اپنی تفسیر معالم
التنزیل میں بار ہا ذکر فرما دیتے ہیں ان روایات
پر تنقید اور بحث رجال پر کوئی حرف تک نہیں
لکھتے جب کہ کیفیت ان کی جلیل القدر شان سے
کوئی مناسبت نہیں رکھتی (تو ثابت ہوا کہ محض تفسیر
میں کسی حدیث کو لکھ دینا اسکی صحت کی دلیل نہیں،
البتہ حافظ ابن کثیر نے یہ اہتمام کیا ہے وہ اپنی تفسیر میں
جو روایت ذکر کرتے ہیں، اس پر جو تنقید ہوتی ہے، وہ بھی
ذکر کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے انکی تفسیر دیگر تفاسیر
پر فوقیت رکھتی ہے امام بغوی کا حدیث نہی کو ذکر نا کسی
بھی طالب حق پر حجت نہیں خاص کر جب کہ امام بغوی نے
بھی کتابت نسواں کی نہی والی حدیث اس سند سے ذکر کی
محمد بن اسحاق عن ہشام بن عروۃ حضرت عائشہ رض سے مروی
ہے درج بالا حدیث کے باطل ہونے پر سابقہ تحریر
صاف پتہ دیتی ہے۔

وعلامہ علاؤ الدین الخازن ہم در تفسیر خود
لباب التاویل حدیث عائشہ رض بلا سند
ذکر کردہ پس چگونہ حجت میتواں شد۔

علامہ علاؤ الدین الخازن نے بھی اپنی
تفسیر لباب التاویل میں حضرت عائشہ رض کی
روایت بلا سند ذکر کی ہے تو یہ بلا سند حدیث
کیسے حجت ہو سکتی ہے۔

البتہ اگر مفسرین معتبرین مثل ابن جریر
وابن کثیر و بغوی و سیوطی رح و خازن امثالہم تصحیح

ہاں اگر معتبر مفسرین ابن جریر ابن کثیر یا بغوی
سیوطی رح خازن جیسے علماء اس کو (یعنی حدیث

این حدیث نہی مجرد ندیا ناقل تصحیح از حفاظ
دیگر یبشد ندالبتہ لائق استدلال شدے وقابل
اعتماد واعتبار بودے واذلیس فلیس۔

واگر گوئی کہ علامہ علی قاری در مرقات المصابیح
شرح مشکوۃ المصابیح در شرح حدیث
شفاء گفتہ۔

قلت یحتمل ان یکون جائزا
للسلف دون الخلف لفساد النسوان فی
هذا الزمان ثم رأیت قال بعضهم
خصت بذا حفصة لان نساء النبی
صلی اللہ علیہ وسلم خصصن باشیاء
قال اللہ تعالی یا نساء النبی لستن
کاحد من النساء الخ۔

وخبر لا تعلموهن الکتابة
یحمل علی عامة النساء خوفا للافتتان
علیهن۔ انتهی۔

و شیخ عبدالحق دہلوی در اشعۃ اللمعات
شرح فارسی مشکوۃ گفتہ۔

اما تعلیم کتابت مر زنان را در حدیث دیگر
نہی ازاں آمدہ چنانکہ فرمود لا تعلموهن الکتابة
وازیں حدیث جواز آں مفہوم گردد وایں

نہی کو صحیح کہتے یا دیگر ناقل اس کی تصحیح فرمائے
تو یہ قابل استدلال ہو سکتی تھی اور اس پر اعتماد ہو
سکتا مگر جب ایسا نہیں تو پھر کیسے قبولیت ہو۔

اگر آپ سوال کریں کہ علامہ ملاں علی قاری رح
نے مرقات شرح مشکوۃ المصابیح میں شفاء رض کی
حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

(مقولہ علی قاری رح) میں کہتا ہوں کہ کتابت
کی تعلیم نسوانی سلف کیلئے تو جائز ہو گی مگر بعد
والوں کیلئے نہیں کیونکہ اس زمانہ عورتوں کے
حالات خراب ہو گئے پھر میں نے دیکھا کہ بعض کہتے
ہیں یہ حکم حضرت حفصہ سے خاص ہے کیونکہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بعض احکام سے مختص ہیں
جیسے اللہ تعالی فرماتے ہیں یا نساء النبی الخ کہ اے نبی کی
بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں الخ جو حدیث
لَا تُعَلِّمُوهُنَّ الْكِتَابَةَ الخ۔

(کہ عورتوں کو کتابت نہ سکھاؤ) والی ہے
اس کو فتنہ والے دور پر محمول کر لیا جائے گا۔ کہ
جب حالات خراب ہوں تو عورتوں کو کتابت نہ سکھائی جائے

شیخ عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب اشعۃ
اللمعات شرح مشکوۃ میں فرمایا ہے۔

عورتوں کو تعلیم کتابت سے نہی کی حدیث جو
مرقوم ہے اس کے مقابلہ میں تعلیم کتابت کی
جواز والی حدیث بھی موجود ہے (جواز کا حکم)

پیش از نہی باشد۔

و بعضے گفتہ اند کہ نساء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مخصوص اند از اں در بعضے احکام و فضائل و نہی از کتابت محمول بر نساء عامہ است کہ خوف فتنہ در انجا متصور است و اینجا چنین نیست انتہی و ہکذا فی شرح المصابیح للشیخ محمد بن عبداللطیف المعروف بابن الملک۔

نہی سے پہلے کا ہے (یعنی یہ منسوخ ہے)

بعض علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں دوسری عورتوں کے مقابلہ میں بعض احکام میں مختص ہیں اور فضائل میں بھی ممتاز ہیں تعلیم کتابت سے عورتوں کو جو منع کیا گیا وہ بھی عام عورتیں مراد ہیں جن کے بارہ فساد کا خطرہ ہو مگر ازواج کے بارہ میں تصور بھی نہیں ہو سکتا یہی مضمون شرح مصابیح میں جو کہ شیخ محمد بن عبداللطیف المعروف بابن الملک نے لکھی ہے درجہ بالا احتمال کا جواب۔

گویم ازیں بزرگان عجب ہا است چرا احتمالات شتیٰ پیدا میکنند و خصوصیت جواز کتابت بہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا از او عاوایں شراح مشکوٰۃ ہر گز ثابت نخواہد شد۔

بلکہ بر اثبات خصوصیت دلیل محکم باید ورنہ ہر کس مجاز است کہ در ہر مسئلہ کہ خواہد دعویٰ خصوصیت باحدے دون احدے نماید و در تنگی بیندازد و قطع نظر ازیں ایں حدیث شفاء حجت است بر مدعیان تخصیص و ہادم دعویٰ الشان است چہ اگر تخصیص بحضرت حفصہ بود پس شفاء چرا کتابت میکرد و چگونہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اجازت فرمود ایں اول دلیل بر عدم تخصیص است۔

میں عرض کرتا ہوں کہ ان بزرگوں پر تعجب آتا ہے جو مختلف احتمال پیدا کرتے ہیں اور جواز کتابت کو حفصہ رضی سے خاص بتاتے ہیں، انکی تحریرات سے قطعاً یہ احتمال ثابت نہیں ہو سکتے۔

خصوصیت ثابت کرنیکے لئے محکم دلیل ہونی چاہیئے ورنہ ہر شخص جب چاہیے گا کسی نہ کسی مسئلہ میں خصوصیت کا دعویٰ کردے گا۔ کہ یہ حکم فلاں سے خاص ہے فلاں سے نہیں اس طرح دین میں تنگی پیدا ہو جائے گی (اور احکام شرع عام نہ رہیں گے) خصوصیت سے قطع نظر ویسے بھی یہ حدیث شفاء ان کے خلاف دلیل ہے اسطرح کہ اگر تعلیم کتابت حفصہ رضی سے خاص ہے، تو شفاء کس طرح کتابت کرتی تھیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو یہ حکم کیسے دیا کہ تو حفصہ رضی کو کتابت سکھا دے) یہ حدیث خود ہی عدم تخصیص کی دلیل ہے۔

واحتمال اینکہ جائز باشد برائے سلف نہ خلف ترجیح بلا مرجح است بلکہ جمیع امت محمدیہ در امر حلت وحرمت متساویۃ الاقدام اند الا من خصہ الشارع۔

رہا یہ احتمال کہ تعلیم کتابت نسواں سلف کیلئے جائز تھا خلف کے لیے نہیں یہ بھی ترجیح بلا مرجح ہے بلکہ تمام امت محمدیہ احکام شرع حلت وحرمت میں برابر ہیں ہاں اگر شارع خود کسی حکم میں وضاحت سے خاص کردیں تو درست ہے۔

وخوف فساد نسواں در ازمنہ سابقہ ہم بود شان نزول آیۃ کریمہ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ شاہد ایں مدعا است حاصل کلام اینکہ فی نفسہ در جواز تعلیم کتابت نسواں ایچ کلام نیست زناں بالغہ ومشتہاۃ از زنان دیگر یا از محرمات خود و نابالغہ وغیرہ مشتہاۃ از ہر کہ خواہد کتابت بیاموزد و کتابت باعث افتتان آنہا نیست چہ اگر بودے ہرگز شارع ؑ اجازت آں ندادے وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا وہر کہ در فتنہ افتادہ از لحوق امور خارجی باشد نہ از تعلیم کتابت واللہ اعلم۔

حالات کی خرابی تو ہر زمانہ میں رہی ہے

حالات کی خرابی تو ہر زمانہ قرآن مجید کی آیۃ کریمہ ولقد علمنا الخ کا شان نزول اس کا واضح ثبوت ہے مندرجہ بالا تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ عورتوں کیلئے تعلیم کتابت جائز اور درست ہے اسمیں کوئی حرج نہیں خواہ وہ عورتیں بالغہ ہو یا نابالغہ جس عورت سے چاہئیں وہ تعلیم کتاب میں مختار ہیں خواہ ان کی محرمات ہوں یا نہ نیز نفس تعلیم کتابت باعث فتنہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر محض تعلیم کتابت باعث فتنہ ہوتی تو شارع علیہ السلام اسکی ہرگز اجازت نہ دیتے کیونکہ رب نہیں بھولتا اور نبی کو رب ہی احکام بتاتا ہے اصرف کتابت کی تعلیم باعث فتنہ نہیں واللہ اعلم۔

وآنکہ علامہ محمد طاہر در مجمع البحار الانوار از علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نقل کردہ الا تعلمین ہذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیہا الکتابۃ وھذا اشارۃ الی حفصۃ النملۃ قروح تخرج فتبرا باذن اللہ وقیل اراد قولا

کتاب مجمع البحار الانوار میں علامہ محمد طاہر نے جو کلام علامہ طیبی سے نقل کیا وہ یہ ہے۔ کہ حدیث کے الفاظ الا تعلمین الخ تو اس (حفصہ رض) کو نملہ کا دم کیوں نہیں سیکھاتی جیسے تو نے اس کو کتابت سیکھائی (لفظ نملہ کی تشریح نملہ زخم ہوتے ہیں جو بدن پر دیکھائی

يسميها رُقية النملة وهي العروس الخ ۔

دیتے ہیں اور اللہ کے اذن سے صحت بھی ہوجاتی ہے بعض نے کہا نملہ سے خاص قول مراد ہے جسے بول کر کنایۃ اس سے دلہن مراد لیتے تھے ۔

فاوجه التعريض بتاديب حفصة حيث اشاعت سره ﷺ وياء علمتيها لا شباع قال لان ما ذهبوا اليه من رقيه خرافات مينهي عنها فكيف يأمر بتعليمها اقول يحتمل على ارادة الثانية ان يكون تخصيصها على تعليم الرقية وانكار الكتابة الى هلا علمتيها ما ينفعها من الاجتناب عن عصيان الزوج كما علمتيها ما يضرها من الكتابة وعلى الارادة الاولى ان يتوجه الانكار على الجملتين جميعًا لان الرقية المتعارفة منافية الحال المتوكلين انتهى ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس لفظ سے تعریضاً یہی معنی مراد لیا ہے کہ حفصہ کو ادب سیکھانا چاہتے تھے کیونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کیا تھا اور لفظ یا علمتیها کی اشباع کیلئے ہے وہ کہتے ہیں کہ جو دم باطل قسم کے ہیں ان سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تھا اس کے بارہ آپ سیکھانے کا حکم کیسے دے سکتے تھے میں کہتا ہوں کہ دوسرے معنی کے اعتبار پر احتمال ہے کہ رقیہ سیکھانے کا حکم خاص ہو اور کتابت سیکھانے پر انکار مراد ہو (یعنی اے شفاء) تو نے حفصہؓ کو خاوند کے حکم عدولی سے تو منع نہ کیا جو اس کیلئے سفید تھا اور تو نے اسکو وہ کچھ سیکھایا جو اس کیلئے مضر ہے اس سے مراد کتابت سیکھانا ہے اور رقیہ کے پہلے معنی کے اعتبار پر انکار کا تعلق ہر دو جملوں سے بیکبار ہوگا کیونکہ رقیہ کلمام معنی دوم متوکلین کے حالت توکل کے خلاف ہے ۔

پس این تاویل قابل قبول نیست ومنشائی این تاویل قلت اطلاع وعدم عبور برمتون وطرق احادیث است حافظ ابن حجرؒ دراصابۃ نوشتہ ۔

درجہ بالا تاویل قابل قبول نہیں اور اس قسم کی تاویلات کا سہارا وہی لیتا ہے جسکو متون احادیث وطرق اسانید حدیث پر کم نظر ہوتی ہے حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الاصابہ میں جو لکھا اسکا مفہوم خود غور سے ملاحظہ فرمائیے جو درج ذیل ہے ،

اخرج ابن مندة حديث رقية النملة من طريق الثوري عن ابن المنكدر عن ابي بكر بن سليمان بن ابي حثمة عن حفصة ان امرأة من قريش يقال لها الشفاء كانت ترقى من النملة فقال النبي صلى الله عليه وسلم علميها حفصة۔

واخرجه ابن مندة وابو نعيم مطولا من طريق عثمان ابن عمر بن عثمان بن سليمان ابي حثمة عن ابيه عمر عن ابيه عثمان عن الشفاء انها كانت ترقى في الجاهلية وانها لما هاجرت الى النبي صلى الله عليه وسلم وكانت قد بايعته بمكة قبل ان يخرج قدمت عليه فقالت يا رسول الله اني قد كنت ارقى برقية في الجاهلية فقد اردت ان اعرضها عليك قال فاعرضيها قالت فعرضتها عليه وكانت ترقى من النملة فقال ارقي بها وعلميها الحفصة۔

پس ازیں روایات تاویل علامہ طیبی باطل شدہ وجواز تعلیم کتابت بہ نسواں ثابت ماندہ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

ابن مندہ نے رقیۃ النملہ کی حدیث امام ثوری کیواسطہ سے ذیل کی سند سے نقل کی عن ابن المنکدر عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ عن حفصہ حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت قریشی جسکا نام الشفاء ہے نملہ کا دم کیا کرتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ تو یہ دم حفصہؓ کو سکھا دے۔

ابن مندہ نے ابو نعیم سے مفصل حدیث نقل کی ہے جو یہ ہے بواسطہ عثمان بن عمر بن عثمان بن سلیمان ابی حثمہ عن ابیہ عمر وعن ابیہ عن الشفاء شفاء راویۃ ہیں کہ وہ جاہلیت کے دور میں کچھ دم کیا کرتی تھیں اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کے بعد آئیں وہ پہلے ہی مکہ میں مسلمان ہو حقیقت کر چکی تھیں آنحضرت کے ہجرت سے پہلے کو یہ شفاء مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول میں زمانہ جاہلیت میں دم کیا کرتی تھی اور اب میں وہ دم آپکے سامنے پیش کرتی ہوں۔ تو آپ نے فرمایا سنا تو اس نے وہ سنا دیا اور یہ دم نملہ (زخموں کی بیماری) کا تھا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں یہ درست ہے تو خود دم بھی یہ دم کر اور حفصہؓ کو بھی سکھا دی۔

پس ان روایات سے پتہ چلا کہ علامہ طیبی کی تمام تاویلات باطل ہیں اور عورتوں کو کتابت کی تعلیم دینا جائز اور صحیح ثابت رہا واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

قال العبد الضعيف مؤلف
هذه الرسالة المسماة بعقود الجمان فی
جواز تعليم الكتابة للنسوان ابو الطيب
محمد بن امير المدعو بشمس الحق العظيم
آبادی لقد استراح القلم من تحريرها
فی سنہ ۱۳۰۷ من هجرة النبوية على
صاحبها افضل الصلوة والتحية
تمام شد

بندہ ناتواں گویا ہے جو اس رسالہ موسومہ
"عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان" کا
مولف ہے اس کا نام ابو طیب محمد بن امیر
ہے جن کو عام لوگ شمس الحق عظیم آباد کے نام
سے جانتے ہیں بندہ عرض گو ہے کہ میں نے
اس رسالہ کو سنہ ۱۳۰۷ کو میں تحریر کیا اور آخر میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزاروں درود عرض
کرتا ہوں جن کے واقعہ ہجرت پر اسلامی سن کی بنا
پڑی اللہم صلی علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم